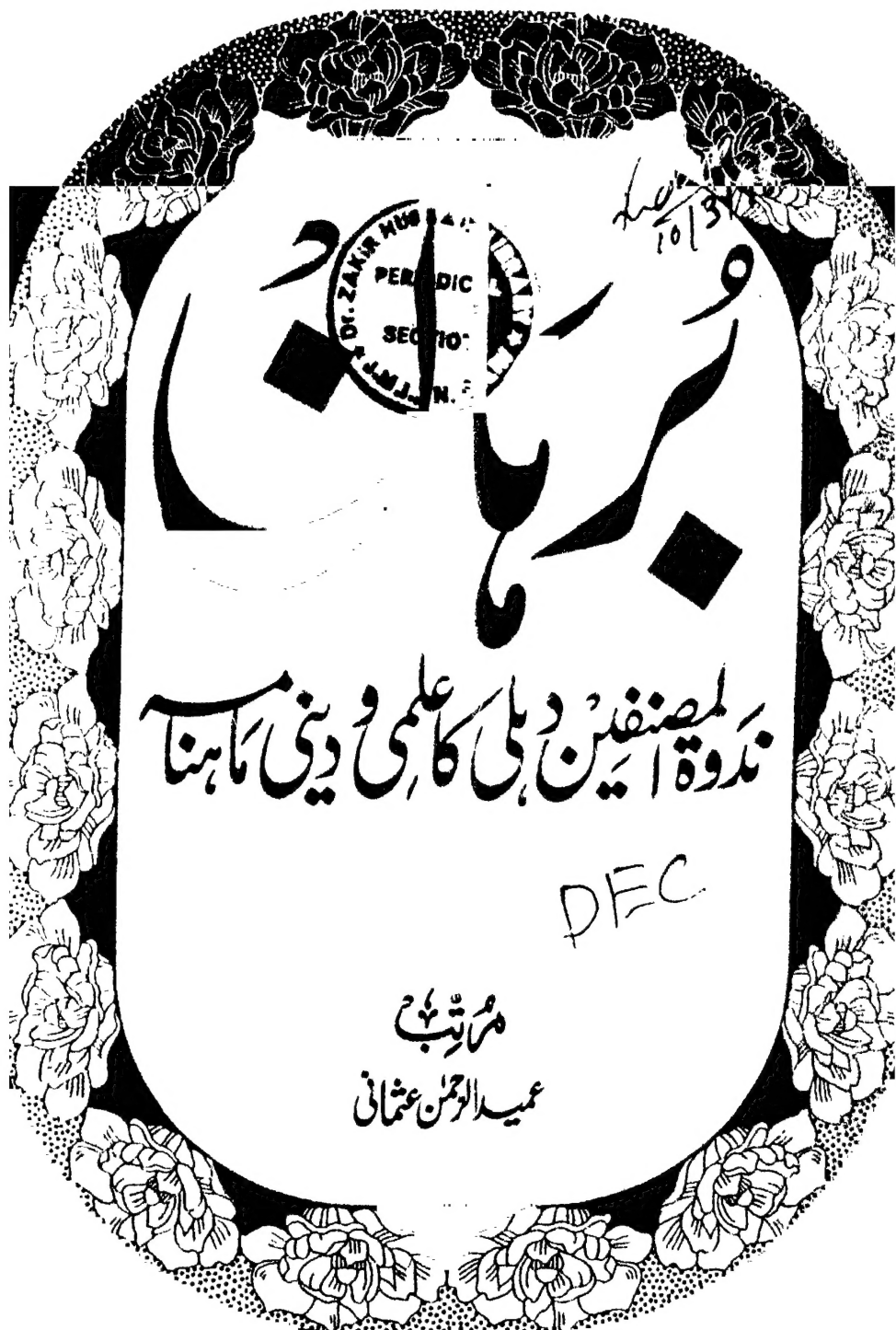


باب

دن رات ایکس ڈاکو کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ ان کو
 آج کل ایکس نے بینکوں کو اپنا نشانہ بنا رکھا ہے۔ اور اس کے
 ناپیک کے بڑے افسر کا حلیہ بنا کر اور لوگوں کی آنکھوں میں ڈھونڈ
 میں ڈارالم ہے۔ غفران ہر وقت یہی سوچتے رہتے کہ کاش ایکس
 اس کے پیچھے نہ آجائے تو اپنے ہتھکے میں خوب نام ہو جائے۔ آج اتوار ہونے
 کے سبب چارماتے تو اپنے ہتھکے میں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔
 ان کو ذرا بھی نہیں جانا تھا۔ لہذا ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آج پھر ذرا
 انہوں نے دل میں طے کیا کہ لاؤ آج پھر ذرا
 اے ان کو بڑی خانہ

یادگار حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی



〇〇

卷之三



سرپرست اعلیٰ ندوۃ المصطفین دہلی

عالمکتاب حکیم عبدالحمید صاحب پائسلر جامعہ ہمدردی دہلی و علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مجلس ادارت اعزازی

سید اقدار حسین
ڈاکٹر معین الدین جانی
عمود سعید بلالی
ڈاکٹر جوہر قاضی

برق

نگران اعلیٰ
حضرت مولانا حکیم محمد زکی سیفی

شمارہ ۱-۲

جنوری ۱۹۹۸ء

جلد ۱۲۴

۶۶ء

تہذیب

شمارے

۱۳۱

- ☆ نظرات عمید الرحمن عثمانی — ۲
- ☆ اقبال کا پیغام عصر حاضر کے نام (دوسری اور آخری قسط)
- ☆ جناب مولوی قاری محمد بشیر الدین صاحب (ایم. اے. علیگ) — ۶
- ☆ زمینداری اور جاگیر داری کا تاریخی پس منظر (دوسری قسط)
- ☆ جناب مولوی تقی الدین صاحب بہاری — ۱۶
- ☆ مغربی فن تعمیر پر اسلامی فن تعمیر کے اثرات
- ☆ (ترجمہ : جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم. اے) — ۲۶
- ☆ ادبیات (غزل) — جناب استاد الشعرا مفتی امیر احمد صریتر — ۳۲

جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

منیجر ماہنامہ برق پٹان

4136 - اردو بازار جامع مسجد دہلی - 110006 + فون نمبر 3262815

زیر تعاون
.....
فی پروج: ۱۲ روپے
بالا: ۳۰ روپے
کمپیوٹر کتابت
CREATIVE VISION

عمید الرحمن عثمانی ایڈیٹر پر غزل کا پتہ خواجه پریس دہلی میں چھپوا کر دہلی ہمدرد بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظرات

برطانیہ کی سابق وزیر اعظم مارگریٹ تھیچر نے عیسائیت اور اسلام کے بارے میں پیش آنے والے واقعات کے سلسلے میں اظہار خیال کرتے ہوئے اپنی ایک کتاب جو تقریباً تین چار ماہ پہلے ہی منظر عام پر آئی ہے لکھا ہے کہ اسلامی دنیا میں جس طرح کے واقعات رونما ہو رہے ہیں اور وہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے اس بات کی زوردار تائید ہوتی ہے کہ اسلام اپنے جارحانہ انداز میں ایک بار پھر عیسائیت کو فنا کرنے کے ارادے سے پوری دنیا میں تیزی سے نمودار ہو گا اور اگر عیسائیت کو اپنی بھاء و سلامتی درکار ہے تو اسے ابھی سے اس خطرے کا مقابلہ کرنے کی تدابیر اختیار کرنی ہوں گی اور اسلام کی جارحیت کو اسے کس طرح روکنا ہے اس کے لیے پوری عیسائی دنیا کو ابھی سے مل بیٹھ کر کوئی جامع لائحہ عمل تیار کرنا ہو گا اور اگر ہم نے اس طرف سے لاپرواہی اختیار کیے رکھی تو عیسائیت کو اپنے وجود کو ختم کرنے کے لیے تیار ہونا پڑے گا۔ لیکن مارگریٹ تھیچر کا تعلق سیاست سے بھی ہے اس لیے انھوں نے اپنے ان خیالات کا اظہار اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کے لیے بھی پبلسٹی کے ذرائع کو استعمال کرنا زیادہ مناسب سمجھا، ورنہ تو یہ ایک حقیقت ہے کہ یورپی دنیا میں جو کچھ آج ہو رہا ہے وہ محض مارگریٹ تھیچر ہی کے خیالات کی عین ترجمانی ہے اور مارگریٹ تھیچر نے تو یہ بات ظاہر کر دی اور کیوں کر دی ان کی اس میں کیا مصلحت تھی یہ تو وہ خود ہی جانتی ہوں گی اور مارگریٹ تھیچر نے یہ بات کہہ کر عیسائیت پر کوئی احسان نہیں کیا ہے بلکہ اسلامی دنیا کے لیے ان کی یہ کتاب یقیناً ایک حیرت انگیز انکشاف کی حیثیت رکھتی ہے اور اسلامی دنیا کے اہل و دانش اس کتاب کو پڑھنے کے بعد اپنی حکمت عملی کیا اختیار کرتے ہیں اس سے واقفیت ہم سب کے لیے باعث دلچسپی ہو گی۔

مارگریٹ تھیچر کی یہ بات تو چار پانچ ماہ پہلے ہی عیسائی دنیا کو شاید جگانے کے مقصد سے سامنے آئی ہے یا خود مارگریٹ تھیچر ہی عیسائی دنیا کے پردہ گراموں پر پردہ ڈالنے کے عین مقصد میں ہی یہ بات ایک کتاب کے ذریعہ کہنے پر اس لیے کمر بستہ ہوئی ہیں کہ اسلامی دنیا کو مزید غفلت کی نیند میں مبتلا رکھا جائے اور اس سے پہلے

ہم نے دیکھا ہے کہ دنیا کی طرف سے کارروائیاں عمل میں لائی گئیں یا لائی جارہی ہیں اس کو اسلامی دنیا
سے منسوب کر کے دیکھ کر مذہبی نقطہ نظر سے ہر گنہگار دیکھے اور وہ مزید مگر اسی میں بڑا کر اپنے کو تباہ و
برباد کر کے حاکم بن چکے ہیں۔

مذہب خیال میں تو مارگریٹ تھیچر نے یہ کہہ کر کوئی اہم بات نہیں کہی ہے کہ مستقبل میں عیسائیت کو
اسلامی جوں اور اسلامی اگر وہ کو ذہن میں رکھ کر کوئی لانچ عمل مرتب کرنا ہوگا، شاید مارگریٹ تھیچر کو یہ
بات معلوم نہیں بلکہ وہ جان بوجھ کر اس کو چھپانے کی کوشش کر رہی ہیں کہ عیسائیت تو ایک عرصہ دراز سے
اسلام کو اپنے لیے ایک خطرہ سمجھ کر مختلف طریقوں سے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے حکمت عملی اختیار کیے
ہوئے ہے۔ اس میں کچھ تو فعل اسلامی دنیا کے اہل دانش کی ناکھی ہی کو جاتا ہے اور کچھ مفاد پرست وہ لوگ جو
اسلام کا لہذا و لڑھ کر وہ حرکتیں کر رہے ہیں جنہیں وہ اسلام مذہب کے مطابق گردانتے ہیں لیکن حقیقت میں
اسلام سے اس کا کوئی تعلق و واسطہ نہیں ہے اور سب سے بڑی بات جو ہے وہ یورپی دنیا کا کام کرنے کا بہترین
اور کلر گر طریقہ عمل ہے، جس منظم انداز سے وہ ایک عرصہ سے اس سلسلے میں کام کر رہے ہیں اس کا کوئی
بھی جواب موجودہ اسلامی دنیا کے پاس بالکل نہیں ہے۔ صلیبی جنگوں سے عیسائیت نے زبردست سبق
سیکھا ہے انہوں نے موجودہ حالات میں صلیبی جنگوں میں اپنی ناکامیوں کا زبردست بدلہ اسلامی دنیا سے لینے کی
کھانی ہوئی ہے اور اس میں کسی حد تک ان کی کامیابی کو نظر انداز کرنا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا ہے۔ ۱۹۲۳ء میں
ترکی سے خلافت عثمانیہ کا خاتمہ خود مسلمانوں کے ہی ایک طبقہ جس کی نمائندگی مصطفیٰ کمال پاشا کر رہے تھے،
کے ذریعے ختم کرنا عیسائیت کی اسلامی دنیا پر سب سے بڑی چوٹ تھی اس وقت اسلامی دنیا کے کسی بھی فرد
نے اسے معمولی انداز میں لیا، صرف ایک فض فض تھا اور وہ بھی ہندوستان میں جس کا نام مسٹر محمد علی علیگ
ہے مولانا محمد علی جوہر ہے، اس محترم اہستی نے چاک خلافت کو دراصل اسلام مذہب پر کاری ضرب ہی سے
تعمیر کیا تھا چنانچہ اس پر تمام دنیا میں مولانا محمد علی جوہر جیتنے چلاتے رہے مگر کسی نے اس مجسم ایمان کی بات پر
دھیان ہی نہیں دیا اور آخر میں وہ ایڈوں اور غیروں کی لٹ ترانیاں سننے سننے موت کی آغوش میں جا پہنچا۔ اس
کے بعد عربوں کے قلب میں فلسطین کے تمام احتجاجات کے باوجود فلسطینیوں کے حقوق کو پامال کرتے
ہوئے اسرائیل نام کی سلطنت قائم کر کے اسلامی دنیا پر وہ زبردست وار کیا جس کے زخم کو اسلامی دنیا شاید ہی
ختم کر سکے۔ آج پچاس سال ہو چکے ہیں دنیا کے نقشے پر اسرائیل نام کی ریاست قائم ہوئے، اس دوران میں
عرب ممالک جب بھی غارغ البال ہو کر اپنے لیے کچھ کرنے کی تدبیر اختیار کرتے ہیں تو ان پر اسرائیل کی
طرف سے جنگ لاد دی جاتی ہے اور وہ مہر جنگ سے ہونے والے نقصانات کی بھرپائی میں لگ جاتے ہیں۔ اس
چکر میں ان کی زعم گیاں ختم ہو رہی ہیں وہ اپنے بارے میں اپنی قوم کے بارے میں اپنے ملک کے بارے میں کچھ
بھی اطلاع و ترقی کی باتیں سوچ ہی نہیں پاتے ہیں۔ سودیت یونین کے خاتمے کے بعد اس کے تحت جو ریاستیں

آزاد و الگ ہوئیں ان میں اکثریت مسلمان تھیں۔ سوویت روس سے چمکھار پانے کے بعد انہوں نے اپنے غصب شدہ مذہب اسلام کو بازیاب کیا تو یورپی یونانے ان کو ایسا الجھا دیا کہ وہ اپنے مذہب اسلام کو بھول کر اپنی بقا و سلامتی ہی کی طرف زیادہ متوجہ ہو گئیں۔ یونانیا میں مسلمانوں پر حملے ہوتے ہیں تو بجائے اس کی مذمت کے اسے اسلامی جنون پرستی کی دین کہہ کر اس پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے، چھینائیں لڑائی تھوپ کر مسلمانوں پر عرصہ حیات تک کر دیا جاتا ہے۔ ترکی میں دوفرے بنا کر تمام دنیا میں یہ باور کرانے کی مہم شروع ہو جاتی ہے کہ ترکی میں اسلام کی آڑ میں دہشت پسندی نے زور کر رکھا ہے اس طرح الجیریا میں خواہ مخواہ کا قتیہ کھڑا کر کے اسلام کو مازن انسان کے ذہن میں ایک جارحیت پسند مذہب کی صورت میں پیش کرنے کی زبردست سازش چل رہی ہے۔ تمام پبلشز کے ذرائع ان کے ہاتھ میں ہیں اور اس دور میں الیکٹرانک میڈیا پر بھی عیسائی دنیا کی اجارہ داری ہے۔ ایسی پوزیشن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یورپی طاقتوں نے ان تمام ملکوں میں جہاں اسلام کو ماننے والوں کی اکثریت و حکومت ہے، خُسن و مائل، دولت و سائنسی ایجادات، ہتھیاروں اور فوجی طاقت کے بل بوتے پر اپنی خفیہ سازشوں و کارروائیوں کو جاری کیے رکھا ہے۔ عراق و ایران جنگ جو ۹ سال تک مسلسل چلتی رہی اور پھر عراق کے خلاف اقوام متحدہ کے حکم کے تحت اتحادی ملکوں کی طرف سے زبردست فوجی و اقتصادی ہائیڈکات جیسی کارروائیاں بھی دراصل عیسائیت کا پوری دنیا پر تسلط قائم کر کے تمام مذاہب کو جس نہیں کر دینے کے پوشیدہ پلان کا ہی ایک حصہ ہے۔ یہاں ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اسلام کے شیدائی یورپی دنیا کے اس شاطرانہ کھیل سے چشم پوشی اختیار کر کے دنیا کی وقتی چمک و دک اور عیش و آرام میں کھوئے ہوئے ہیں جو مستقبل میں خود ان کے لیے اور ان کی نسلوں کے لیے باعث ہلاکت ہی ثابت ہوگی۔ مارگریٹ تھیچر کی کتاب کو اسی نقطہ نظر سے بار بار پڑھنے کے بعد کوئی آنکھیں بند کیے بیٹھے رہے تو اس کی تپائی و بربادی کو کون روک سکتا ہے۔

ہندوستان کی بارہویں پارلیمنٹ کے الیکشن ہو رہے ہیں۔ اس میں کانگریس کے پروپیگنڈہ کے لیے شریعتی سونیا گاندھی بالآخر میدان میں کود دی پڑیں۔ اور جیسے ہی انہوں نے انتخابی جلسوں کو خطاب کرنا شروع کیا عوام کا جم غفیر ان کے خطاب کو سننے کے لیے ٹوٹ ہی پڑا۔ ان کا سب سے پہلا خطاب جس انتخابی جلسہ میں ہوا وہ وہی جگہ تھی جہاں چھ سال پہلے ان کے شوہر راجیو گاندھی بم حادثہ میں ہلاک ہو گئے تھے۔ اخباری رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ شریعتی سونیا گاندھی کے خطاب کو سننے کے لیے اس قدر بھیڑ اکٹھی تھی کہ اس سے پہلے ایسی بھیڑ کسی کو بھی سننے کے لیے کبھی نہیں اکٹھی ہو سکی۔ اس کے بعد ہندوستان کے مختلف شہروں میں شریعتی سونیا گاندھی کی انتخابی تقریریں ہو رہی ہیں اور اس میں عوام کی اس قدر کثیر تعداد موجود ہوتی ہے کہ بڑے بڑے دانشور حیرت و استعجاب میں پڑ گئے ہیں۔ الیکشن کے ماہرین جو بارہویں پارلیمنٹ کے لیے الیکشن

میں کانگریس کو پچاس سینٹیں ہی ملنے کا اندازہ لگا رہے تھے اب انہوں نے اپنی یہ رائے اور اندازہ بدل دیا ہے۔
 بعد میں جتنا پارٹی سونیا گاندھی کے منظر عام پر آنے سے سب سے زیادہ یوگلا گئی ہے اور اس نے سونیا کے
 بارے میں لوٹ چٹاک باتیں کہنا شروع کر دی ہیں۔ کبھی یو فورس کا معاملہ کھڑا کر دیا جاتا ہے تو کبھی سونیا
 گاندھی کے غیر ملکی ہونے کی بات کہہ کر ہندوستانی عوام کو گمراہ کیا جاتا ہے اور مسٹر جارج فرناٹیز جو بھارتیہ
 جٹک پارٹی کے حلیف ہیں، نے تو آئند چار لیمنٹ میں اس طرح کا بل پاس کرانے پر زور دیا ہے کہ جو ہندوستان
 میں پیدا ہوا کسی شخص کو اس کے ہندوستان کے وزیر اعظم بننے پر پابندی لگائی جائے۔ اور انہوں نے اس کے
 لیے امریکہ کے قانون کی مثال دے کر اپنی دلیل کو پختہ کرنے کی کوشش کی ہے اگر ہم مسٹر جارج فرناٹیز
 سے الٹا یہی سوال کریں کہ ہندوستان میں غیر ملکی قانون کو نظیر بنا کر کوئی قانون بنانا، ہندوستان میں غیر ملکی
 قانون رائج کرنا کون سا صحیح قدم ہے؟ اور کیا جارج فرناٹیز پر غیر ملکیت کا بھوت نہیں سوار ہے؟ (ان - طور کی
 تحریر کے وقت سونیا گاندھی نے الیکشن میں کھڑے ہونے سے قطعاً انکار کر دیا ہے)

اس الیکشن میں کانگریس کی طرف سے کچھ باتیں ایسی سرزد ہوئی ہیں جو مضحکہ خیز ہی ہیں اور جسے ہم
 کانگریس میں دانتھندی کا فقدان ہی کہنا زیادہ پسند کریں گے۔ باری مسجد کا منہدم ہندوستان کی تاریخ میں ایک
 ایسا بد نما داغ ہے جو شاید ہی کبھی دھل سکے۔ ۱۹۹۲ء میں باری مسجد پوری دنیا کے سامنے ڈھادی گئی اور
 ہندوستان کی فوج، پولیس، حکومت سب قماشائی بنے رہے اور عین الیکشن مہم کے دوران میں اپنے نئی فیسنو
 میں اس پر معافی مانگی جا رہی ہے۔ یہ کس قدر دھوکہ، فریب، عیاری اور مکاری اور سب سے بڑھ کر چالاکی کی
 بات ہے۔ کانگریس شاید ہندوستانی مسلمانوں کو اس قدر بے وقوف سمجھ رہی ہے کہ وہ اس معافی نامہ کو قبول کر
 کے اسے معاف کر دیں گے۔ بڑے سے بڑا غالی الذہن انسان بھی اس موقع پر یہ سوال کیے بغیر نہیں رہے گا
 کہ اتنے دنوں بعد معافی، وہ بھی جب اسے اپنے مفاد کی بازیابی کی چاہت ہو کیا معافی کہی جاسکتی ہے۔ یہ تو ابن
 الوقتی دلی بات ہے جس میں مطلب کے لیے گدھے کو باپ بنانے والی معلوم و معروف کہاوت دل و دماغ
 میں ایک دم تازہ ہونا قدرتی بات ہے

ہماری دعا ہے کہ ہندوستان کی پارہویں پارلیمنٹ کے انتخابات بخیر و خوبی ہو جائیں اور یہ پارلیمنٹ پورے
 پانچ سال چلے جو پارٹی پار پارٹیوں پر سر اقتدار آئیں وہ ملک و قوم کی صحیح معنوں میں خدمت کریں اور ہندوستان
 سے بے روزگاری، دہشت پسندی، بد امنی، بد عنوانی کا مکمل طور پر خاتمہ کرنے میں لگ جائیں۔ ہندوستان
 کے تمام باشندوں میں مایوسی کے بجائے خوشی و مسرت پیدا ہو۔ مہنگائی جو اس وقت عروج پر ہے اس میں
 گراوٹ آجائے، ملک کا ہر باشندہ امن و امان کے ساتھ جی سکے اس کے لیے ہی ہر ممکن اقدامات کے لیے نئی
 حکومت مستعد عمل ہو جائے۔

دوسری اور آخری قسط

اقبال کا پیغام

عصر حاضر کے نام

(از جناب مولوی قاری محمد بشیر الدین صاحب پٹنٹ ایم۔ اے (علیگ))

علامہ اقبال اپنے وسیع مطالعہ اور صحیح ذوق و وجدان کی بنا پر اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہیں۔ اپنے مقالہ ”فلسفہ عجم“ کے سلسلہ میں اقبال نے مغربی و مشرقی فلسفے کا نہایت گہرا اور وسیع مطالعہ کیا تھا۔ مغربی مفکرین میں افلاطون۔ آگسٹائن۔ سینٹ فرانسیس۔ آگناٹس لائیلا۔ میدام دی گابان براڈلے۔ الگڈنڈر۔ ہیگل۔ لٹھے۔ برگسٹان اور مشرقی صوفیاء حکماء میں امام غزالی، رومی، حافظ، شیخ سرہندی، شکر آچاریہ، ریک ناتھ اور دکنبر وغیرہ کے خیالات کا اچھی طرح جائزہ لیا تھا۔ اس وسیع مطالعہ نے اقبال پر ایک بات بہت واضح کر دی اور وہ یہ کہ ”قرآن ہدایت انسانی کے لیے آخری صحیفہ ہے“ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر انسان اس کا مطالعہ خشوع و خضوع سے کرے تو اس پر کائنات کے تمام اسرار سربستہ کھل جائیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس قرآن کی عملی تفسیر ہے۔ ختم نبوت کے لیے وہ ایک انوکھی دلیل سے کام لیتے تھے، ان کا کہنا ہے کہ محمد رسول اللہ پر نبوت اس لیے ختم ہو گئی کہ انہوں نے انسانیت کو ایک ایسا نظام زندگی دیا جو عقل پر مبنی ہے۔ معجزات کی ضرورت اب اس لیے باقی نہیں کہ انسانی عقل اب اپنی فلاح و بہبود کے وسائل خود متعین کر سکتی ہے۔ قرآن کی تعلیمات اور عقل انسانی میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں

ہے۔ انسانی تشویش کے لیے جن بنیادی قوانین اور اصولوں کی ضرورت ہے وہ دے دیے گئے ہیں۔ ان اصولوں میں تبدیلی نہیں ہو سکتی البتہ ان کی روشنی میں ضرورت زمانہ کے مطابق اجتہاد سے کام لیا جاسکتا ہے۔

اقبال کی نظر میں عہد حاضر کا انسان جو قلب و نظر کے امراض فاسدہ میں مبتلا ہے تو اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس نے انبیاء علیہم السلام کے پیش کردہ دین فطرت یعنی اسلام کے اصولوں کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور نتیجہ کے طور پر تشکک و لادینیت، جبریت و ذوقیت کا شکار ہو کر رہ گیا ہے۔ آئیے کچھ دیر کے لیے اقبال کے ساتھ ان روحانی امراض پر ایک نظر ڈالیں۔

(۱) تشکیک و لادینی: تہذیب حاضر کے زیر اثر جو نسل پیدا ہوئی ہے اس کی نظر میں مذہب ایک ”جنون خام“ ہے اور ”ہستی غایب“ کی تلاش کرنے والے احمق و نادان ہیں۔ علوم جدیدہ کی ہمارے محسوس پر ہے۔ اس لیے موجود وہی ہے جو محسوس ہے۔ حقیقت کا علم ہمیں اور اک، مشاہدہ اور ارتسام کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اور ہمارے تمام تصورات ان ہی ارتسامات کی نقول ہیں گویا ارتسام تصور کی اصل ہے۔ بالفاظ دیگر ہمارے لیے حقیقی چیز وہی ہوگی جس کو ہم محسوس کریں مذہب کا معروض ”ہستی غایب“ ہے جس کا کوئی ادراک یا احساس ممکن نہیں لہذا اس کا کوئی علم قابل حصول نہیں اس کی تلاش ایک سیاہ بلی کی تلاش ہے جو ایک تاریک کمرہ میں کی جا رہی ہے جو اس کمرہ میں موجود نہیں ہے۔ ”یہ ہے استدلال دور حاضر کے نوجوان انسانوں کا جو اپنا مسلک مذہب کے خلاف انتہائی تجربیت یا احساسیت کو قرار دیتے ہیں۔ اقبال نے اس کو اس طرح لاد کیا ہے۔

تعلیم میر فلسفہ مغربی ہے یہ نادان ہیں جن کو ہستی غایب کی ہے تلاش
محسوس پر بنا ہے علوم جدیدہ کی اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش
مذہب ہے جس کا نام وہ ہے ایک جنون خام ہے جس سے آدمی کے تخیل کو ارتعاش
کہتا مگر ہے فلسفہ زندگی کچھ اور مجھ پر کیا یہ مرشد کامل نے راز فاش
باہر کمال اند کے آشفتگی خوش است ہر چند عقل کل شدہ بے جنوں مباح

”بے جنوں مباح“ ہی میں حقیقتاً انسانیت کی فلاح و بہبود ہے لیکن بقول حسرت مرحوم۔

خود کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

آج مذہب سے بے زاری کا نتیجہ یہ ہے کہ عصر حاضر کے نوجوان کے لیے نہ زندگی کی کوئی غایت ہے نہ تعلیم کا نجات کی کوئی غرض یا مقصد بلکہ وہ اس سوال ہی کو لایعنی سمجھتے ہیں کہ کیا زندگی کی کوئی غایت ہو سکتی ہے اور عالم کا کوئی مقصد؟

مسلمانوں کی نئی پود میں لادینی اور الحاد کے اسی سیلان کو علامہ اقبال نے ”فردوس بریں“ کی مشہور نظم میں مکالمہ کی صورت میں اس طرح پیش فرمایا ہے۔

ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں اک روز
کچھ سیفیتِ مسلم ہندی تو بیان کر
مذہب کی حرارت بھی ہے کچھ اس کی رگوں میں
باتوں سے ہوا شیخ کے حالی متاثر
دیں ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی
پانی نہ ملا زمزمہ ملت سے جو اس کو
حالی سے مخاطب ہوئے یوں سعدی شیراز
وا مانندہ منزل ہے کہ معروف یک و تاز
تھی جس کی فلک سوز کبھی گرمی آواز
مردود کے لگا کہنے کہ اے صاحبِ اعجاز
فطرت ہے جوانوں کی زمیں گیر و زمیں تاز
پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز

الحاد کے انداز پیدا ہوتے ہی کردار میں تغیر کا رونما ہونا ضروری تھا۔ اوامرِ نواہی کی پابندی اور رضائے الہی کا خیال، سزا کا خوف اور جزا کی امید، یہ سب محرکات ہمارے عصر حاضر کے نوجوانوں کے نزدیک نہ قابل التفات ہیں اور نہ لائق توجہ۔

جدید نفسیات یا تحلیلی نفسیات (Psycho-Analysis) نے نوجوانوں کو تعلیم دی ہے کہ ذہن انسانی کا بیشتر حصہ غیر شعوری ہے انسانی شخصیت کی مثال برف کے اس انبار کی سی ہے جو سمندروں میں بہتا رہتا ہے اس کا صرف تھوڑا سا حصہ سطح کے اوپر نظر آتا ہے باقی سب نیچے پوشیدہ ہوتا ہے یہ حصہ جس کو غیر شعوری نفس کہا جاتا ہے نہ صرف نسبتاً زیادہ بڑا بلکہ اہمیت کے لحاظ سے بھی نفس شعوری سے کہیں زیادہ عظیم الشان ہوتا ہے۔ شعور میں جو کچھ نمایاں ہوتا ہے وہ غیر شعوری نفس ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ لہذا انسان کے ذہن کا شعوری حصہ اہمیت کی چیز نہیں اس لیے کہ اس کا سارا مولا اور اس کے سارے اعمال و وظائف ان قوتوں کے اظہار ہیں جن کا نہ ہمیں عام طور پر علم ہوتا ہے اور نہ یہ ہمارے تصرف و اختیار میں ہوتے ہیں۔ اس طرح جب کسی غیر شعوری خواہش کا ظہور شعور میں ہوتا ہے تو وہ ہمارے اختیار میں نہیں ہوتی لہذا ہم اپنی سیرت کے آپ معمار نہیں ہماری سیرت نتیجہ ہے ان تاثرات، تحریکات، ترغیبات اور قوتوں کے باہمی

مسلّمات کا جو غیر شعوری نفس میں جاری ہیں اور جن کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ اگر ہم سے کہا جائے کہ ہمیں ضبط نفس سے کام لینا چاہیے۔ بُری خواہشات کو دباتا چاہیے اور ان کی نفی کرنا چاہیے تو یہ سارے بس کی بات نہیں۔

اگر ہم ان کے ضبط پر قادر بھی ہوں تو جدید نفسیات کی تعلیم ہے کہ ان کی نفی یا ان کا دبا دینا۔ امدادی ذہنی صحت کے لیے سخت مضر ہوتا ہے۔ آسکر وائلڈ کا کہنا ہے کہ کسی خواہش نفسی سے نجات پانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس کی تکمیل کرنی جائے۔

امدی تولدائی و قوت کے مبداء اصلی کو جو ڈی بی ڈو (Dibido) کہلاتا ہے فرائیڈ اس کو چشمہ آب سے تشبیہ دیتا ہے جو زمین کے نیچے بہہ رہا ہے اور کسی خرچ کی تلاش میں ہے اگر تم اس چشمہ کو پشت لگا کر روک دو اور اس کے پانی کو بہہ کر نکلنے کا موقع نہ دو تو پھر یہ بند ہو کر کچھ پیدا کرتا ہے یہ کچھ گویا مؤلفات (Complexes) ہیں اور بخارات عہد حاضر کی زندگی کے وہ بے شمار عصبی امراض (Neurosis) اور سقیم خوف (Phobias) جن کا نفسی تحلیل علاج کرنا چاہتی ہے اور علاج کا طریقہ بس یہی ہے کہ ان کی دبی خواہشات کو ظاہر ہونے دیا جائے۔

لیکن اس کے برخلاف دین و مذہب کی روح تو یہ ہے کہ اوامر الہی کے امتثال اور نواہی سے اجتناب کی کوشش کی جائے۔ اور جدید نفسیات کی تعلیم یہ ہے کہ خواہشات کو بے لگام رکھنا ہی صحیح ذات کے لیے ضروری ہے اسی ہوس رانی کا اصطلاحی نام اظہار ذات (Self-Expression) ہے جس کو (D.H. Lawrence) وغیرہ کے ناولوں نے عام فہم بنادیا ہے۔

بہر حال ان تعلیمات و خیالات نے مذہب اخلاق کی بیخ کنی کر دی۔ نوجوان کے قلوب مسخ ہو گئے، دل تیرہ اور نگاہ بے پاک ہو گئی۔ ان کی عقل اور ان کا دل ”طواف آب و گل“ میں گرفتار ہو گیا۔ ”جاوید نامہ“ میں اسی حالت کا نقشہ ان در دناک الفاظ میں پیش کیا ہے۔

گر خدا سازو ترا صاحب نظر روزگارے را کہ می آید مگر
عصبا بے پاک و دلہا بے گداز چشمہا بے شرم و فرق اندر مجاز
علم و فحش دین و سیاست عقل و دل زوج زوج اندر طواف آب و گل

آگے چل کر کچھ اور وضاحت کی گئی ہے۔

نوجوانیں تھکنے لبِ غالی یارب جسے رو ماریک جاں روشن دماغ
کم نگاہ و بے یقین و تامل چشمِ شاں اندر جاں چھے عجب

نوجوانوں نے دینِ فطرت کو ہاتھ سے کھو کر اور عقل و استدلال کو اختیار کر کے کیا پایا؟ مادی عقل نے ان کے قلوب میں کیا انقلاب پیدا کر دیا؟ ان کے نقطہ نظر کے بدل جانے سے جہان اور جہان کے چار سو بیان کے لیے کیسے بدل گئے۔ اقبال کو جو نظر آیا وہ یہ تھا۔

جاں لاغر و تن فریب و ملبوس بدن زیب دل نزع کی حالت میں خرد پختہ و چالاک
یعنی روح اخلاقی اقدار سے محروم ہو کر لاغر ہونے لگی اس کے عوض تن میں فریب پیدا ہونے لگی لیکن نگاہ کی وسعت اور یقین کا ذوق، ایمان کا گداز و روح کی پاکیزگی اور صفتِ ان سے رخصت ہو گئی

(۲) جبریت : جدید تحلیلی نفسیات کی تعلیم کے بارے میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ ہمارے تمام شعوری ارادات و واقعات کا مبداء اصلی غیر شعوری نفس ہے گویا ہماری خواہشات اور افکار عکس میں ہمارے غیر شعوری عناصر کا جو غائب و غیر معلوم ہیں اور ہمارے اختیار سے باہر اس لیے ہم اپنے شعوری افکار و خواہشات کے ذمہ دار نہیں۔ لہذا پرستان مذہب و اخلاق کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ ہمارا ارادہ آزاد ہے اور وہ ہمارے افکار و خواہشات پر حکمرانی کرتا ہے انہیں اپنے اقتدار میں رکھتا ہے جو خواہشات کہ ہماری روح کے مفاد کے خلاف ہوتی ہیں انہیں ترک کر دیتا ہے اور جو اس کی فلاح کی معاون ہوتی ہیں انہیں کو اختیار کرتا ہے صحیح یہ ہے کہ جہلتیں ہی انسانی اعمال کی حقیقی محرکات ہیں اور انہیں جہلتوں کی تشریف کے لیے ہم عمل کرتے ہیں جن پر ہمیں کوئی اقتدار حاصل نہیں اس لیے ”اے شیخ پاک دامن معذور دار مارا“ ہمیں اپنے حال پر رہنے دے یہ ہے عقیدہ جبریت آج انسان کے اندر جبریت کا اثر ”عقیدہ تقدیر“ کی غلط فہمی کی وجہ سے زہر کی طرح سرایت کر گیا ہے اور ان کے عمل کی قوت کو مفلوج کر دیا ہے۔ نہ صوفی میں مجاہد نہ حرارتِ ربی اور نہ سالک میں مستی کردار۔ شاعر کی نوا افسردہ و بے ذوق ہو کر رہ گئی۔ مرد مجاہد مفقود ہو گیا۔

صوفی کی طریقت میں فقط مستی احوال ملا کی شریعت میں فقط مستی گفتار
شاعر کی نوا نرودہ و افسردہ و بے ذوق افکار میں سرمست نہ خوابیدہ نہ بیدار
وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو ہو جس کے رنگ و پے میں فقط مستی کردار

عقیدہ کے عقیدہ نے خاص کر مسلمانوں کو عمل سے غافل کر دیا۔ قسمت ہی میں لکھا تھا کہ کروڑوں کی تکفیل سے کٹا رہا ہو گیا اور اپنی تکفیل تسلیم کر لی۔
73228
23-05-98

مگر یہ تکفیل زندگی سے مردوں کی اگر تکفیل نہیں ہے تو اور کیا ہے تکفیل
لذت اندوزی: اگر ہم عمل و مجاہدے سے اپنی زندگی کی تعمیر نہیں کر سکتے اگر ہم اپنے مستقبل کے سنوارنے میں اتنے ہی مجبور ہیں جتنے کہ اپنے ماضی کے بدلنے میں تو پھر ہمیں اپنی موجودہ زندگی سے وہ جیسی بھی کچھ ہے پوری طرح بہرہ اندوز ہونا چاہیے اور جو کچھ مل جائے اس سے لطف اندوز ہونا چاہیے اسی کو کہتے ہیں ”اگر زمانہ نسا زد تو بازمانہ بساز“ یہیں سے لطف اندوزی کی بنا پڑتی ہے۔ عصر حاضر نے اس کو یہ تعلیم دی کہ مذہب کا یہ فرمان کہ انسان کو ہوائے نفسانی کی مخالفت کرنی چاہیے اور خواہشات طبعی کو شرع کے تحت رکھنا چاہیے نہ صرف ناقابل عمل ہے بلکہ شخصیت انسانی کے لیے قطعاً مضر بھی ہے۔ فرانز نے ذرا تفصیل سے بتایا کہ موجودہ زمانہ کی بے شمار ذہنی بیماریاں، عصبی امراض، ہسٹریا اور زندگی سے بیزاری اور عدم طمانیت نتیجہ ہیں فطری خواہشات کو دبائے اور روکنے کا۔ صحت و طمانیت کے لیے انکار ذات نہیں بلکہ اظہار ذات کی ضرورت ہے، نقد و وقت کو ہاتھ سے کھونا شخصیت کی عمارت کو جڑ سے اکھاڑتا ہے اس لیے عصر حاضر کا انسان اس عقیدہ کا پورا قائل نظر آتا ہے کہ اوقات فرصت کو لذت اندوزی میں صرف کرنا چاہیے وہ ان افعال و اعمال کو لذت بخش تصور کرتا ہے جو ہوائے نفسانی کی تکمیل کرتے ہیں جو ظاہر ہے جنسی خواہشات، رقص و سرود اور لہو و لعب کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ خوشی و راحت محض نفس کی خاطر ہے زندگی کے فرائض کو انجام دینے کی خاطر نہیں۔ مختصر یہ کہ عصر حاضر کا نوجوان اقبال کے الفاظ میں بدن ہی میں غرق ہے اور جان سے بے خبر۔

ترجمہ ایں عصرے کہ تو زادی دریاں در بدن غرق است و کم اندوز جاں
اقبال اس قوم کو اور اس قوم کے افراد کو جنہیں ”کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ“ یعنی تم بہترین گروہ ہو جو لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان دلیقین رکھتے ہو کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا انہیں عصری آلودگیوں میں پھنسا ہوا دیکھتے ہیں تو خون کے آنسو بہاتے ہیں اور درد و اضطراب کی حالت

میں ان کے مہلک امراض یعنی ان کے ظلمت آباد سے چراغِ ضمیر کو، ان کی غلامی اور تربیت و تعلیم کو، ان کی ملائی و الحاد کو ان کی فریبک مستی اور اپنی کوسیت و حقیقت سے بیکارگی کو ان کی بڑبڑی موت سے جو فزودہ ہونے کو ان کی لذت پرستی اور عیش کوشی کو، یورپ کے باطل عقائد اپنے قلب کی پہنائیوں میں جگہ دے کر اور پھر ان کے آگے سجدہ ریز ہونے کو کس درد کے ساتھ سرحدِ دو عالم کے حضور میں پیش کرتے ہیں اور دعا طلب کرتے ہیں۔

ایں مسلمان زادہ ' روشن دماغ ' ظلمت آباد ، ضمیرش بے چراغ
مکتب ازوے جذبہ دیں در ربود از وجودش ایں قدر دائم کہ بود
مومن از رمز مرگ آگاہ نیست دلش لا غالب الا اللہ نیست
از فرنگی می خرد لات و منات مومن و اندیشہ ' او سومات
قم باذنی گوئے او را زندہ کن دلش اللہ ہو را زندہ کن

نثر ادو کو خطاب کر کے "جاوید نامہ" میں اقبال نے جو نصیحت کی ہے اس کا حاصل بس اتنا ہے کہ سادہ دلوں کے یقین کو فلسفیوں کے شکتہ ہائے وقتی پر ترجیح دے کر بے دلیل و برہان ادروئے جان یعنی قلب کی گہرائیوں سے اپنے خالق کی الوہیت اور محمدؐ عربی کی رسالت کا اقرار کر لے۔

اقبال کے نزدیک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان کامل نہ ہونے کی وجہ سے آج دنیا مختلف قسم کے ذہنی و دماغی اور معاشی و عمرانی امراض میں مبتلا ہے۔ دنیا کی اکثر و بیشتر قومیں تو صرف ابھی لا کی منزل سے گزر رہی ہیں الا اللہ سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اقبال کو تہذیبِ حاضر سے جو شکایت ہے وہ یہ ہے کہ اس کی مجلس میں صرف شراب لاکا دور چل رہا ہے الا اللہ کی بوتل کا کہیں پتہ نہیں۔

لبالب شیشہ تہذیب حاضر ہے مئے لاسے مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں چلنے کا
لابیشک نقشِ باطل کو مٹاتا ہے لیکن اس کے بعد نقشِ حق بھی تو ثبت کرنا چاہیے ورنہ
حیات فوت ہو جائے گا۔

در مقام لا نیا ساید حیات سوئے الامی خراب کا کات

جو قومیں صرف لاکا وظیفہ پڑھتی ہیں وہ اپنی طاقت انہیوں کو شکست دے سکتی ہیں۔

ہیں اور جب حد سے گزند ہاتی ہیں تو خود چھو جاتی ہیں کیونکہ ۔

قطرے افراد سے اغماض نہ کر لیں گے ہمیں کرتی کبھی ملت کے گناہوں کو معاف

اس لیے نئی کے بعد اثبات کرنے سے ہی زندگی کے مختلف شعبوں میں اعتدال وار توازن پیدا ہو سکتا ہے اور یہ اعتدال بنی آدم کے حق میں رحمت ہوتا ہے

مشہور ”پس چہ باید کرد اے اقوام شرق“ کے چار صفحات کے اندر علامہ اقبال نے اپنے مخصوص انداز میں ”لا الہ الا“ کی تفسیر پیش کی ہے جس کی تفصیلات خالی از طوالت نہیں لیکن اجمالاً دو ایک باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں، فرماتے ہیں ۔

کنک می گویم از مردانہ حال امتاں را لا جلال لا جمال

یعنی توحید کی اصلیت و حقیقت سمجھنے کے لیے قال کی ادنیٰ منزل سے گزر کر حال کی منزل ارفع میں داخل ہونے کی ضرورت ہے جو لوگ اس تہ سے آشنا ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ عظم امتاں را لا جلال لا جمال۔ جلال سے مراد ہے قاہری اور جمال سے مراد ہے دلبری۔ قاہری دل میں خوف پیدا کرتی ہے اور دلبری دل میں محبت پیدا کرتی ہے اور یہ دونوں حیات انفرادی اور حیات اجتماعی کے لیے ضروری ہیں یعنی زندگی کی دو شانیں ہیں جن کے بغیر زندگی مکمل نہیں ہوتی قاہری و دلبری دونوں ایک ذات میں جمع ہو جائیں تو انسان میں پیغمبری کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن صرف دلبری جادوگری ہے اور صرف قاہری ابلیسیت ہے۔

دلبری با قاہری پیغمبری است دلبری بے قاہری جادوگری است

اسی طرح جب کوئی قوم لا الہ کا نعرہ بلند کرتی ہے خواہ وہ جرمنی ہو یا رومی، انگلیشی ہو یا امریکن، روسی ہو یا کوئی اور تو وہ اپنے اقوال و افعال سے ”دنگے نیست کا اثبات کرتی ہے اس سے فرد و قوم دونوں کے اندر بے پناہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے اسی طاقت کا دوسرا نام جلال ہے لیکن جب کوئی قوم قاہری یا جلال کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرتی ہے کہ لا الہ کے بعد الا اللہ بھی ہے تو وہ ”حق تعالیٰ“ کی عظمت و عظمت و عظمت و عظمت کی حامل بن جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کی عظمت و عظمت و عظمت و عظمت کی حامل بن جاتی ہے۔

جاہتی ہے۔ انفرادی طور پر جلال کو منہ جہاں دیکھتا ہو تو عمر قلندرقی اور حیدر کرار کی سیرت پر نظر ڈالے اور جہاں کو بغیر جہاں کے دیکھتا ہو تو اس کی کیفیت مہدی سوڈانی کی استخوان سوختہ سے پوچھے پتھر و پتھر میں دیکھیے، حیدر کرار کی خودی کو جس کے اقبال مؤید ہیں حضور اکرمؐ کے حسین و جمیل ہاتھوں نے بنایا اور سنوارا ہے، پتھر کی خوبی کو نطے نے ترتیب دیا ہے وہ نطے جس کے متعلق اقبال کہتے ہیں۔

حریف نکتہ توحید ہو سکا نہ حکیم
 خدنگ سینہ گردوں ہے اس کا فکر بلند
 اگرچہ پاک ہے طینت میں راہی اس کی
 ترس رہی ہے مگر لذت گنہ کے لیے

نطے کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے وہی ان تمام مشرقی و مغربی مفکرین و مصلحین پر منطبق کیا جاسکتا ہے جو کلمہ توحید کے اسرار سے بے بہرہ ہیں نطے کا ”فوق البشر“ عقلیت کا بھاری، عشق سے عاری اور ایمان سے خالی ہے اس کے نزدیک رزم گاہ حیات میں نیکی نہیں بلکہ قوت و درکار ہے تاکہ کمزوروں پر غلبہ کیا جاسکے، وہ اخلاقی خوبیوں کو کمزوری پر محمول کرتا ہے اور خیر و شر کو محض اضافی حیثیت دیتا ہے۔ وہ دراصل ”بقائے اصلح“ کے بجائے ”بقائے اقویٰ“ کا قائل ہے اس کے برخلاف اقبال کے ”انسان کامل“ کا خمیر دین فطرت کی مٹی سے بنا ہے جس میں بہت سے اجزاء شامل ہیں۔ اس کا انسان کامل خودی کا پیکر ہے۔ عشق کا حامل ہے وہ عشق جہاں عقل کی سرحد ختم ہو جاتی ہے اور ذوق و وجدان کی کار فرمائی شروع ہوتی ہے۔ وہ حیات و حرکت کا مجسمہ ہے۔ اور شریعت نبویؐ کا پابند۔ اس کا ایمان تابندہ، اس کی آرزو زندہ اور اس کا عزم و استقلال پائیدار۔ وہ دنیا کا بادشاہ ہے لیکن ایک مرد قلندر ہے جو روحانی قدور کے سامنے دنیا کی ہر چیز ٹھکرا دیتا ہے۔ وہ ”بقائے اقویٰ“ کے بجائے ”بقائے اصلح“ کا قائل ہے وہ قومی حاکم نہیں بلکہ انسانیت کا علمبردار ہے۔ بہر حال اقبال تو عصر حاضر کے انسان کو ”مرد قلندر“ دیکھنا چاہتے ہیں جس کی یہاں اپنے طبع شاعرانہ انداز میں ضرب کلیم کے صفحات میں اس طرح پیش کی ہے۔

کہتا ہے زمانہ سے یہ درویش جواں مرد
 جاتا ہے جد مرید حق تو کی نامرد
 میں کشتی و ملاح کا محتاج نہ ہوں گا
 جہاں ہوا وہاں ہے اگر تو کو آ رہا

توڑا نہیں جلد مری تکبیر نے حیرا ہے تجھ میں مگر جانے کی عادت تو مگر جا
 مرد و انجم کا محاسب ہے قلندر لیام کا مرکب نہیں رآکب ہے قلندر
 اب یہ فیصلہ کرنا عہد حاضر کے انسان کا کام ہے کہ وہ ”مرد قلندر“ بننا چاہتا ہے یا ”فوق البشر“
 انسان و ماعیننا اللہ البلاغ



احادیث نبوی کا شاندار ذخیرہ

ترجمان السنۃ

چار جلدوں میں

ترجمان السنۃ حدیث شریف کی ایک لاجواب کتاب ہے جس کے ذریعے سے
 فرمودات نبوی کا نہایت اہم اور مستند و معتبر ذخیرہ نئے عنوانوں اور نئی ترتیب کے ساتھ عام
 فہم زبان میں منتقل کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں احادیث نبوی کے صاف و سلیس ترجمہ کے
 ساتھ تمام متعلقہ مباحث کی دلپذیر تشریح و تفسیر کی گئی ہے اور اس تشریح میں سلف صالح کی
 بیرونی کے ساتھ جدید ذہنوں کی بھی پوری پوری رعایت کی گئی ہے۔

قیمت مکمل چار جلدیں غیر مجلد - ۷۰۰ روپے * مجلد - ۸۲۰ روپے

منگوانے کا ہتہ

4136 - اردو بازار دہلی - ۶



ندوة المصنفین

زمینداری اور جاگیرداری کا

تاریخی پس منظر

از جناب مولوی تقی الدین صاحب بہاری

قطاع

خلافت راشدہ میں ایک قسم ان آراضی کی ملتی ہے جو مفاد عامہ کے پیش نظر خلافت کی جانب سے لوگوں کو دی جاتی تھیں جس کو کلام عرب میں ”قطاع“ کہتے ہیں۔ اس انتظام کی دو صورتیں رائج تھیں۔

(۱) کاشت کے لئے کسی کو زمین دی جاتی اور وہ خود کاشت کرتا۔

(۲) اگر مفاد عامہ کی کوئی خدمت سپرد ہونے کی بناء پر وہ کاشت نہ کر سکتا تو دوسرے کے ذریعہ کاشت کرواتا اور آمدنی یا پیداوار میں دونوں شریک ہوتے۔

خلافت کی جانب سے اس عطیہ کی کبھی تو یہ شکل ہوتی کہ صرف زمین کی منفعت کا مالک بنادیا جاتا نفس زمین پر کسی قسم کے تصرف ہیج، بہہ وغیرہ کا اختیار نہ ہوتا اور کبھی زمین کی ذات اور منصب منفعت دونوں کا مالک بنادیا جاتا۔ اس صورت میں ہر قسم کے تصرف ہیج، بہہ وغیرہ کے اختیارات بھی حاصل ہوتے تھے لیکن قطاع کی کوئی شکل بھی سرکاری قانون اور ٹیکس سے مستثنیٰ نہ تھی بلکہ اجتماعی مفاد کے پیش نظر خلیفہ کے اختیارات بہ نسبت دوسری زمینوں کے خاص

چنانچہ حضرت قرآن مجید سے ایسے قضاے تک نہیں لے لئے۔ جو بغیر اسلام نے اپنے ملیں
اور مسلمانوں کو عطا فرمائے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا دنیا بھی مفاد عامہ کے پیش نظر تھا اور فاروق اعظم کا دامن بھی اسی
مصلحت کی ترجمانی کر رہا تھا۔

اس بحث کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت ہے تاکہ زمانہ خلافت کے قضاے کی
اصل حقیقت واضح ہو سکے اور یہ معلوم ہو سکے کہ بعد میں اس کی اصل صورت کس قدر
ہوئی۔ اور اب اس لفظ کو موجود زمین داری اور جاگیر داری کی حمایت میں کس نئی طرح آلہ کار
تیار کیا ہے۔

قضاے کی تعریف

خلافت راشدہ میں قضاے کی جو نوعیت تھی اس کے پیش نظر اس طرح تعریف کی جاسکتی ہے
”مفاد عامہ کے پیش نظر غیر آباد زمین کو آباد کاری کے لئے کسی کو دینا اور حسب حاجت و مصلحت
سرکاری ٹیکس وصول کرنا۔“

چنانچہ اس کی تائید فقہاء حنفیہ کے اس قول سے ہوتی ہے

الاقطاع اقطاع الارض للاحياء سواء و ”اقطاع“ کسی آباد کاری کے لیے زمین دینا

جب فيه العشاء او العراج و چاہے اس میں مشرو واجب ہو یا خراج

ذیل کی تصریح صحت سے بھی کسی حد تک اس کی تائید ہوتی ہے۔

اس بارے میں علامہ مقررہ کلام عرب کا یہ محاورہ نقل کرتے ہیں۔

القطعة تهرأ و لو ضاها حاج له فذلك و تهرأ زمین قطیعہ دیا یعنی اس کے لیے مہاج

کر دیا

عبارت میں حقیقی شارع بخاری کہتے ہیں:

”قضاے کی نوعیت یہ ہے کہ غیر آباد زمین کو آباد کرنے کے لیے جس شخص میں اہلیت دیکھے اللہ کے

اموال میں سے کچھ خلافت کی جانب سے اس کو عطا کرے۔ اکثر اس لفظ کا استعمال زمین کے بارے میں

ہے اور اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں یا تو زمین کی ذات اور منفعت دونوں کا مالک بنادیا جائے یا صرف منفعت
اسے دیا جائے ذات کا نہیں لے

قاضی ابو بکر بن عربی شارح ترمذی کہتے ہیں :

”اقتلاع“ یہ ہے جس میں ایک کا حصہ دوسرے شہر کا حصہ سے جدا کر دیا جاتا ہے کیونکہ آراضی میں تمام
شریک ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کہتے ہیں :

”خلیفہ کو قطعہ دینا جائز ہے اس کی دو صورتیں ہیں یا تو زمین کا مالک بنادے یا مالک نہ بنائے صرف اقتلاع کا
معنی دے۔

ان تمام تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ”قتلاع“ کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ
مخصص کو آباد کاری کے لئے خلافت کی جانب سے آراضی دی جائے۔

قسم کی آراضی دی جاتی تھیں

احادیث و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تین قسم کی آراضی ایسی ہوتی تھیں جو خلافت کی
ب سے بطور قطعہ دی جاتی تھیں۔

(۱) بنجر زمین جو ہمیشہ سے غیر مزرعہ اور غیر آباد چلی آتی تھیں۔ ان کی دیرانی اور سختی دیکھ
عام لوگوں کو انہیں قابل کاشت بنانے کی ہمت نہ ہوتی تھی، خلافت نے ایسی زمینوں کی طرف
وجہ کی اور انہیں قابل کاشت بنانے کے لئے لوگوں میں تقسیم کر دی چنانچہ ”تقیع“ میں جو زمین
نرت زبیرؓ کو دی گئی تھی وہ اسی زمین سے تھی۔

(۲) افتادہ زمین جو قابل زراعت ہونے کے باوجود کسی وجہ سے زیر کاشت نہ ہو۔

اس میں تمام وہ زمینیں شامل تھیں جو بستیوں کے اجاز ہو جانے کے بعد بے کار پڑی تھیں اور
نئے آباد کرنے والا نہ رہا۔

مدینہ کی وہ زمینیں بھی اسی میں شامل تھیں جو آپاشی کی دشمنی کی وجہ سے وغیرہ اسلام کے
الہ کر دی گئیں تھیں۔ بلال بن حارث کو رسول اللہؐ نے ”وادی حقیق“ اسی زمین سے عطا فرمائی

۱۔

(۳) خالصہ (سرکاری) زمین۔ موقوفہ علاقہ کی تمام وزینیں جو خلافت کے لئے ”خالصہ“ قرار دی جاتی تھیں جن کی تفصیل یہ ہے
 (۱) جن آراضی کے مالک جنگم بن گئے۔
 (۲) یا مالک بن گئے۔

(۳) شاہی جاگیریں جو بادشاہ کے مصرف خاص کے لئے خالصہ ہوتی تھیں۔
 (۴) شاہی خانہ ان اور افسران کی جاگیریں۔
 (۵) زراعی، جمیلیں، جھاڑیاں وغیرہ۔

یہ اور اسی قسم کی تمام وہ زمینیں جن پر چند افراد قابض ہو کر عیش کرتے تھے اور اسلام کے بعد ان کا کوئی مالک اور آباد کرنے والا نہ رہتا تھا خلافت کے لئے ”خالصہ“ ہو جاتی تھیں۔
 ابو سعیدؓ کی تفصیل بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں :

للم یبق بها ساکن ولا لها عامر مکان مذکورہ آراضی میں نہ کوئی رہنے والا تھا اور نہ
 حکمها الی الامام آباد کرنے والا اس لیے ان کا معاملہ غلیفہ کے
 پیر تھا (خالصہ ہو گئی تھیں)۔

قاضی ابویوسف کہتے ہیں :

وذلك بمنزلة المال الذی لم یکن لا اس زمین کی حیثیت اس مال جیسی تھی جو نہ
 حد ولا فی ہدا حد کسی کا ہو اور نہ کسی کے قبضہ میں ہو۔

حاصل یہ ہے کہ زمانہ خلافت میں انہی آراضی سے ”مخالف“ دئے جاتے تھے جو کسی کے قبضہ میں نہ ہوں نہ ان کا کوئی مالک اور وارث ہوتا۔ کسی کے آباد کرنے کا کوئی نشان نہ ہوتا اور نہ ایسی زمین ہوتی جو قانوناً کسی کو نہ دی جاسکتی تھی مثلاً چراگاہ، جنگل، نمک کی جمیل وغیرہ اور نہ ایسی صورت ہوتی جس میں کسی کا نقصان ہوتا۔ ایسی زمینوں کے متعلق دو ہی صورتیں ہو سکتی تھیں یا تو یہ کارپرداری رہیں اور مقابلہ عامہ جو زمین سے متعلق ہیں پامال ہوتے رہتے اور یا وہ صورت اختیار کی جاتی جو مقابلہ عامہ کے لحاظ سے مناسب اور بکھر ہوتی خلافت نے قلع خلق کے پیش نظر دوسری صورت اختیار کی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ زمانہ خلافت میں تمام غنم و ایلادہ زمینیں آباد ہو گئی تھیں اور

آباد شدہ میلوں سے غلام لگائے گئے۔

کس شہد سے دی جاتی تھیں

”کائنات“ دینے کا مقصد زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنا اور خلق اللہ کا کام بنانا ہوتا تھا جس تک یہ مقصد پورا ہوتا رہتا خلافت کو کوئی دخل پہنچنے کی ضرورت نہ تھی لیکن اگر اس میں کوئی عیب ہوتا یا آراضی کے تعظیم کی اس سے عمدہ صورت سامنے آتی جس میں صحیح علیٰ زیادہ معلوم ہو جاتا خلافت کو بے دخل کر دینے کا پورا حق تھا۔ چنانچہ خلافت میں چند ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں بلائیں و پیش اسی نظریہ کے ماتحت اہل زمین کو بے دخل کر دیا گیا تھا۔

چند یہ ہیں۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث کو پوری ”توہی“ عقیق ”دے دی تھی لیکن وہ اس کا بڑا حصہ آباد نہ کر سکے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ نے یہ زمین آپ کو اس لئے نہ دی تھی کہ نہ خود آباد کریں اور نہ دوسروں کو آباد کرنے دیں جتنی آپ آباد کر سکتے ہوں اپنے پاس رکھیں اور بقیہ واپس کچھ حضرت بلالؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ کی دی ہوئی زمین کبھی واپس نہ کروں گا آخر حضرت عمرؓ نے آباد شدہ حصہ کو چھوڑ کر بقیہ زمین واپس لے لی۔

اس موقع پر قابل غور بات یہ ہے کہ بلال بن حارثؓ رسول اللہ کے قریب ترین صحابی تھے اور زمین کا عطیہ خود رسول اللہ نے دیا تھا جس کے ساتھ لگاؤ ہونا فطری بات تھی مگر غلاموں کا عظمیٰ مفاد عامہ کے پیش نظر نہ حضرت بلالؓ جیسے جلیل القدر صحابی کا خیال کیا اور نہ اس جذبہ کا کہ رسول اللہ کا دیا ہوا عطیہ کس طرح واپس لیں۔

یہ واقعہ اس امر کا ثبوت ہے کہ خلیفہ اللہ کے سامنے خلق اللہ کا عام مفاد ہوتا تھا وہ اس کے لئے اپنے بزرگ ساتھیوں کے ساتھ کسی قسم کی جھگڑا بھی سلوک کرنے کے لئے تیار تھا اور یہ بھی جذباتی امور سے متاثر ہو کر عام مفاد کو نظر انداز کر سکتا تھا۔

جب رسولؐ کا دیا ہوا عطیہ بلالؓ جیسے بزرگ سے واپس لیا جاسکتا ہے تو دیگر اہل لوگوں کے پاس سے بیکار زمین واپس لینے میں کیسے غور و فکر کی کیا توقع رکھ سکتے تھے۔

(۲) رسول اللہ نے ایک اور شخص کو زمین دی تھی حضرت عمرؓ نے آپ کے ہوتے ہوئے

الاموال میں سے اور الخراج میں سے

کے لئے ایک نیا اصول بنایا۔

اس نیا قومی اصول کا مقصد اور گڑھ کا ہے قاری عظیم نے خالصہ زمین کا کچھ حصہ ان کو دے دیا۔
 جس طرح ملک کا وہ آباد بھی کرتے رہے لیکن جب نفع خلق کے پیش نظر اس سے عہد صورت
 کے عہد آئی تو اس نے اس پیش میں کو دیکھ لیا۔

(۳) قاری عظیم نور محمد بن عبدالعزیز کا مقام قانون کے تحت مسلمانوں کو زمین جائیداد سے
 بہت مل کر کے دیکھ مقرر کردیا اس بات کی شہادت کے لئے کافی ہے کہ حکومت الہی میں قلع
 دینے کا سلسلہ عام ملاقہ کے پیش نظر پوری اور پیدوار جانے کے لئے تیار جب تک قلع کے باقی رکھے
 میں یہ قصد پورا ہوتا باقی رکھے چلتے ورنہ جس صورت کے اختیار کرنے میں نفع خلق زیادہ نظر
 آتا حتی الامکان ذاتی مفاد کو ملحوظ رکھ کر وہی صورت اختیار کرنے کی پوری کجائش تھی، اس نظریہ
 کی مزید وضاحت ان اصولوں سے ہوتی ہے جو قلع کے بارے میں نافذ تھے۔

کن لوگوں کو دی جاتی تھیں

حکومت الہی میں انہی لوگوں کو قلع دئے جاتے تھے جو کاشتکار تھے یا جن کے ذمہ مفاد عامہ کی
 کوئی خدمت سپرد ہوتی تھی۔

اس بارے میں علامہ مقرر بنیاد قاضی ابویوسف یہ کلیہ بیان کرتے ہیں:

"خیر اسلام اور آپ کے چالیسوں نے انہیں لوگوں کو قلع دیے تھے جن کے دینے میں ملک و ملت
 کی بھلائی تھی۔"

علامہ بدرالدین عینی کہتے ہیں۔

"خلیفہ کے قلع دینے کی حکم یہ ہے کہ اللہ کے مال سے ان لوگوں کو "مطایا" دے جس میں ان کی اہلیت
 دیکھ۔"

ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) جن لوگوں میں آباد کاری اور کاشتکاری کی صلاحیت ہوتی۔

(۲) جن کے ذمہ مفاد عامہ کی کوئی خدمت سپرد ہوتی۔

(۳) قومی اور عام لوگ جو ملک و قوم کی حفاظت پر مامور ہوتے۔

یہ طریقہ جس سے عہد قاری عظیم نے اپنے عہد پر مقرر کیا اس سے

(۴) نو مسلموں کو تابعِ قلوب کے لئے۔ یہاں لوگ اسلام قبول کر کے اپنے آپ کو ہمارے اور محتاج بناتے تھے۔ گذر بسر کی کوئی شکل نہ رہ جاتی تھی۔ ایسی صورت میں خلافت کا علاج دے کر ان کو سب سب کے قابل بناتی تھی۔ تاکہ دوسروں کی دست گیری سے محروم نہ رہ کر آزادانہ اپنی صلاحیتوں کو نشوونما دے سکیں۔ نو مسلموں کے ساتھ اس حسن سلوک کو دیکھ کر غیر مسلموں کو سوچنے لگے کہ موقع ملتا اور اسلام قبول کرنے کے لئے راہیں کھلی تھیں۔

اصل بات یہ ہے کہ خلافت کے سامنے ”کلیع“ کا مقصد خلقِ اللہ کے لئے زیادہ پیداوار حاصل کرنا تھا اس لئے عام طور سے انہیں لوگوں کو دئے جاتے جو زمین کو زیر کاشت لا کر پیداوار دے سکتے تھے اور اسی وقت تک باقی رکھے جاتے جب تک مقصد اجازت دیتا تھا۔

اسی عام پر قاضی ابویوسف فرماتے ہیں:

ولولا ذلك لم ياتوه و لم يقطعوا حق
مسلم ولا معاهد
اگر یہ مقصد نہ ہوتا تو رسول اللہ اور خلفائے کسی مسلمان یا معاہد کا حق نہ دیتے کیونکہ زمین میں سب شریک ہیں۔

کتنی مقدار دی جاتی تھی

اس سلسلہ میں تاریخِ خلافت کا مطالعہ کرنے سے پہلے بنیادی طور پر چند باتیں پیش نظر ہونی چاہئیں۔

- (۱) غمخوارانہ آراضی بکثرت تھیں اور آباد کرنے والے کم تھے۔
- (۲) پیداوار آج کے مقابلہ میں نہایت ہی کم تھی خصوصاً عرب کی زمینوں کی۔
- (۳) رسول اللہ اور صدیق اکبرؓ کے زمانہ خلافت میں فوجیوں اور دیگر کارپردازوں کی تنخواہیں مقرر نہ تھیں۔

- (۴) فاروق اعظمؓ نے تنخواہوں اور وظیفوں کا باقاعدہ انتظام کیا۔
- (۵) تنخواہ مقرر ہونے کی صورت میں مفادِ عامہ کی خدمت کرنے والے لوگ خدمت چھوڑ کر خود کاشت کرتے یا زمین کاشتکاروں کے حوالہ کر کے پیداوار یا آمدنی میں دونوں شریک ہوتے۔
- (۶) تنخواہوں اور وظیفوں کے مقرر ہو جانے کے بعد فاروق اعظمؓ نے مسلمانوں کی زمینوں کو جائیداد کے بارے میں جو رویہ اختیار کیا قابلِ غور ہے۔

حضرت علیؓ کے لئے چند واقعات یہ ہیں۔

(۱) ابو بکر صدیقؓ نے حضرت طلحہؓ کو قطعہ طافریا لکھ کر دو گوں کو گولی بنا کر حکم نامہ ان کے محلے کر دیا گواہوں میں حضرت عمرؓ تھے۔ حضرت طلحہؓ جب دستخط کرانے کے لئے عمرؓ کے پاس آئے تو یہ کہہ کر دستخط سے انکار کر دیا۔

اهلنا اكله لك دون الناس کیا یہ سب جھیں ہی مل جائے اور دوسرے

مخروم رہیں۔

پھر طلحہؓ غصہ میں بھرے ہوئے ابو بکرؓ کے پاس آئے اور کہا

والله ما اورى انت العليخه ام حمرو اللہ میں نہیں جانتا کہ کون غلیفہ ہے آپ

ہیں یا عمر

ابو بکرؓ نے فرمایا بل عمر بلکہ عمر ہیں

انفرض عمرؓ کی مخالفت کی وجہ سے فرمان صدیقی رد ہو گیا۔

(۲) حضرت عیینہؓ کو صدیق اکبرؓ نے ”قطعہ“ دیا جب دستخط کے لئے عمرؓ کے پاس آئے تو انہوں نے دستخط کرنے سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ لکھے ہوئے کو بھی مٹا دیا۔ عیینہؓ دوبارہ ابو بکرؓ کے پاس آئے اور دوسرا حکم نامہ لکھنے کی درخواست کی

والله لا اجد و شينارده عمرؓ خدا کی قسم وہ کام دوبارہ نہ کروں گا جس کو عمر

نے رد کر دیا ہو

باقی رہی یہ بات کہ حضرت عمرؓ نے دستخط سے کیوں انکار کیا جب رسول اللہؐ ابو بکرؓ اور خود عمرؓ سے ”قطعہ“ دینا ثابت ہے اس کی وجہ حضرت عمرؓ نے خود ہی ان الفاظ میں بیان کر دی تھی کہ:

اهلنا اكله لك دون الناس کیا یہ سب تجھے ہی مل جائے اور دوسرے

مخروم رہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ صدیق و فاروق دونوں کا ایک مقصد تھا یعنی ”قتال“ دے کر زمین کو زیر کاشت لانا تاکہ خلق اللہ کو زیادہ سے زیادہ غذا مہیا ہو سکے مگر یہ بات بھی ہر وقت ملحوظ رہتی تھی کہ زمین صرف چند افراد کے ہاتھوں میں پڑ کر ان کے لئے عیش و آرام طلبی کا سامان نہ بن جائے یا بیکار

نہ چڑی رہے اس لئے یہ اختیار ضروری تھی کہ صرف ان لوگوں کو زمین دی جائے جو اس وقت ضرورت
انہی دی جائے جتنی وہ استعمال کر سکتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ حکومت الہی میں کسی فرد کو نہ قسبہ مقرر رہنے دیا جاتا اور نہ دوسرے کی محنت
کا فائدہ اٹھا کر بیش و عشرت کا موقع ملتا تھا۔

اگر کسی فرد میں کاشتکاری کی اہلیت اور صلاحیت ہوتی تو آراضی اس کے حوالہ کر کے خلق اللہ
کے خدمت پر مامور کیا جاتا اور اگر دیگر مفاد عامہ کے لئے موزوں ہوتا تو اتنی مقدار زمین دی
جاتی کہ وہ سرحد سے لاشے کر کے خدمت کے فرائض و طہیّان کے ساتھ انجام دے سکے۔ ایسی
صورت میں کاشتکاری کی صلاحیت کے مطابق خدمت خلق کرتا تھا اور صاحبہ زمین اپنی صلاحیت
کے مطابق اس فرض کو انجام دیتا تھا۔

اسی بناء پر بدر الدین عینیؒ کہتے ہیں۔

بموجب للجدد الذی یقطع لہ ان ہو
بموجب للقطع لہ
اور شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں۔

ولا یقطع الا قدر اہالی العمل علیہ
ایسی مقدار قلعید دیا جائے جس پر کام کرنا
آسان ہو

پھر کہتے ہیں:

لام را باید کہ اقطاع کند بقدر حاجت

قطاع اور سرکاری ٹیکس

زمانہ خلافت میں "قطاع" سرکاری ٹیکس اور قانون سے مستثنیٰ نہ تھے بلکہ خلیفہ کے اختیار
یہ نسبت دیگر آراضی کے "قطاع" میں زیادہ وسیع ہوتے تھے۔
جیسا کہ قاضی ابویوسفؒ کہتے ہیں۔

"قطاع" اگر معزری زمین سے دیے گئے ہیں تو معزراہب ہوگا، عمرانی زمین سے دیے گئے ہیں تو عمرانی
واجب ہوگا۔

تذکرہ القاری ج ۱ ص ۳۶ تا ص ۴۰۵ ج ۲ ص ۴۰۵

کرتے ہیں۔

جس کمی کو خدائی زمین سے قلعے دئے جائیں تو پید اوپر کا دسواں، پندرہواں، بیسواں حصہ بارش سے بھی زیادہ یا خرچ بہر حال جو مناسب ہو خلیفہ مقرر کرے۔
آگے چل کر کہتے ہیں:

مجھے امید ہے کہ اس بارے میں خلیفہ جو بھی مناسب سمجھ کر کرے گا اس کے لئے وسعت اور گنجائش ہے۔
ہمدردان ارشید کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

مفاہ عامہ کے پیش نظر آپ جو مناسب سمجھیں اس میں آپ کو پورا اختیار ہے۔
حاصل یہ ہے کہ حکومت الہی میں زمین جائیداد نہ ذاتی وقار اور اقتدار بڑھانے کے لئے تھی اور نہ کاشتکاروں کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مفت خوروں کا طبقہ پیدا کرنے کے لئے بلکہ یہ ساری چیزیں پیداوار حاصل کر کے مفاہ عامہ کی راہوں میں صرف کرنے کے لئے اور خلق خدا کی خدمت کے لئے تھیں اس لئے قانون اور ٹیکس کے معاملات میں خلیفہ کے اختیارات وسیع تھے مذکورہ تمام تصریحات کے پیش نظر یہ فیصلہ کرنا آسان ہے کہ موجودہ زمینداری اور جاگیرداری کی صورت قلعے سے بالکل مختلف ہے۔ جاگیردار اور زمیندار ایک وسیع حصہ زمین کا مالک ہوتا ہے کاشتکار اور مزدور اس پر کام کرتے ہیں اور مالک زمین بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے ان کے منافع سے عیش و آرام کرتا ہے۔

”قلعے“ سے اس قسم کی تنظیم کے لئے کوئی جواز نہیں نکل سکتا بلکہ متعدد مثالیں ایسی ملتی ہیں کہ ایسے نظام کو سختی کے ساتھ ختم کیا گیا اور ایسا کرنے میں مفاہ خلق کے سوا کوئی دوسرا جذبہ یا مصلحت کارفرما نہ تھی۔ (جاری ہے)

آخر ص ۵۵ ص ۶۰

یوپی تعلیمی نصاب کی چند اہم کتب

تاریخ ملت ہند اول (بی عربی)	قاضی زین العابدین	غیر مجلد ۲۵ روپے	جلد ۳۵ روپے
تاریخ ملت ہند دوم (خلافت راشدہ)	"	غیر مجلد ۵۰ روپے	جلد ۶۰ روپے
تاریخ ملت ہند سوم (خلافت بنی امیہ)	"	غیر مجلد ۵۰ روپے	جلد ۶۰ روپے
تاریخ ملت ہند چہم (خلافت عباسیہ)	مفتی انعام اللہ شہیدانی	غیر مجلد ۵۰ روپے	

مغربی فن تعمیر پر

اسلامی فن تعمیر

کے اثرات

از مارٹن۔ ایس۔ برگس

ترجمہ: جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم۔ اے

ابھی ایک نسل اور گزرے تب کہیں جا کر کچھ دنوں کے بعد اس بات کا اندازہ لگایا جاسکے گا کہ فن تعمیر پر اسلامی دنیا نے کیا کیا احسان کیے ہیں۔ ہمارے موجودہ علم کا جہاں تک تعلق ہے اسلامی فن تعمیر کے بہت سے اہم پہلوؤں کے بارے میں اتنے شبہات باقی ہیں کہ کسی جو شیلے طرفدار ہی کو اپنی رائے پر پورا پورا اعتماد ہو سکتا ہے۔ بد قسمتی سے حال کا بہت سا تحقیقاتی کام جسے غیر یقینی نقاط پر روشنی ڈالنا چاہیے تھا، ہمارے آگے نزاعی بحثوں کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ بحثیں اسلامی فن تعمیر کی پختگی کے دوروں کی خصوصیت سے کم ہی متعلق ہیں اور ہماری دنیا کے فن تعمیر کے ارتقا پر اس کے اثرات کا ذکر تو ان میں بہت ہی کم ہے۔ بلکہ یہ تحقیقاتی کام زیادہ تر اسلامی فن تعمیر کی اصل اور اس کی ابتدائی عمارتوں کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس میں کچھ ٹھیک نہیں کہ یہ تحقیقاتی کام اس سوال سے راست تعلق رکھتا ہے کہ اسلامی فن تعمیر نے نئی نوع انسان کو دہرے میں کیا دیا ہے، کیونکہ ہم اسلام کی میراث کا اس وقت تک ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتے جب تک خود

اسلام کے پاس اپنی کسی حقیقی چیز کے ہونے کا کوئی ثبوت ہمیں مدلل جائے۔ بہ الفاظ دیگر کہا جاتا ہے کہ اسلامی فن تعمیر میں واقعی بہت سی چیزیں غیر مسلم قوموں سے لی گئی ہیں کہ بعض عالموں نے واقعی یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مسلمانوں نے تعمیری شکلیں مستعار لی ہیں اور ان کا اپنا کوئی فن تعمیر نہیں۔ اس بنیادی نقطہ نظر کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ کرنے کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اسلامی فن تعمیر کی ابتدا اور اس کی ماہیت کا ایک عام خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی جائے۔

آدھی صدی کے اندر عرب، جاز سے لے کر مغرب میں ہر کولس کے ستونوں (Pillars of Hercules) تک اور مشرق میں ہندوستان کی سرحدوں تک صحرائی بکولے کی سی تیزی سے پھیل گئے اور انہوں نے پہلے سے متدن بہت سے ملکوں کو فتح کر لیا۔ ان کی سلطنت اتنے وسیع علاقے پر پھیل گئی تھی کہ اتنا وسیع علاقہ رومی سلطنت کو اپنے انتہائی پھیلاؤ کے زمانے میں بھی نصیب نہ ہوا تھا۔ ان علاقوں میں ایسی بہت سی قومیں آباد تھیں جن کا فن تعمیر رومیوں کے فن تعمیر سے مختلف اور بعض صورتوں میں اس سے بھی کہیں زیادہ قدیم تھا۔

قرون وسطیٰ کے مغربی فن تعمیر کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ یہ فن تعمیر بڑی حد تک رومی ہے۔ اور ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اس کی ہر چیز ایران یا آرمینیا سے لی گئی ہے۔ اب چاہے کوئی اس اختلاف خیال میں کسی گروہ کا ساتھ دے، پر اب یہ بات واضح ہوتی جا رہی ہے کہ آخر الذکر مکتب خیال ہماری سنجیدہ توجہ کا طالب ہے۔ آرمینیا، عراق (مسونینیا) اور ترکستان میں جو غیر معمولی دریا فتنیں ہوئی ہیں اور جو اگرچہ ہمارے سامنے نزاعی صورت میں پیش کی گئی ہیں، ان دریا تلوں نے ہر چیز کے رومی ہونے کے نقطہ نظر پر ہمارے اعتماد کو متزلزل کر دیا ہے۔ کلیسا نے صدیوں تک یہ عقیدہ پھیلایا کہ ہماری رومانسکو (Romanesque) اور گوتھک عمارتیں شہنشاہی روما کے کھنڈروں پر ہی بنی ہیں یا پھر ہمارے اس فریب تخیل کے ذمہ دار نشاۃ ثانیہ کے برخوردار انسانیت دوست 'نظم رائے' جاسکتے ہیں۔ چاہے وجہ کچھ بھی ہو، یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اب ہمیں مشرق کی طرف جانب دارانہ نظر سے دیکھنا چاہیے اور سب سے پہلے ہمیں مشرقی گوتھک و اعداد علاقہ سمجھنے کی عادت بھی ترک کر دینی چاہیے۔ ہم پر روما کے جو احسان ہیں، ان میں سے کسی کو سنجیدگی سے کوئی شہر ہو لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ اس بات کا اندازہ لگایا

جائے کہ ہم کس حد تک اس کے ممنون احسان ہیں۔
عرب فاتحوں نے جو علاقے فتح کیے تھے ان میں شام، آرمینیا کا ایک حصہ اور شمالی افریقہ کا
آباد علاقہ جس میں مصر بھی شامل تھا یہ سب کے سب علاقے مشرقی رومی مملکت سے حاصل کیے
گئے تھے۔ اسی میں وسطیوں سے چھینا گیا۔ لیکن اس سے پہلے یہ علاقہ رومی صوبہ تھا۔ عراق
(مسیحی) سے لے کر ترکی اور افغانستان تک کے ملک خسرو دوم کی پچھلی ساسانی مملکت میں
شامل تھے۔ اس پورے وسیع و عریض علاقے میں آرمینیا اور شام کی مشرقی سرحد تک نصرانیت
کے قدم آچکے تھے۔ اور ہمیں (جنوبی عرب) کے علاقے سنا میں چھٹی صدی عیسوی کا ایک کلیسا
تک پایا جاتا تھا۔ اس طرح فاتحوں کو اپنے مفتوحہ علاقے کے ہر صوبے میں آسانی کے ساتھ ماہر
تعمیر کار مل گئے اور انہیں اپنے پیش رو قطیوں اور وسطی نصرانیوں کی طرح بہت سی عمارتیں بھی
مل گئیں جن کو فاتحوں نے آزادی کے ساتھ پتھر کی کانوں کی طرح استعمال کیا۔ اس ناقابل تردید
حقیقت کا بڑا حچہ ہوا ہے، لیکن ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عربوں کو اپنی مملکت کے مشرقی
صوبوں میں ایسے مقامی صنایع بھی ملے جو ایسی طرز میں عمارتیں بناتے تھے جو رومیوں کی طرز سے
بالکل مختلف تھی اور اگر ہم بعض ماہروں کی بات مانیں تو ان ہی صنایع نے بازنطینی تعمیر کاروں کو وہ
تمام باتیں سکھائیں ہیں جن کی وجہ سے بازنطینی کام رومی کام سے مختلف نظر آتا ہے۔

پہلے عرب فاتحوں میں تعمیری کام کی مہارت پائی جاتی تھی اور نہ وہ اس کا ذوق رکھتے تھے یہی
نقطہ نظر عام ہے اور درست بھی ہے۔ اس پر جھگڑنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس وقت کے
حالات ہی کچھ ایسے تھے کہ ان میں اسی بات کی توقع کرنی چاہئے اس طرح کی فتح سپاہیوں کی ایسی
نسل ہی کو نصیب ہو سکتی تھی جن کی ہمتوں کو دینی جوش نے بلند کر دیا تھا اور جن کے وقت کا بڑا
حصہ لڑائیوں اور عبادتوں میں بٹا ہوا تھا اس کے سوا یہ لوگ شہروں میں رہنے والے لوگ نہ تھے
بلکہ خانہ بدوش بدوی تھے اور جب انہیں میدان کارزار سے فرصت ملی اور انہوں نے حکومت کا
کاروبار سنبھالا تب بھی تعمیری صنعتوں میں انہیں ناگزیر طور پر مقامی صنایعوں ہی سے یا (اور یہ اہم
بات ہے) ایسے صنایعوں سے جو ایک مفتوحہ ملک سے دوسرے مفتوحہ ملک میں در آمد کیے گئے
تھے، کام لینا پڑا۔ اس طرح یہ معلوم ہے کہ آرمینیا کے سنگ ساز نہ صرف مصر میں بلکہ اسی میں

کئی کام پر لگائے گئے تھے۔ یہی نہیں بلکہ غالباً ہی ملک کے سنگ سازوں سے فرانس میں نویں سدی کے گھساہر سبکی دس پرس (Germigny - des Pres) کی تعمیر میں کام لیا گیا تھا جس میں بہت سی اسلامی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔^۱

عج کے ابتدائی سالوں میں تعمیر کاری سے عربوں کی ممکنہ ناواقفیت کے باوجود اسلامی فن تعمیر کے بارے میں یہ حقیقت بہت نمایاں اور ناقابل انکار دکھائی دیتی ہے کہ اس نے تمام ملکوں میں اور تمام صوبوں میں اپنی واضح انفر لویت کو برقرار رکھا اگرچہ اس کا ماخذ ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے اس میں کچھ ایسی بات پائی جاتی تھی جو صناعی کی مقامی مکاتیب کے کام سے جو فنی طور پر اس کو عالم وجود میں لانے کا باعث ہوتا تھا، اسے امتیاز بخشی تھی۔

اپنی انفر لوئی خصوصیت رکھنے والی ایک دوسرے سے مختلف بے شمار طرزوں کی تعمیر کاریوں کو ایک دوسرے میں کھپانے اور انہیں گھلا ملا کر ایک طرز ایجاد کرنے والا عامل غالباً دین اسلام تھا کیونکہ عربوں نے اپنے ابتدائی دنوں میں جو عمارتیں بنائیں وہ بڑی حد تک مسجدیں اور محل تھے اور بعد کی صدیوں کا بہت سا اہم تعمیری کام مسجدوں اور دوسری مذہبی عمارتوں پر مشتمل رہا جیسے مدرے اور خانقاہیں جن کے ساتھ مسجدیں بھی ہوتی تھیں، عربوں کی مخصوص اور اہم ترین عمارت مسجد تھی۔ مختلف مقامات کے لحاظ سے اس کی شکل و صورت میں تھوڑا بہت اختلاف ضرور پایا جاتا تھا لیکن اس کی اہم خصوصیات ہمیشہ برقرار رہتی تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ مکہ میں اسلامی دنیا کے تمام حصوں سے آنے والے حاجیوں کے اجتماع نے مسجد کی شکل کو معیاری بنانے میں بڑا حصہ لیا ہے کیونکہ اپنے طویل سفر میں حاجی جن جن شہروں سے گزر تا وہاں کی مقامی مسجدوں میں نماز ضرور ادا کرتا، اور اگر وہ کوئی تعمیر کار صناع یا معمار ہوتا تو ان کے نقشوں پر ضرور دھیان دیتا۔

۳۳۲ء میں محمدؐ نے مدینہ میں جو اولین مسجد بنوائی وہی بعد کی تمام مسجدوں کے لیے نمونہ بنی۔ یہ عمارت ایک مربع احاطہ تھی اور اسے اینٹ اور پتھر کی دیواروں سے گھیرا گیا تھا۔ اس کا کچھ حصہ غالباً شبلی حصہ تھا، اور جہاں رسول اللہؐ نماز کی قیادت فرماتے تھے، مسقف تھا یہ چھت غالباً کجور کی ٹہنیوں کے ہوتے تھے ان پر مٹی ڈالی جاتی تھی اور انہیں کجور کے تنوں سے سہارا دیا جاتا

تھا۔ نمازیوں کی جماعت شمال کی طرف منہ کر کے بیت المقدس کے جبرک شہر کی سمت میں مسجد رہتی ہوئی تھی اور اس قبلہ گاہ کی کسی نہ کسی طرح نشانی کی گئی تھی۔ ۱۱۳۲ء میں ہمدانی نے بیت المقدس کی جگہ مکہ کی طرف پھیر دی گئی یعنی سمت (مدینہ کی صورت میں) شمال سے جنوب ہو گئی۔ ایسی ابتدائی عمارت کے لیے کہیں اور سے تعمیری خصوصیات کے مستعار لینے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس کے لیے کسی قسم کی تعمیری خصوصیات سرے سے درکار ہی نہ تھیں۔

اس کے بعد دوسری مسجد عراق (مسوچیا) کے علاقے میں بمقام کوفہ ۱۱۳۹ء کے لگ بھگ تعمیر ہوئی۔ اس کا چھت مرمر کے ستونوں پر اٹھایا گیا۔ یہ ستون حجرہ میں ایرانی بادشاہوں کے ایک پچھلے محل سے لائے گئے تھے۔ یہ مسجد بھی مربع تھی۔ لیکن اسے دیوار کی جگہ خندق سے گھیرا گیا تھا۔ ایک چھوٹی سی مسجد عمر ابن عامر نے فسطاط (قاہرہ) میں ۱۱۴۲ء کے لگ بھگ تعمیر کرائی تھی۔ اس کا نقشہ بھی مربع تھا اور کہتے ہیں کہ اس میں محن نہ تھا۔ اس میں ایک نیا عنصر بھی داخل کیا گیا تھا۔ یہ ایک اونچا سا منبر تھا۔ پھر چند سالوں کے بعد امام کو جمع سے محفوظ رکھنے کے لیے مقصورہ بنایا گیا۔ کہتے ہیں بیسویں صدی کے ختم پر نمودار ہوئے۔ اور قبلہ نما محراب اس کے کچھ دنوں بعد نمودار ہوئے، اس طرح نو دس سالوں کے اندر اندر مدینہ کی پہلی مسجد کی عمارت سے جامع مسجد کی تمام لازمی خصوصیات نے ارتقا پایا۔ جزئی اضافے ایوانات (واحد ایوان) تھے یہ ایوانات سایہ دار دالان اور چھتے تھے جو محن کو گھیرے ہوئے تھے اور لوگوں کو دھوپ سے بچاتے اور وضو کے لیے سہولت بخشتے تھے۔ اس مختصر سی فہرست میں تمام عہدوں کی مسجد کے دینی فرائض کے لوازم آگئے ہیں۔

جن عمارتوں کا اوپر ذکر ہوا ان میں سے اب ایک بھی اپنی اصلی شکل و صورت پر قائم نہیں۔ اب تو مسلسل تبدیلیوں کی وجہ سے ان کے نقشے تک بدل گئے ہیں لیکن نقشہ ہی اصل چیز ہے کیونکہ ابتدائی مسجد مشکل سے عمارت کہلا سکتی تھی اور جن معنی میں ہم تعمیری کام بولتے ہیں اس کا اطلاق تو کسی طرح بھی اس پر نہ ہوتا تھا تاہم ایم۔ فالنگ برچم کا خیال ہے کہ اس ابتدائی مسجد کے نقشے کی اصل بھی ابتدائی نصرانی کلیسا ہی نے سجھائی تھی اس کا محن رومی عمارتوں کے وسطی بے چھت محن سے لیا گیا، مرکزی ایوان کلیسا کی اصل عمارت سے لیا گیا، مقصورہ کلیسا کے مشرقی حصے

ایک لڑکی، جہاں پوری کھڑا ہوتا ہے اور جس کے گرد گھبرا بھی ہوتا ہے اور محراب گر جا کی نیم
اتنی حق سے لی گئی ہے اور جہاں کیسا کے جہاں سے لیا گیا ہے لیکن مشکل ہی سے یہ خیال ضروری یا
دور سے معلوم ہوتا ہے جب تک عربوں نے اس مذہبی احاطے یا پتہ گاہ کو فن تعمیر کا نمونہ نہیں بنایا
اس وقت تک اس کے ماخذوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سودی سیدھی احتیاج سے لے کر شان و شکوہ کے حصول تک کا عبوری دور بہت گریز پار ہا۔
دین اسلام کی سخت گیری اور اس کے بہت سے چرووں کی سخت کوش مجاہدانہ زندگی کو پیش نظر
رکھے تو یہ سرعت حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی وفات کے بیس سال کے
اندروں مدینہ میں خود آپ کی مسجد دیواروں اور گھرے ہوئے چرووں کے پایوں کے ساتھ نئے
سرے سے تعمیر کی گئی اور ساتویں صدی کے آخری سالوں میں بیت المقدس میں حضرت عمرؓ کے
۱۳ء میں شہر کی فتح کے بعد بنوائی ہوئی معمولی سی مسجد کے قریب (تختہ الصخراء) کی شاندار
عمارت تعمیر کی گئی۔ اس عمارت کا حجم اثر آفریں تھا۔ یہ یادگاری قسم کی عمارت تھی اور اسے خوب
ہی سہلایا گیا تھا بس یہیں سے ہم اس شدید اختلافات کے چکر میں پڑ جاتے ہیں جو اسلامی فن تعمیر
کے ماخذ کے بارے میں اب تک چلا آ رہا ہے۔ (جاری ہے)



سر سید کی والدہ بہت ہی صابر و شاکر، عبادت گزار اور ہر حال میں راضی بہ رضائے الہی رہنے والی خاتون
قصید۔ سر سید نے ان کا ایک لائق تقلید و مثالی واقعہ بیان کیا ہے:

”میرے بڑے بھائی اگر وہ میں صنف اور جوان العمر تھے، ان کے مرض الموت میں والدہ ہر وقت ان
کے پاس بیٹھی رہتی تھیں۔ ایک مہینے تک یہی حال رہا۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو سب لوگ گریہ و زاری کرنے
لگے۔ والدہ کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے۔ اتنے میں صبح کی نماز کا وقت ہو گیا۔ انہوں نے وضو کر کے نماز
پڑھی اور اشراف تک مصطفیٰ پر بیٹھی رہیں۔ انہی دنوں ایک رشتہ دار کی بیٹی کی شادی ہونے والی تھی۔ تمام سالان
شادی کا ہو چکا تھا۔ صرف پانچ دن عقد میں باقی تھے۔ جب یہ حادثہ ہم پر گزرا تو ان لوگوں نے دستور کے مطابق
شادی ملتوی کرنی چاہی۔ میری والدہ نے جب یہ سنا تو اس واقعے کے تیسرے دن ان کے گھر گئیں اور کہا ”میں
شادی میں آئی ہوں۔ مہینے دن سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اور شادی کے ملتوی کرنے سے تمہارا بڑا نقصان ہوگا۔ جو
خدا کو منظور تھا وہ چکا۔ تم شادی کو ہرگز ملتوی مت کرو جب کہ میں خود تمہارے گھر آئی ہوں اور شادی کی اجازت

دیتی ہوں۔ تو نور محمد علی

ادبیات

غزل

از جناب استاد الشعر المفتی امیر احمد صریر

کیا ہے خیرہ نظر کو اپنی جمال انور دکھا دکھا کر!
 بتلایا بیخود ہمیں کسی نے شراب وحدت پلا پلا کر
 وہ اپنی حکمت کو آپ جانے وہ اپنے رازوں کو آپ سمجھے!!
 فنا کا ساغر پلایا ہم کو مزے بقا کے چکھا چکھا کر
 یقین کہتا ہے ہم سے اپنا وہ بن گئے ہیں وہ سنور گئے ہیں
 جو راہ مولیٰ میں مٹ گئے ہیں گھروں کو اپنے لٹا لٹا کر
 کہیں وہ رنگ چمن بنے ہیں کہیں وہ غنچوں میں بس گئے ہیں
 کیا ہے عاشق جہاں کو اپنا عجب کرشمے دکھا دکھا کر
 صبا دینے تو مجھ کو لے چل کہوں گا آقا سے اپنے رو کر!!
 فلک نے مارا ہے آہ مجھ کو جہانیں در در پھرا پھرا کر
 انہیں کے عاشق میں عرش والے انہیں کے شیدا میں فرش والے
 جنہیں سلاتی تھیں روز حوریں جہانیں جھولا جھولا کر
 جہانیں آکر صریر ہم نے عجب قدرت کا کھیل دیکھا!
 ہزاروں پتلے بگاڑ ڈالے ہیں اس نے دم میں بنا بنا کر



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سرپرست اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی

عالیجناب حکیم عبدالحمید صاحب چائٹر جامعہ ہمدرد بنی دہلی و علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مجلس ادارت اعزازی

سید اقدار حسین
ڈاکٹر معین الدین بٹاکی
محمود سعید بلالی
ڈاکٹر جہر قاضی

برقان

نگران اعلیٰ

حضرت مولانا حکیم محمد زماں حسینی

شمارہ: ۳

مارچ ۱۹۹۸ء

جلد: ۱۲۲

تہذیب

شمارے

۱

- * نظرات عمید الرحمن عثمانی ۲
- * مغربی فن تعمیر پر اسلامی فن تعمیر کے اثرات (دوسری قسط)
- ۶ (ترجمہ: جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم۔ اے)
- * زمینداری اور جاگیر داری کا تاریخی پس منظر (تیسری قسط)
- ۱۲ جناب مولوی تقی الدین صاحب بہاری
- * میرزا جلال اسیر اصفہانی
- ۱۵ ڈاکٹر وجیبہ الدین بڑودہ، گجرات
- * اسلامی دارالافتا اور منصب مفتی ایک تحقیقی مطالعہ (چوتھی قسط)
- ۲۵ ڈاکٹر نور احمد شاہباز (کراچی یونیورسٹی)
- * وفتات ۳۱

جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر کا پیسہ

منشیجر ماہنامہ برہان

4136 - اردو بازار جامع مسجد دہلی - 110006 * فون نمبر 3262815

زیر تعاون
فی پرچہ: ۲ روپے
سالانہ: ۲۲ روپے
کمپیوٹر کتابت

CREATIVE VISION

عمید الرحمن عثمانی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے خواجہ پرین دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظرات

۱۹۹۸ء کے پارلیمنٹری انتخابات کے نتائج سامنے آنے کے بعد ہندوستان کی زمام اقتدار بھارتیہ جنتا پارٹی کی قیادت میں ۱۸ جماعتوں کے متحدہ محاذ مورچہ نے سنبھال لی ہے اور بھارتیہ جنتا پارٹی کے بانی ممبر جناب اٹل بھاری واہئی ہندوستان کے وزیر اعظم منتخب ہو گئے ہیں۔ بھارتیہ جنتا پارٹی سابق جن سنگھ ایک عرصہ سے مرکزی حکومت حاصل کرنے کے لیے کوشاں تھی، اس کے لیے اس نے بہت جوڑ توڑ کیے۔ ۱۹۷۷ء میں اندرا گاندھی کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے ملک میں ایمر جنسی کے نفاذ کے بعد کانگریس مخالف جماعتوں کو جن سنگھ نے کمال ہوشیاری کے ساتھ ایک جگہ جمع کر کے کانگریس کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کا بظاہر نہ سمجھ میں آنے والا پلان تشکیل دیا اور پھر جن سنگھ کو ختم کر کے جنتا پارٹی کے نام سے ایک جماعت قائم کی گئی جس میں تمام مخالف کانگریس جماعتوں کو اپنے عقیدہ وجود کو ختم کر کے اس میں شامل ہونے کی ترغیب و تحریک کی گئی۔ جس میں اسے اس قدر کامیابی ملی کہ کیونسٹ پارٹی تک جنتا پارٹی کی حمایت کرنے پر خوشی خوشی تیار ہو گئی۔ اور ۱۹۷۷ء میں جب اندرا گاندھی نے ایمر جنسی کے دوران میں الیکشن کرانے کا اعلان کیا تو ہندوستان کے عوام کو کانگریس کا اس قدر مخالف بنادیا گیا کہ عوام نے انتخاب میں جنتا پارٹی کو بھاری اکثریت سے کامیاب کر دیا کہ مرکز میں اس کی حکومت قائم ہو گئی۔ اس انتخاب کی یہ خصوصیت تھی کہ اندرا گاندھی وزیر اعظم ہوتے ہوئے بھی حزب اختلاف کے ایک بڑے وزیر اعظم راجن رائے کے مقابلے شکست سے دوچار ہو گئیں۔ اس وقت ہندوستان ہی میں نہیں پوری دنیا میں ہندوستان کی پارلیمنٹ کے انتخاب کے نتیجہ کو حیرت کی نظر

جس کا مقصد یہ تھا کہ اس کے ساتھ جن سنگھ نے جنتا پارٹی میں اپنا دھبہ قائم رکھا اور مستقبل کے حالات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اس نے اپنی قربانی بھی اس وقت دی کہ سب سے زیادہ شیش ہونے کے بعد وہ دولت منی پر اپنے آدمی کو بھانسنے کے بجائے ہمدردی و یگانگی کو بیٹھنے دیا۔ مگر اس نے اس کے علاوہ وزارت کے دیگر اہم قلمدان اپنے ہی لوگوں میں تقسیم کرائے۔ اندر ہی اندر کیا ہوتا رہا یہ تو خدا ہی جانتا ہے مگر ظاہر تو یہ سمجھ میں آیا کہ جن سنگھ نے اس وقت کو نظر انداز کر کے مستقبل کے حالات پر اپنے وزراء مستقبل کی تعمیر کا پلان بنایا ہوا تھا۔ کچھ ہی عرصہ بعد جنتا پارٹی میں اس بنیاد پر بغاوت ہو گئی کہ آر آر ایس حکومت کے کاموں میں قفل ہے چنانچہ چودھری چرن سنگھ اور راج فرائن نے اس وقت اعلان کیا کہ جنتا پارٹی میں دو غلطی ممبر شپ یا دہری و قادیاری نہیں چلے گی۔ ایک طرف آر آر ایس سے وفاداری ہے تو دوسری طرف جنتا پارٹی میں بھی کوئی وفاداری کی بات کرے تو یہ بات برداشت سے باہر ہے۔ چرن سنگھ نے اس وقت کانگریس سے حمایت لے کر جنتا پارٹی کی حکومت گرا کر اپنی قیادت میں حکومت تشکیل کی جو پارلیمنٹ کا سامنا کیے بغیر ہی چار ماہ سے زیادہ مدت بھی پوری نہیں کر پائی اور پارلیمنٹ کے نئے انتخابات کا اعلان کیا گیا۔ چرن سنگھ مگر اس حکومت کے وزیر اعظم رہے۔ جن سنگھ کے جو ممبران وقتی طور پر جنتا پارٹی میں شامل تھے انہوں نے صرف پارٹی کا نام بدلا تھا اپنے خیالات اور اپنی تخصیص کا کبھی خاتمہ نہیں کیا تھا۔ لیکن اپنے دل و دماغ پر جبر کر کے اور مستقبل کے حالات کو سمجھنے کے مقصد سے اسی جنتا پارٹی کے تحت الیکشن لڑا جس میں سے چرن سنگھ گروپ بغاوت کر کے الگ ہو چکا تھا۔ مگر الیکشن کے نتائج نے یہ بات عیاں کر دی کہ اب جنتا پارٹی کے ساتھ عوام کی نظروں میں گرج چکی ہے۔ کانگریس دوبارہ برسر اقتدار آگئی اور اندرا گاندھی دوبارہ ملک کی وزیر اعظم بن گئیں۔ جن سنگھ کے ممبران نے اب اپنی الگ پہچان کو دوبارہ بنانے کی کوشش کی، جنتا پارٹی سے اسے جتنا کام لینا تھا وہ اس نے لے لیا۔ اب اس کی کوئی ضرورت نہ تھی جن سنگھ ختم ہو چکی تھی چنانچہ انہوں نے الیکشن کے بعد بھارتیہ جنتا پارٹی کے نام سے ایک علیحدہ جماعت کا اعلان کیا اور اس کے جھنڈے کے نیچے وہ سارے جن سنگھی اکٹھے ہو گئے جو جنتا پارٹی میں موجود تھے۔ بھارتیہ جنتا پارٹی نے ۱۹۸۳ء کا پارلیمنٹری انتخاب لڑا اور اس میں چونکہ اندرا گاندھی کے قتل کی وجہ سے عوام میں کانگریس کے تئیں ہمدردی کی لہر تھی اور پھر نوجوان قائد راجیو گاندھی کی قیادت میں ملک کو آگے بڑھانے کا خواب ان کے دل میں سوچیں مار رہا تھا اس لیے کانگریس کو عوام نے بہت زبردست اکثریت سے منتخب کیا اور بھارتیہ جنتا پارٹی کو پورے

ہندوستان میں مصروف اور صرف اسی شخص میں۔ یعنی ۱۹۷۷ء میں جنتا پارٹی کے بھرتے جس سگھ کے ۹۵ ممبر منتخب ہوئے پھر ۱۹۸۰ء کے انتخابات میں پارلیمنٹ کی دس سیشن نصیب ہوئیں۔ ان ایکشن میں نے سابق قتل سگھ کے کساد مہم کاروں کو ہمدرد و مستعد کر دیا۔ انہوں نے اپنی ان کا سول کو چیلنج سمجھا اور پھر وہ مصروف ہو گئے۔ ان کانگریس مخالف سیکولر جماعت کے ممبران کو اکٹھا کرنے میں۔ اور پھر وی پی سنگھ کو وزارت عظمیٰ کی کرسی چاہنا پھر ۱۹۸۹ء میں آئندہ کے لیے مرکزی حکومت پر بیٹھنے کے لیے جگہ بھی تیار کری اور اس کے لیے فضا اور زمین بھی۔ سیکولر نام کی جاپ کرنے کے لیے خواب غفلت میں صرف وقتی کرسی پر بیٹھنے ہی میں اپنی شان دو پلا کیے بیٹھے رہے۔ اور یہ لوگ مستقبل کے لیے راہ ہموار کرنے میں جتنے رہے۔ ہندوستان کے عوام کے جذبات و خیالات کے پیش نظر کتنے ہی پروگرام ترتیب دیئے اور انھیں بر روئے کار لائے۔ باری مسجد کا انہدام اور رام مندر کی تعمیر کی تحریک اسی ایک پروگرام کی کڑی تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۹۶ء میں بھارتیہ جنتا پارٹی پارلیمنٹری انتخابات میں سب سے بڑی جماعت بن کر ابھری اور اب ۱۹۹۸ء کے پارلیمنٹری انتخاب میں بھارتیہ جنتا پارٹی اپنے جوڑ توڑ اور غفلندی کے ساتھ اس پوزیشن میں آگئی کہ بڑی شان کے ساتھ مرکزی حکومت پر قابض ہو گئی اور اس کے سب سے بڑے وائمن سٹون لیڈر اٹل بھاری و اچئی ہندوستان کے وزیر اعظم منتخب ہو گئے۔ ۱۹۷۷ء میں کانگریس مخالف لیڈروں کو اکٹھا کر کے اس نے مرکزی حکومت کو بنوائی مگر اپنا وزیر اعظم کسی مصلحت سے نہ بنایا۔ مگر ۱۹۹۸ء میں اس نے ایسا جال بٹا کہ اپنے آپ ہی وزارت عظمیٰ کی کرسی اس کے پاس آگئی۔ اسے کہتے ہیں کمال ہوشیاری، چابکدستی اور دور اندیشی۔

سیکولر نام کی مالا چپنے والے سب منہ تاکتے رہ گئے اور اپنی اپنی ذہنی بجائے میں پھر مشغول ہو گئے ہیں۔ آنے والا وقت شاید ان کے لیے ایسا دکھائی دے رہا ہے کہ ہندوستان کے نقشے پر ان کا وجود ہی باقی نہ رہے گا اور بھارتیہ جنتا پارٹی آج کچھ پارٹیوں کو ساتھ لے کر چلنے پر مجبور ہے تو کل وہ کسی بھی پارٹی کے بغیر ہندوستان کی مرکزی حکومت پر اکیلے ہی قابض دکھائی دے گی۔ یہ ہمارا یقین بھرا اندازہ ہے۔

ہندوستان کی سیاست کے ماہرین کا خیال ہے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی نے ایک راشٹر ایجنڈا تشکیل دے کر حکومت چلانے کا جو پروگرام بنایا ہے اور جس میں اس نے اپنے بنیادی مقاصد جیسے دفعہ ۷۰ سکاخاتمہ، یکساں سول کوڈ اور باری مسجد کی جگہ رام مندر تعمیر کرنے سے جو پہلو تہی اختیار کی ہے وہ دور اندیشانہ

حکومت کا قافہ ہے۔ اسے اپنے مذکورہ بالا پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ابھی اور پارہ پڑھنیے
 چاہیے کہ اور مگر اس میں انہیں اپنی طرف سے کچھ قربانی بھی دینی پڑے گی تو اس سے وہ دریغ نہ کریں
 گے۔ مگر سیکورٹام کی مالاچھنے والے تو صرف کری نہ ملنے سے مایوس ہو کر بیٹھ جائیں گے۔ ان کے لیے
 کتاب آگے کے راستے بند ہی ہو جائیں گے ایسا ہمارا خیال ہے۔

کانگریس اپنے اصولوں سے کس قدر ہٹ چکی ہے اور اس کا سیکولرزم کا اصول یا نعرہ صرف اقتدار کی
 کرسی بٹھانے کا زینہ ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے اور اسی لیے کانگریس کی شکست سے کانگریس کے
 قدیم چاہنے والوں کو کوئی ملال نہیں ہے۔ جو اقتدار کا بھوکا ہوتا ہے یا جو مفاد پرست ہوتا ہے اس کی
 شکست سے کسی اور کو کیا لینا دینا ہے کوئی رنج کرے تو کیوں... ؟

اب راجیو گاندھی کی بیوہ شریمتی سونیا گاندھی کانگریس میں نئی جان پھونکنے کے لیے کانگریس کی
 صدارت کی کرسی پر بیٹھی ہیں تو اس سے اب ہمیں نہ کوئی خوشی ہے اور نہ ہی غم۔ جب کانگریس کے پاس
 سے اپنے بنیادی اصول ہی رخصت ہو چکے ہیں تو پھر کسی دوسرے کے لیے کانگریس کی کشش ختم ہو گئی
 ہے۔ اب کانگریس کتنے دن زندہ رہے گی یا وہ پھر ہندوستان کی سیاست کے نقشے پر چھائے گی ایسے کسی
 سوال وجواب کی اہمیت ان ہی لوگوں کے لیے اہمیت کا باعث ہو سکتی ہے جو اقتدار کے متلاشی ہیں۔
 جنہیں اصول دل و جان سے عزیز ہیں ان کے لیے بنیادی اصولوں سے مبرا کانگریس سے کوئی دلچسپی باقی
 نہیں رہی ہے۔ اس لیے ہمارے نزدیک اس بات کی اب کوئی اہمیت نہیں ہے کہ شریمتی سونیا گاندھی
 انڈین نیشنل کانگریس کی صدر منتخب ہو گئی ہیں۔

خدا کرے جناب اٹل بھاری واچینی کی وزارت عظمیٰ کے زیر سایہ بھارتیہ جنتا پارٹی اور اس کی حلیف
 پارٹیوں کی مرکزی حکومت ہندوستان سے بیروزرگاری بدعنوانیوں اور رشوت خوری کے خاتمہ کے
 لیے کچھ کر سکے۔ غریبی دور ہو، ہر شخص اطمینان اور سکون کے ساتھ ہندوستان میں جی سکے اسی بات کی
 دل سے دعا نکل رہی ہے۔ بار بار انتخابات سے عوام پر جو مالی بوجھ پڑ رہا ہے وہ دور ہو۔ یہ حکومت نری یا
 بھلی جیسی بھی ہو پانچ سال تک اپنی پوری مدت طے کرے۔ ایسی ہماری خواہش ہے۔ اسی کے ساتھ ہم
 ہندوستان کے نئے وزیر اعظم اٹل بھاری واچینی کا خیر مقدم کرتے ہیں اور ان کے لیے نیک خواہشات کا
 اظہار کرتے ہیں۔

مغربی فن تہذیب پر

اسلامی فن تعمیر

کے اثرات

از مارٹن۔ ایس۔ برکس

ترجمہ: جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم اے

قبۃ الصخرہ پتھر کی ایک وسیع عمارت تھی درحقیقت یہ ایک مشہد (جائے شہادت) تھا، جس میں زائرین اس چٹان کا طواف کرتے تھے جس کے بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ حضرت محمد اسی کے اوپر سے اپنے آسمانی سفر معراج کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں یہ عمارت بالکل منفرد رہی اور کم سے کم چار صدیوں تک محن کے ساتھ جامع مسجد کے عام مربع نقشے میں کسی طرح کی کوئی اہم تبدیلی کی کوشش نہیں کی گئی۔ اس لیے یہ فرض کر لیا گیا اور بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ فرض کر لیا گیا کہ قبۃ الصخرہ محض رومی یا بازنطینی قسم کی عمارت ہے، بت پرستوں یا نصرانیوں کی بنائی ہوئی اس سے پہلے کی عمارتوں کی نقل ہے، اسے شروع سے آخر تک نصرانی معماروں نے بنایا ہے، اس لیے یہ ایک دوسرے فن تعمیر کا کارنامہ ہے اور عرب آرٹ کے اصل دھارے سے بالکل الگ کھڑا ہے۔ اس نقطہ نظر میں ایک حد تک صداقت ضرور پائی جاتی ہے اور بظاہر اس میں کچھ معقولیت بھی نظر آتی ہے،

نکلیں۔ اسے اپنی حد سے آگے نہیں بڑھانا چاہیے۔

مقدس مقاموں میں اس قسم کی بددور عمارت کے بنانے میں عربوں کے سامنے ایک قطعی مقصد موجود تھا۔ وہ بیت المقدس کی 'مقدس چٹان' (حرا) پر جو یہودیوں اور مسلمانوں دونوں کے نزدیک ایک مقدس چیز تھی، ایک پر شکوہ عمارت بنانا چاہتے تھے اور وہ ایک ایسی عمارت تعمیر کرنا چاہتے تھے جو اس سے قریب ہی بنے ہوئے ضریح مسیح کے مشہور کلیسا کی حریف ہو اور شان و شکوہ میں اس پر سبقت لے جائے۔ یہ نیا مشہد، اس وسیع چٹانی سطح مرتفع کے وسطی حصے میں جو 'حرم شریف' کہلاتا تھا، ایک بڑا سا چوترہ یا کرسی دے کر بنایا گیا۔ (اس کی سیدھ میں نقشہ کے مرکزی محور پر اس سے پہلے سے ایک مسجد بنی ہوئی تھی جو مسجد اقصی کہلاتی تھی یہ ایک قدیم عمارت تھی۔ اس کی تاریخ اتنی مبہم اور پیچیدہ ہے کہ اس کا یہاں بیان کرنا لا حاصل ہے اپنی عبادت گاہ کی نمایاں خصوصیت کے طور پر گنبد یا زیادہ صحیح معنوں میں، حلقہ نما دور ہال کا انتخاب کر کے عربوں نے بڑی بدلتائی کا ثبوت دیا۔ یہ صحیح ہے کہ اسی طرح گنبد کو کسی مقبرے یا کسی مقدس مقام کی چھت کے طور پر اس کے سب سے اونچے اور پوری عمارت کو قابو میں رکھنے والے عنصر کی حیثیت سے عربوں سے پہلے رومی اور بازنطینی دونوں استعمال کر چکے تھے لیکن یہی قومیں کرہا رض پر گنبد بنانے والی ایسی قومیں نہ تھیں۔ اسٹرازونگودسکی، جو ایرانی تصورات کے بڑے مداح ہیں، کہتے ہیں کہ گنبد کی مشرقی طرز کی ابتداء ایشائے کوچک یا مشرق بعید میں ہوئی، یہی طرز آرمینیا کے ذریعہ بازنطینیوں کے ہاتھ آئی، اور پھر ان سے بلقان کے علاقوں اور یونانی کلیسا کی سرپرستی میں روس میں پھیلی۔ اس طرح اگرچہ عربوں نے یہاں پہلی بار گنبد استعمال کیا لیکن وہ ایک ایسی چیز اختیار کر رہے تھے جو نہ تو بالکل نصرانیوں کی تھی اور نہ ہی بالکل رومیوں کی تھی۔ غالباً انہوں نے مشہور ریمینہ القیامتہ (Anestasio) کے گنبد کی نقل کی تھی جو اس سے قریب ہی تھا، اور ٹھیک ٹھیک اس کے حجم کا تھا۔ یقیناً شام اور آرمینیا میں گنبد والے کلیسا ساتویں صدی سے بہت پہلے سے موجود تھے اور قبیلہ الصخراء قسم کے کلیسا یعنی ایک مٹمن کے اندر مدور ہال والے کلیسا فلسطین میں پہلے سے موجود تھے۔ باقی چیزوں میں دیواریں ٹھوس پتھر کی ہیں، اندرونی چھتوں اور درجوں کے موکھوں کی کمائیں نیم قوسی ہیں اور دونوں چھتوں میں جتنے

ستون استعمال ہوئے ہیں ان میں سے صرف دو قدیم زمانے کے ہیں بلوریت پرستوں یا نصرانیوں کی پچھلی عمارتوں سے لیے گئے ہیں۔ اسی طرح ان ستونوں کے دھڑے اور نہ ہی ان کے سرستون طرز میں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں کمانوں کی جست کے اطراف زبردست چوبی شہتیروں کے جوڑ دیئے گئے ہیں۔ یہ جوڑ غالباً زلزلوں کے جھکوں کا مقابلہ کرنے کے لیے دیئے گئے ہیں جو اس علاقے میں عام ہیں یا پھر اس لیے دیئے گئے ہیں کہ معماروں کو محض کمانوں پر بھروسہ نہ تھا۔ ایسی ہی حفاظتی تدبیریں بازنطینی عمارتوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ خود گنبد دہرا ہے اور پورے کا پورا لکڑی سے بنایا گیا ہے باہر کی طرف اس پر سیسہ اور اندر کی طرف منقوش اور رنگین پلاستر چڑھایا گیا ہے۔ لیکن یہ قدیم اصلی حصہ نہیں ہے۔ چکی کاری کا بیشتر کام اصلی ہے۔ لیکن باقی تزئینی کام کا بیشتر حصہ بعد کے زمانے کا ہے۔ اس طرح ہم قبۃ الصخراء میں یہ دیکھتے ہیں کہ گنبدی نقشہ، نیم قوسی کمانوں کا استعمال، چوبی جوڑ، اور غالباً چکی کاری نئی جدتیں ہیں۔ نیم قوسی کمان قطعی طور پر عربوں کی ایجاد نہ تھی، چوبی جوڑوں کی اصل مشتبہ ہے، اور چکی کاری کا قدیم ترین استعمال اسلام سے پہلے کی چیز ہے۔

قبۃ الصخراء کے بعد تریب زمانی کے لحاظ سے دوسری اہم اسلامی عمارت دمشق کی جامع کبیر ہے جو آٹھویں صدی کے ابتدائی سالوں میں تعمیر ہوئی۔ اس کا صدر ایوان یا حرم ایک شاندار کمرہ سا ہے۔ جس میں اسے صحن سے الگ کرنے والی کمانوں کے اندر دروازے یا جالیاں بنی ہوئی ہیں۔ صحن کی باقی تین سستوں کو بھی چھتے دار برآمدے گھیرے ہوئے ہیں۔ صدر دالان کے ساتھ تین بغلی دالان ہیں، عرضی حصے کے ختم پر یعنی صدر دالان کی شمالی دیوار کے وسط میں محراب ہے جو قبلہ یا سمت کعبہ کی نشاندہی کر رہی ہے۔ مرکزی صحن کو گھیری ہوئی کچھ کمانیں پایوں پر اور کچھ کمانیں ستونوں پر اٹھائی گئی ہیں۔ یہ کمانیں گھڑنعلی شکل کی ہیں۔ کمانوں کی یہی گھڑنعلی شکل آگے چل کر مغربی اسلامی فن تعمیر کی خصوصیت بننے والی تھی جس کے اسباب کچھ زیادہ واضح نہیں ہیں۔ مگر گھڑنعلی کمان مدور یا سرے پر نوکدار ہوتی ہے لیکن بہر صورت اس کا جماؤ جست کے خط کے نیچے ہی ہوتا ہے۔ دمشق میں مدور گھڑنعلی کمان استعمال کی گئی ہے صدر چھتے کے اوپر پورے صحن کے اطراف نیم

قوسی سرولہاٹے در پہ ہر کمان پر دو دو کے حساب سے بنائے گئے ہیں جس رومی مسجد کے بارے میں (TEMENOS) کے چار گوشوں کے اندر یہ مسجد بنائی گئی ہے اس کے ہر گوشے پر ایک برج بنا ہوا تھا۔ ان ہی برجوں کو عربوں نے میناروں کی طرح استعمال کیا۔ اب ان چار برجوں میں سے صرف ایک برج (شمال مغربی گوشے پر) باقی رہ گیا ہے دوسرے مینار بعد کے زمانے کے ہیں۔ عمارت کا اندرونی حصہ مربعی کاری اور رتقلمیں شیخوں کے بڑے بڑے درجوں سے سجایا گیا تھا۔ مسجد کے عام نقشوں سے اس مسجد کا نقشہ غالباً اس لیے الگ ہے کہ یہ مسجد میں تبدیل کیے ہوئے شامی کلیساؤں سے متاثر ہے۔ کلیسا کی طرح اس میں مرکزی صحنے کا داخل کرنا اور حرم کے وسط میں گنبد کا بنانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس سے مقصود قبلہ کی اہمیت کو واضح کرنا تھا، اور یہ قبلہ نما تیسری بار ایک محراب کی صورت میں بنایا گیا ہے۔ محراب ممکن ہے خود عربوں کی اپنی ایجاد ہے۔ دنیا کے ایک ایسے حصے میں جہاں آنکھوں کی بیماریاں بہت عام ہیں، جیسا کہ ایک بوڑھے شیخ نے مجھ سے ایک بار کہا تھا، محراب کو مجوف صورت میں اس لیے بنایا گیا کہ دیواروں کو چھو چھو کر اپنا راستہ ملے کرنے والا اندھا آدمی فوراً اسے پہچان لے۔ یا ممکن ہے محراب نصرانی نیم قوسی طاق (Ajisc) سے لی گئی ہو۔ گزرتی کمان قبل اسلام عمارتوں میں پائی گئی ہے جو پتھر میں تراشی گئی ہے لیکن دمشق میں اس کا ظہور ان اولین مثالوں میں سے ایک ہے جہاں یہ حقیقی تعمیر مقصد کے ساتھ استعمال ہوئی ہے۔ مینار کا مقصد بالکل واضح ہے۔ اس سے مؤذن کے لیے ایک ایسی اونچی جگہ مہیا کرنا تھا جہاں سے وہ مومنوں کو نماز کے لیے بلا سکے۔ یہ صد اعبادت گزاروں کو بلانے کے لیے لوہے کا ٹکڑا پیٹ کر آواز بلند کرنے (گھٹنے بجانے کی رسم شروع ہونے سے پہلے) کی نصرانی رسم اور یہودیوں کے بوق بجانے کے رواج کے مقابل اور ادنا ایجاد کی گئی ہے۔ اس مینار کے استعمال کی پہلی مثال دمشق میں نظر آتی ہے۔

قدیم ترین باقی ماندہ مینار تونس سے قریب قیروان کی جامع کبیر کا مینار ہے اور تاریخوں میں لکھا ہے کہ یہ مینار خلیفہ ہشام (۷۲۴ء - ۷۴۳ء) کے عہد میں بنا ہے۔ یہ ایک لمبر دست اور بھاری بھر کم عمارت ہے اور اوپر کی طرف قدرے گاؤم ہوتی گئی ہے۔ سب سے اوپر گزرتی یا برجیاں بنائی گئی ہیں اس پر دو حنریس ہیں، جن میں سے ایک بعد کے عہد

کی ہے اگر یہ بھی درست ہو کہ دمشق کے چاروں سرخی جہاز پہلے بنائے تھے جو اس مقصد کے لیے استعمال ہوئے تب بھی قیروان کے مینار کی بالکل سیدھی سادگی سی عمارت کی دلیل کر شاہیا کسی اور خاص مقام سے منسوب کرنے کی کوئی خاص وجہ نظر نہیں آتی یہ ایک مذہبی ضرورت کی ایک مثال ہے جو کسی بناؤ کے بغیر نہایت سیدھے سادے انداز میں پوری کی گئی ہے اس کے سوا قیروان کی مسجد جامع مسجد طرز کی ہے۔ اس میں اکثر رد و بدل ہوئے ہیں لیکن مجموعی حیثیت سے اس کی وہی صورت برقرار رکھی گئی جیسی کہ وہ نویں صدی کے آخر میں بنائی گئی تھی تونس کی جامع الزیتونیہ جو ۳۲۷ھ میں بنی ہے جامع مسجد طرز کی ایک اور ابتدائی اور دلچسپ مثال ہے۔ یہ مسجد ایسے چھتوں سے بنائی گئی ہے جس کی کمائیں ناخوشگوار قسم کی ہیں اور ان کمائوں کو عہد قدیم کے ستون اٹھائے ہوئے ہیں۔ کمائوں کے سردلوں کے اوپر چوبی کندے یا پرکالے ہیں جو جوڑ دینے والی چوبی شہتیروں سے مربوط ہیں۔ اس تدبیر نے بہت سی ابتدائی اسلامی عمارتوں کے حسن و خوبی کو متاثر کر دیا ہے۔ اسی میں قرطبہ کی جامع مسجد ۸۷۶ھ میں بنی شروع ہوئی وہ اسی سلسلے کی ایک عمارت ہے۔ اس کا رقبہ دسویں صدی میں پہلے رقبہ سے ڈگنے سے بھی زیادہ کر دیا گیا۔ لیکن اس کی اصلی شکل اب بھی اس کی موجودہ عمارت کے بغور مطالعہ سے پہچانی جاسکتی ہے۔ یہ ایک جامع مسجد تھی اس کا حرم بہت گہرا بنایا گیا تھا۔ حرم میں گیارہ بغلی والان تھے جنہیں چھتے دے کر ایک دوسرے سے الگ کیا گیا تھا اور ہر چھتے میں بیس ستون تھے۔ یہ ستون مذکورہ بالا صورتوں کی طرح قدیم رومی عمارتوں سے حاصل کیے گئے تھے۔ حرم کے زبردست حجم کی وجہ سے اس کے لیے متوازن بلندی کی چھت بنانا ضروری ہو گیا تھا۔ حقیقت میں اس کے لیے اس سے بھی اونچی چھت بنانا ضروری ہو گیا تھا جتنی کہ قابل حصول معمولی ستونوں پر بنی ہوئی گھڑعلی کمائیں اٹھا سکتی تھیں۔ اس لیے کمائوں کا ایک اور سلسلہ بلند تر سطح پر بنایا گیا۔ اس کی وجہ سے ایک گنجلک اور مضطرب سا اثر پیدا ہو گیا۔ جو کچھ خوشگوار نہیں۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ پہلے سے بنے ہوئے قدیم ستونوں کے استعمال نے قیروان اور قرطبہ دونوں جگہ چھتے کی صورت گری کو متعین کر دیا۔ اس کے برخلاف اگر یہاں اینٹ یا پتھر کے پائے استعمال کیے جاتے یا عمارت کے لیے خاص طور پر بنائے ہوئے بلند تر ستونوں سے کام لیا جاتا

تعمیر کار کے لیے اس ناخوشگوار صورت سے اپنا دامن بچالینا ممکن ہوتا۔ قریبہ کی پوری مسجد کو ایک اونچا پختہ دیوار سے گھیرا گیا تھا اور پورے محن کے اطراف جمتے تھے۔

اب ہمیں عراق (موسومیا) کی طرف لوٹ چلنا چاہیے جہاں اینٹ چونے میں کئی صدیوں کی گئی ہیں۔ مسجدوں کا یہ سلسلہ اس ملک کی روایتی طرز میں بنا ہے۔ اسی سلسلہ کے ایک سرے پر مدینہ کی ولین مسجد ہے اور آخر میں قاہرہ کی مشہور جامع ابن طولون ان دو سنی مسجدوں کی مثالوں میں قابل لحاظ اخیر، رقبہ، ابودلف اور سامرہ کی مسجدیں ہیں۔ ان میں سے پہلی دو مسجدوں کے بارے میں اب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ آٹھویں صدی کے آخر کی ہیں اور آخر الذکر مسجدیں نویں صدی کے وسط کی ہیں۔ ان تمام مسجدوں میں ساسانی تعمیر کاری کی روایتیں پائی جاتی ہیں اور ان سب کو جامع مسجد کے نقشہ پر بنایا گیا ہے۔ اخیر کی مسجد جس کا حال بڑے دلکش انداز میں آں جہانی گروڈیل نے اپنی عالمانہ کتاب میں بیان کیا ہے۔ ہمارے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ یہیں کیلی کمان اپنی اولین صورت میں ملتی ہے۔ یہی کیلی کمان آگے چل کر مغربی گو تھک فن تعمیر کی نمایاں ترین خصوصیت بننے والی تھی۔ ساسانیوں کی مخصوص کمان نیم قوسی کمان ہے، لیکن کبھی کبھار کیلی کمانوں کے ابتدائی نمونے بھی نظر آجاتے ہیں۔ گھر فعلی کمانیں غالباً اس سے پہلے عراق (موسومیا) میں استعمال ہوئی ہیں۔ ایسی بہت سی کمانیں شامی کلیساؤں میں (مثلاً قصر ابن وردان کے کلیسا میں) موجود ہیں اور اطالیہ کے شہر چیوزی Chiusi میں تو واقعاً یونانی کمانوں کی ایک مثال دکھائی دیتی ہے۔ اخیر کی کمانیں بیضوی کیلی اور قدرے اونچے ستون دے کر بنائی گئی ہیں، سامرہ کے قریب ابودلف میں وہ ختم اختیار کر لیا ہے جو بعد کے اسلامی فن تعمیر کی خصوصیت بن گئی اور یہی شکل آٹھویں صدی کے آخر تک عراق (موسومیا) میں کمانوں کی تمام شکلوں کی جگہ لینے لگی اس سے بہت پہلے کی کیلی کمانیں کہیں کہیں ہندوستان میں ٹھوس پتھر میں کئی ہوئی ملتی ہیں لیکن یہ پتھر میں کئی ہوئی ہیں اس لیے حقیقت میں وہ کمانیں بالکل نہیں ہیں۔ (جاری ہے)

تیسویں قسط

زمینداری اور جاگیر داری کا

تاریخی پس منظر

از جناب مولوی تقی الدین صاحب بہاری

زمانہ خلافت کے اہل قطائع

ذیل میں چند ان لوگوں کے نام دیئے جاتے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین نے قطائع دئے تھے۔

- (۱) رسول اللہ نے ابو بکرؓ کو قطعہ دیا تھا (الخراج لابیوسف)
- (۲) حضرت علقمہؓ کو حضرموت میں ایک زمین دی تھی (ترمذی)
- (۳) حضرت زبیرؓ کو زمین کا ایک بواحصہ دیا تھا (الخراج لابیوسف)
- (۴) حضرت بلال بن حارثؓ کو ”واوی عقیق“ عطا لیا تھا (الاموال)
- (۵) فرات بن حیان عجمیؓ کو ”یمامہ“ میں ایک زمین دی تھی (الاموال)
- (۶) یمامہ کے بعض دوسرے لوگوں کو بھی بنجر زمین دی تھی (الاموال)
- (۷) عبد اللہ بن مسعودؓ کو مدینہ میں مکان دیا تھا۔ (مشکوٰۃ)
- (۸) ابورافع کے خاندان کو بنجر زمین کا ایک بواحصہ دیا تھا (الخراج لابیوسف)
- (۹) انصار میں سے ایک شخص سلیط نامی کو زمین دی تھی (الاموال)

(۱) عبدالرحمن بن عوفؓ کو زمین دی تھی (مسند امام احمد)

عمر زمین کو قائل کاشت بنانے کے لئے رسول اللہ نے عام اعلان کر دیا تھا کہ زمین اللہ کی ہے اور انسان اللہ کے بندے ہیں جو شخص بھی بنجر زمین کو زیر کاشت لا سکتا ہے لائے وہ زمین اسی کی ملک ہوگی (نصب الراية والخراج لابن یوسف)

رسول اللہ کے بعد خلفاء راشدین نے بھی اس سلسلہ کو قائم رکھا اور متعدد صحابہ مثلاً سعد بن وقاصؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، نافع، خبابؓ، زبیرؓ، اسامہ بن زیدؓ، عمار بن یاسرؓ، سعد بن مالکؓ وغیرہ کو قطائع دیئے۔ اور عام اعلان کر دیا کہ جو شخص بھی بنجر زمین کو آباد کرے گا وہ اس کی ہو جائے گی (بخاری والاموال والخراج ابن)

زمانہ خلافت میں اس طرح بہت سی بنجر زمینیں لوگوں کے استعمال میں آگئی تھیں اس سلسلہ میں مزید سہولتوں کا پتہ حسب ذیل تصریحات سے چلتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے بعمرہ کے گورنر ابو موسیٰؓ اشعریؓ کو ”قطائع“ کے بارے میں جو فرمان لکھا تھا اس کی دفعات یہ ہیں۔

(۱) ”قطائع“ دینے میں کسی کا نقصان نہ ہو۔

(۲) خراجی زمین نہ ہو (جو بالعموم کاشتکاروں کی ملکیت ہوتی تھی)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اپنے گورنر کے نام یہ فرمان لکھا تھا۔

”جتنی خالصہ (سرکاری) آراضی ہیں لوگوں میں تقسیم کر دو اور پیداوار کی حیثیت کے مطابق خلافت کو جتنا بھی وہ ٹیکس ادا کر سکیں اس کو منظور کر لو۔ اگر زمین زیادہ خراب ہے تو مفت دے دو۔ اور اگر آباد کاری کے لئے کوئی شخص نہ تیار ہو تو سرکاری خزانے کے اخراجات سے کاشت کرو۔ مگر زمین خالی نہ رہنے دو۔“

تاریخ کے طلباء پر یہ بات واضح ہے کہ جن بزرگوں کے نام قطائع کے سلسلہ میں درج کئے گئے وہ سب خدمت خلق کے لئے وقف تھے۔ ان کے علاوہ اہل قطائع کاشتکار ہوتے جو خود کاشت کر کے خود بھی منفعہ ہوتے اور سرکاری ٹیکس کی ادائیگی کے ذریعہ مغاویہ کی بھی خدمت کرتے تھے۔

تاریخ خلافت میں ایک نظیر بھی اس کے خلاف نہیں پیش کی جاسکتی کہ قطعات کسی کے پاس عیش و آرام کے سلمان بنے ہوں۔ چنانچہ قاضی ابویوسف زمانہ خلافت کے تمام قطائع کے متعلق یہ کلیہ بیان کرتے ہیں۔

”بہت سی روایتیں اس بات کے ثبوت کے لئے موجود ہیں کہ رسول اللہ اور آپ کے بعد خلفاء نے لوگوں کو قطائع دئے تھے رسول اللہ نے ملایف قلوب کے لئے آراضی کو قابل کاشت بنانے کے لئے قطائع دیئے تھے۔ ایسے ہی خلفاء نے جن لوگوں کو قطائع دیئے وہ وہی لوگ تھے جن کا اسلام میں کوئی فائدہ تھا اور وہ قیام امن و امان پر مامور تھے۔ رسول اللہ اور خلفاء نے اسی میں ملک و قوم کی بہتری سمجھی تھی اگر یہ بات نہ ہوتی تو کسی کو کسی کا حق دینے کا سوال ہی نہ تھا۔“

الغرض قطائع ان لوگوں کو اس لئے نہ دیئے گئے تھے کہ اس کے ذریعہ وہ عیش و آرام کر سکیں بلکہ یہ قطعات ان کو معاش کی فکر سے آزاد کر کے خدمتِ خلق کے لئے وقف ہو جانے کا سامان کر دیتے تھے۔ (جاری ہے)

لہ الخراج ص ۶۲ الاموال ص ۲۷۹

ترجمان السنۃ

چار جلدوں میں

ترجمان السنۃ حدیث شریف کی ایک لاجواب کتاب ہے جس کے ذریعے سے فرمودات نبوی کا نہایت اہم اور مستند و معتبر ذخیرہ نئے عنوانوں اور نئی ترتیب کے ساتھ عام فہم زبان میں منتقل کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں احادیث نبوی کے صاف و سلیس ترجمہ کے ساتھ تمام متعلقہ مباحث کی دلپذیر تشریح و تفسیر کی گئی ہے اور اس تشریح میں سلف صالح کی پیروی کے ساتھ جدید ذہنوں کی بھی پوری پوری رعایت کی گئی ہے۔

قیمت مکمل چار جلدیں غیر مجلد — ۷۰۰ روپے * مجلد — ۸۲۰ روپے

میرزا جلال اسیر اصفہانی

ڈاکٹر وجیبہ الدین، لیکچرر شعبہ فارسی، دانش گاہ مہاراجہ سیاجی راولپنڈی، بڑودہ گجرات

مرزا محمد جلال الدین المخلص بہ اسیر سترہوی صدی کا مایہ ناز شاعر ہے حالانکہ وہ کبھی ہندوستان نہیں آیا لیکن اس نے ہندوستان کے متعدد شعراء کو متاثر کیا۔ مرزا غالب بھی اس سے متاثر معلوم ہوتے ہیں (۱) صاحبان تذکرہ ہمیشہ بہار (۲) تذکرہ حسینی (۳) نے شاعر کا نام مرزا جلال اسیر لکھا ہے۔ کلمات الشعراء (۴) تذکرہ منتخب اللغات (۵) نتائج الافکار (۶) نے شاعر کا نام مرزا جلال اسیر لکھا ہے۔ لیکن انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مطابق شاعر کا نام مرزا جلال الدین محمد ہے (۷) اور گنج سخن کے مصنف نے میرزا سید جلال الدین اسیر اصفہانی لکھا ہے (۸) تذکرہ الشعراء میں اس کا نام میرزا جلال الدین محمد ہے (۹) صاحب اصفہانی نے جو جلال اسیر کا نام مصرعے اس کی شعر گوئی کی پیروی میں یقین رکھتے ہوئے اس کا نام میرزا جلال محمد رکھا ہے

خوش کسی کہ جو صاحب ز صاحبان سخن

تتبع سخن میرزا جلال کند۔ (۱۰)

اسی طرح ابوطالب کلیم نے جو جلال اسیر کا معاصر ہے اس کی استاد کو تسلیم کرتے ہوئے اس کا نام میرزا جلال الدین رقم کیا ہے۔

از سخن سنجان طلب گار سخن

میرزا جلال الدین بس است

کچ نہم برفرق دستار سخن (۱۱)

راستی طبعش استاد من است

اس تاہم بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ شاعر کا نام میرزا جلال الدین محمد تھا یہ ایک سید خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اصل میرزا میرزا زادہ کا مخفف ہے جس کی نسبت سید ولد سے ہے۔ اور میرزا تیمور یولد کے لئے لکھا جاتا تھا۔

عربک اینڈ پرنٹیشن مینسٹری ان دی اوپینٹل پبلک لائبریری بانکی پور کے کیٹلاگ کا مؤلف صفی ابراہیم کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ "شاہ صفی کے زمانے میں ۱۲۶۹-۱۲۷۲ھ (۱۰۳۸-۱۰۵۲ ہجری) جلال اسیر کو کچھ عرصہ کے لئے قید میں رکھا گیا تھا اسی وجہ سے اس نے اپنا تخلص اسیر رکھا لیکن یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ (۱۲) جلال الدین اسیر اپنے تخلص کے سلسلہ میں لکھتا ہے۔

من تخلص میکنم چوں دل اسیر

تاگرہ از زلف غنبر ساکشور (۱۳)

جہاں تک جلال اسیر کی تاریخ پیدائش کا تعلق ہے تو عام طور پر مذکورہ نگار اس کے متعلق خاموش ہیں اس کی کلیات میں بھی اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ البتہ کچھ تاریخی کتابوں اور تذکرہ دہ میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ ذیح الشرفانے اپنی کتاب گنج سخن میں جلال اسیر کی تاریخ پیدائش ۱۰۲۹ ہجری / ۱۶۱۹ عیسوی (۱۳) عربک اینڈ پرنٹیشن مینسٹری ان دی اوپینٹل پبلک لائبریری بانکی پور کیٹلاگ کے مصنف نے اس سلسلہ میں دلچسپ بحث کی ہے۔ ہمیشہ بہار کا مصنف اور مرآۃ عالم کا مصنف شاعر کی وفات ۱۰۴۰ ہجری / ۱۶۳۰ عیسوی لکھتے ہیں۔ لیکن جلال اسیر کے دیوان میں ۱۰۴۲ ہجری اور ۱۰۴۵ ہجری کے تاریخی واقعات کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن صفی ابراہیم کے مصنف کا خیال ہے کہ اسیر پالیس سال کی عمر میں ۱۰۶۹ ہجری ۱۶۵۸ عیسوی میں انتقال ہوا اگر صفی ابراہیم کے مصنف کی رائے تسلیم کر لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جلال اسیر شاہ عباس اول کی وفات کے وقت جو ۱۰۳۸ ہجری / ۱۶۲۸ عیسوی میں

بیکسی اشک بہ تنہائی سن دار واسیر

کہ عالم پدری یا پسری نیست مرا (۱۹)

جلال اسیر مرزا نصیح ہروی کا کٹا گرد تھا جن کا قتل ہرات سے تھا جو خواجہ ابوالاسمعیل عبد اللہ
الضاری الہروی کے خاندان سے تھے مرزا نصیح ہروی کے دوشا گرد تھے جلال اسیر اور
دویش والد ہروی جلال اسیر اپنے استاد کو اس طرح خراج عقیدت پیش کرتا ہے ۔
آنانکہ مست فیض بہار اند چون اسیر
تہ جرعہ زبزم فصیحی چشیدہ اند (۲۰)

نکستی از جن فیض فصیحیست اسیر

کہ زہر ز مسزمہ گلزار مقالی وارد (۲۱)

جہاں کہ جلال اسیر کے اعتقاد کا تعلق ہے وہ اشعار شری تھا اور حضرت امام رضا
اس کو خاص عقیدت تھی جس کا ذکر اس نے اپنے اشعار میں کیا ہے اور وہ خود حضرت امام
رضا کے روضہ کا متولی بھی تھا۔ (۲۲)

تبیح رارشتہ زمار مامکن

ایمان ناقصی کہ ہارم بیا بہ ہیں

گفتم اسیر اینہمہ آزار مامکن (۲۳)

ایمان عمد و علی دیا زوہ (امام

فزون باد التفات شاہ بر ما آئند یارب

گر گویندش اسیران صد مبارکباد ہر ساعت (۲۴)

مستی دارم مخوری نمیداندا سیر

ساغر اند میخانہ شاہ فراساں میز نم (۲۵)

جلال اسیر کی تاریخ وفات میں بھی اختلاف رائے ہے۔ گنج سمن کے مصنف ڈاکٹر
ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا اسیر کی وفات ۱۰۶۹ ہجری / ۱۶۵۸ عیسوی لکھتے ہیں۔ جبکہ قاسم الشاہ
اور تذکرہ ہمیشہ بہار (۲۸) کے مطابق ۱۰۴۰ ہجری / ۱۶۳۰ عیسوی ہے ۔

(۳۱)

(۳۰)

(۲۹)

تذکرہ الشعراء، ملک میکلو پیڈیا آف اسلام، مذکورہ نتائج الافکار۔

۱۰۳۹ ہجری / ۱۶۳۹ عیسوی بتاتے ہیں: مذکورہ ہمیشہ بہار کی اطلاع کے مطابق بلال اسیر شاہ عباس ثانی کے زمانے میں حیات تھا جو اس عبارت سے واضح ہے۔

میرزا طاہر وحید بخدمت داروغلی (صہبیل شاہ عباس ثانی (۱۰۷۷-۱۰۵۲ ہجری ۱۶۶۷-۱۶۴۲ عیسوی) در اصطلاح آن ولایت میرا خورمی نامند ما مور بود آخر بخدمت والا پائیگی دیوان رسید۔ چنانچہ میرزا جلال اسیر دریں معنی گفتہ:

طاہر سا وزیر بود دیوان شد

رفته رفته قشوقلمدان شد (۳۲)

جلال اسیر کی کلیات میں مختلف تاریخی قطعات درج ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ۱۰۳۵ ہجری / ۱۶۳۵ عیسوی تک حیات تھا اس لئے ہم کو اس کا سنہ وفات ۱۰۴۹ ہجری / ۱۶۳۹ عیسوی تسلیم کرنا چاہیے اگر وہ اس کے بعد حیات ہوتا تو ممکن ہے کہ کچھ اور تاریخی قطعات لکھتا۔

تذکرہ ہمیشہ بہار کا مصنف لکھتا ہے کہ بلال اسیر شراب کا دلدادہ تھا (۳۳) اور کیونکہ اس کی وفات کم عمری میں ہوئی ممکن ہے شراب کی زیادتی اس کا سبب ہو۔

ذلالی خوانساری (وفات ۱۰۳۱ ہجری) جو شاہ عباس کا ملک الشعراء تھا۔ جلال اسیر کا کاشگر و تھا۔ (۳۴) تمام تذکرہ نگار جلال اسیر کو سبک بنہاری کا شاعر تسلیم کرتے ہیں۔ جلال اسیر نے اپنے کلام میں نئے استعارات نئی نئی تشبیہات اور نئے نئے خیالات اچھوتے انداز میں پیش کئے ہیں۔ شبلی نعمانی اور امیر شیر علی غامیؒ بھی اس کو خیال بندی کا بنیاد گزار بتاتے ہیں جو سبک ہندی کا خاصہ ہے۔ بلال اسیر کے ہم عصر سطر میں نظیری، نیشاپوری، صائب تبریزی، ابوطالب کلیم، طالب املی، حکیم شغائی، والہ ہروی

اس شخص کی کتاب کے نام قابل توجہ ہے۔

کلیات جلال اسیر ۱۰۱۰ ہجری میں مطبع مشرقی کشور لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ جس پر تقریباً چارہ ہزار روپے کی قیمت لکھی گئی تھی۔ لیکن اس میں جلال اسیر کے حالات زندگی سے متعلق کسی قسم کی تفصیل نہیں ملتی اور نہ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ کس نسخہ کی مدد سے کلیات چھپی ہے اور وہ کہاں دستیاب ہے۔ اس کلیات میں قصائد، قطعات، مثنوی، غزلیات، محاسن، رباعیات وغیرہ شامل ہیں۔ چالیس سال کی عمر میں جلال اسیر نے اتنی ضخیم کلیات چھوڑی ہے اس سے اس کی پرگوئی اور قادر الکلامی کا پتہ چلتا ہے۔ اسیر اپنی زندگی میں کبھی بھی ہندوستان نہیں آیا لیکن بیرون ایران خاص کر ہندوستان میں اس کی کلیات کے نسخے تقریباً ہر بڑی لائبریری میں موجود ہیں مثلاً مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ، خاندان ادریشی پبلک لائبریری بانکی پور، ملانیروز لائبریری بمبئی، آصفیہ لائبریری حیدرآباد، نیشنل میوزیم نئی دہلی، عربک پرنسٹن انسٹی ٹیوٹ ٹونک راجستان، ہندوستان کے علاوہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور پاکستان، ڈھاکہ یونیورسٹی لائبریری ڈھاکہ بنگلہ دیش وغیرہ میں کلیات جلال اسیر کے نسخے موجود ہیں جس سے اس کی ایران سے باہر شہرت کا پتہ چلتا ہے نمونہ کے طور پر جلال اسیر کی چند غزلیں پیش ہیں۔

(۱)

دوش ساز نالہ با آہنگ بود	بازمین و آسمان در جنگ بود
بادہ نازک کہ بی توہ پر نکرد	شیخہ ماخانہ ٹاوسنگ بود
در گلستاں دیدش نشنا ختم	برتنش پیراہن گل تنگ بود
این دور نگہماز زشتیہای ماست	نور و ظلمت پیہش ازین یک رنگ بود

باد شور گیسو جوئیں ہا اسیر
بیشتر گن بدہ فرسنگ بود

(۲)

بسی کدو میکدہ عیند کشاید سد رنگ گل از تو بہ جاوید کشاید
رنگین صغیرت تمنای نگاہی شرکان تو خون از رگ امید کشاید
برداشتہ جلوہ سولست غبارم از شبنم انجم گلی خورشید کشاید
گزار محبت چقدر شوخ بہارست از گلبن کثرت گل توحید کشاید
خار و گل حسرت نشود کام دو عالم براوی چه مطلب در امید کشاید
جائیکہ اسیر تو کند بادہ گساری
حسرت گرہ از خاتم جمشید کشاید

(۳)

مستم و آن چشم شہلا در نظر شوخ میر قصد تماشا در نظر
بستہ آئین گریہ شرکان مہرا قطرہ خونیت دریا در نظر
مشق باران میکند شرکان من کاغذ بربست صمرا در نظر
سپح بر پست خون خواب و خد حسن رنگ آمیز دیبا در نظر
جلوہ سر کردہ می ریزد اسیر
برگ گل از خار آن پا در نظر

(۴)

شوق تو خریدار چہرہ جان نفروشم ہستی چہ متاعیست کہ از جان نفروشم

جسٹ بے غم بخود از یاد نگاہی چون سرمہ حیرت بپیلیمان نفروشم
 بابی پرو بالان نکتم دعویٰ پرواز خاشاک باین شعلہ سواران نفروشم
 رفتم چہ دعا با کہ بیاران نفروشم داغ چہ چمنبا بنجیا بان نفروشم
 غمنامہ دردت بسیجا نمولیسم
 بی برگی داغ بگلستان نفروشم

(۵)

بسویم آمدی شیدای خولشم ساختی رفتی باین روزم نشاندی بیوفانداختی رفتی
 چہ رنگی کستم از تاراج شوخی فرین بادا زدی بستی و کشتی سوختی پرواختی رفتی
 چہ رحمت این چہ انصافست ظالم فترت این زدی میدی بھاگ رہ فلندی تاختی رفتی
 مروت اینچنین عاجز نوازی اینچنین باید
 زبا افتادہ دیدی و قد افراختی رفتی

متابع

- (۱) خورشیدالاسلام، غالب، انجمن ترقی اردو ہند دہلی ۱۹۷۵ء اشاعت دوم صفحہ ۲۸، ۲۹۔
- (۲) کشن چند اخلاص مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی، انجمن ترقی اردو، پاکستان، صفحہ ۶، ۱۹۷۳ء
- (۳) میر حسین دوست، ہنسی نو کشور، لکھنؤ، ۱۸۷۵ء، صفحہ ۳۱
- (۴) محمد افضل سرخوش، تبصیح صادق علی دلاوری، لاہور، ۱۹۴۲ء صفحہ ۳
- (۵) رحیم علی خاں امام، تبصیح سید محمد رضا جلالی نائینی و سید امیر حسن عابدی، ایران ۱۳۴۹ شمسی، صفحہ ۶۳۔
- (۶) مولانا محمد قدرت اللہ گرباسوی، بمبئی، ۱۳۳۶ ہجری، صفحہ ۷۷۔

(۷) Vol. I (A-B) Northen Land, (New edition), ۱۹۶۰, P. 707

- (۸) تزیین القمصان، جلد سوم، تہران، ۳۴۳۱ شمسی، صفحہ ۱۰۲
 (۹) مولانا عبد الفتی خان: تبصیح محمد مقتدر خان شیرانی، علی گڑھ، ۱۹۱۴، صفحہ ۱۳
 (۱۰) مولانا میر غلام علی آزاد بلگرامی، مآثر الکلام (سرو آزاد) تبصیح عبداللہ خان (نعلی بوی) لاہور ۱۹۱۳، صفحہ ۵۳۔

(۱۱) ایضاً۔

Moulavi Abdul Mug Ta dir Khan, vol. III (۱۲)

London, 1912, P. 65

- (۱۳) کلیات میرزا جلال اسیر نسخہ خطی (یونیورسٹی گلشن نمبر ۲۸، فارسیہ نمبر ۱۸) مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔
 (۱۴) جلد سوم، صفحہ ۱۰۲۔

(۱۵) مولوی عبدالمقتدر خان، جلد سوم صفحہ ۶۶-۶۵۔

- (۱۶) کلیات مرزا جلال اسیر (مطبوعہ منشی نول کشور) لکھنؤ، ۱۲۹ ہجری، صفحہ ۳۳۔
 (۱۷) محمد طاہر نصر آبادی، تذکرہ نصر آبادی، تبصیح وحید دستگیری (تاریخ طبع ندارد) دہلی یونیورسٹی لائبریری نمبر ۲۷۴۵۰۸، ۱۶۶۴، صفحہ ۹۵۔

- (۱۸) نصر اللہ فلسفی، زندگانی شاہ عباس اول، جلد دوم، تہران ۳۴۷۱ شمسی، ۲۰۲۔
 (۱۹) کلیات مرزا جلال اسیر مطبوعہ نول کشور، صفحہ ۱۵۰۔

(۲۰) کلیات میرزا جلال اسیر نسخہ خطی ذاتی (ورق ۱۵۵) الف

(۲۱) کلیات مرزا جلال اسیر، مطبوعہ نول کشور، صفحہ ۲۸۱

(۲۲) نصر اللہ فلسفی، ایضاً، صفحہ ۲۰۲۔

(۲۳) کلیات مرزا جلال اسیر، مطبوعہ نول کشور، صفحہ ۳۶۲-۳۶۱۔

(۲۴) ایضاً صفحہ ۲۱۸۔

(۲۵) کلیات میرزا بلال اسیر (نسخه خطی و کتابی) ورق ۲۳۲ - ب

(۲۶) جلد سوم، صفحه ۱۰۳

(۲۷) سرتیبه نظامی، یلانی، جلد اول، یلانی، ۱۹۲، صفحه ۸۲

(۲۸) کشتن چند اخلاص، صفحه ۷ - ۶

(۲۹) مولانا عبدالغنی خاں، صفحه ۱۳

(۳۰) جلد اول، صفحه ۷۰

(۳۱) مولانا محمد قدرت اللہ گویا، صفحه ۴

(۳۲) کشتن چند اخلاص، صفحه ۷

(۳۳) کشتن چند اخلاص، صفحه ۶

(۳۴) امیر شیر علی خان لودھی تذکرہ سیرۃ النبیال ۱۳۲۲، ج ۱، صفحہ ۷۷

(۳۵) شعر العجم جلد پنجم اعظم گڑھ ۱۹۵۷، صفحہ ۶۵ و تذکرہ سیرۃ النبیال ص ۷۷

صفحہ ۳۰ کا بقیہ

(۶۹) انشوی - المجموع، ج ۱ ص ۴۵ - ابن القیم - الاعلام، ج ۲ ص ۱۸۸

(۷۰) الاعلام - لابن القیم - ج ۱ ص ۱۶۴

(۷۱) ایضاً - ج ۲ ص ۱۹۶ - ۱۹۷

(۷۲) ایضاً - ج ۲ ص ۱۹۷

یوپی تعلیمی نصاب کی چند اہم کتب

تاریخ ملت جلد اول (نئی عربی)	قاضی زکریا صاحب	غیر مجلد سوم
تاریخ ملت جلد دوم (خلافت راشدہ)	"	غیر مجلد سوم
تاریخ ملت جلد سوم (خلافت نبویہ)	"	غیر مجلد سوم
تاریخ ملت جلد چہارم (خلافت عباسیہ)	مفتی اعظم پاکستان	غیر مجلد سوم

اسلامی دارالافتاء اور منصب مفتی

ایک تحقیقی مطالعہ

ڈاکٹر نور احمد شاہباز ————— (کراچی یونیورسٹی)

مفتی کا نام و ناموس ضعیف کے باعث اسے ترجیح سے منع کیا جائے، مفتی کیلئے ممکن ہے کہ اگر وہ ترجیحاً ترجیح کا اہل نہ ہو تو وہ ان ائمہ کے ذائقہ اوصاف میں غور کر کے یہ نتیجہ نکالے کہ ان میں کس کی رائے قابل ترجیح ہو سکتی ہے۔ پھر ان میں سے بڑے عالم، مفتی اور عمر رسیدہ کی رائے کو ترجیح دے، اور اگر تمام ایک دوسرے سے بعض اوصاف کے اعتبار سے ممتاز ہوں تو پھر ترجیح اس کو دے جو زیادہ صائب الرائے ہو، ایسا بڑا عالم مقدم ہوگا جو مفتی بھی زیادہ ہو، بہ نسبت اس زیادہ مفتی کے جو عالم ہو۔ ترجیح کا یہ اصول اسی طرح ہے جس طرح احادیث میں راویوں کو ترجیح دینے کے سلسلہ میں اس وقت کیا جاتا ہے جب تضاد روایات پیش آئے۔ (۶۴)

مفتی مقلد اپنے مذہب کی کن کتب پر اعتماد کرے؟

مفتی کو چاہیے کہ وہ ایسی کتابوں سے فتویٰ نہ دے جو غیر مشہور و گمنام ہوں یا جن کے مندرجات کی صحت کا کوئی ثبوت نہ ہو۔ اسی طرح ایسی نئی کتابیں جن میں منقول عبارات کا کتب مسترود سے منقول ہونا ثابت نہ ہو یا جن کے مصنفین کی عدالت و ثقاہت کا یقین نہ ہو، اسی طرح اگر نفس حکم ان کتب کے حواشی یا تعلیقات سے ثابت ہو اور وہ بھی نامعلوم

اصل سے منقول ہوں اور اہمات الکتاب میں وہ حکم نہ پایا جائے نہ ان کے حوالہ جات مذکور ہوں نہ وہ واضح خط سے تحریر کردہ ہوں تو ایسی عبارات سے فتاویٰ میں استدلال درست نہیں۔

تاہم ایسی کتب مشہورہ جو علماء کے ہاں معروف ہوں اور جن کے بارے میں علماء کے تصدیق موجود ہو کہ ان میں کوئی تحریف یا رد و بدل نہیں ہوا ہے تو ایسی کتب سے فتویٰ دینا جائز ہے اگرچہ اصول تو یہ ہے کہ فتویٰ ایسی کتب سے دیا جائے جن کو ثقہ اور علول علماء نے روایت کیا ہو اور ان سے اس مجتہد نے اکتساب کیا جس کا یہ مفتی مقلد ہے تاکہ اس کے لئے ان کتب کی صحت ایسی بے غبار ہو جائے جیسے مجتہد کے لئے احادیث کی۔ کیونکہ ہر دو صورتوں میں اللہ کے دین کو نقل کرنا مقصود ہے مگر لوگوں نے اس معاملہ میں وسعت پیدا کر لی ہے اور متقدمین کی ایسی کتب مشہورہ سے اخذ کو جائز قرار دیا ہے جن میں رواۃ کا سلسلہ اگرچہ مذکور نہ ہو، جیسا کہ نحو اور عربی زبان کے کتابوں میں سند اور رواۃ کا سلسلہ متروک ہو چکا حالانکہ عربی کی کتابیں ہی کتاب و سنت کی اساس ہیں۔ اسی طرح فقہ کی کتابوں میں بھی سلسلہ رواۃ کا ذکر اب غیر ضروری سمجھ کر ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ اطمینان ہو چکا ہے کہ ان میں کوئی تحریف ہوئی ہے اور نہ رد و بدل۔ (۶۵)

علامہ عز الدین ابن عبد السلام سے مفتی مقلد کے بارے میں پوچھا گیا جو ایسے قول سے فتویٰ دیتا ہو جس کی نسبت اس کے امام مذہب کی طرف ہے اور اس مفتی نے روایت کے اصولوں کے مطابق یہ قول اپنے امام مذہب سے نہیں لیا بلکہ صرف امام مذہب کی کتب کے مطالعہ سے حاصل کیا ہے تو کیا یہ ایسے قول کو فتویٰ میں پیش کر سکتا ہے؟ اس کے جواب میں علامہ نے کہا: فقہ کی صحیح کتب پر اعتماد کرنا جن کی توثیق ہو چکی، علماء عصر کے ہاں متفق علیہ ہے کیونکہ ان کتابوں کو ایسی ہی ثقاہت حاصل ہو چکی ہے جیسی سند

روایت کو حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح لوگوں نے نحو، لغت، طب اور دیگر تمام علوم کی مشہور کتابوں پر اعتماد کیا ہے کیونکہ انہیں بھی ثقافت و اعتماد کی سند مل چکی اور ان میں رد و بدل کا خدشہ بعید از قیاس قرار پا چکا۔ اب جو کوئی یہ سمجھے کہ لوگوں نے ان کتابوں پر اعتماد کر کے غلطی کی ہے تو وہ خود غلطی پر ہے کیونکہ اگر اس اعتماد کا جواز نہ ہو تو بہت سے معاملات جن کا تعلق طب، نحو اور عربی زبان کے حوالہ سے شریعت سے ہے وہ سب مسئلہ ہو کر رہ جائیں۔ شریعت بہت سی صورتوں میں الجبار کے اقوال سے رجوع کرتی ہے جبکہ طب کی زیادہ تر کتابوں کا تعلق قوم کفار سے ہے لیکن جب ان کتابوں میں دفع و تدلیس کا امکان نہیں اور ان پر اعتماد ہو چکا جیسا کہ اشعار میں کہ عرب کے کافر شعراء کے کلام پر اعتماد کیا گیا، اسی طرح ان پر بھی اعتماد کا معاملہ ہے (۶۶)

الزکری نے ابواسحاق اسفرائینی سے نقل کیا ہے (۶۷) کہ انہوں نے مستند کتابوں سے نقل کرنے کے جواز پر اجماع بیان کیا ہے اور اس میں مؤلف تک اقبال سند کی شرط بھی عائد نہیں کی۔ ابن الصلاح نے کہا ہے کہ اگر کسی کتاب کے کسی نسخہ کی صحت کا یقین ہو تو یوں کہنا چاہیے "فلاں نے یوں کہا ہے" ورنہ کسی کے قول کو یونہی لفظ یقین کے ساتھ بیان نہ کرنا چاہیے، امام سیوطی نے اس کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"آجکل لوگ کتب سے نقل کرتے ہیں اور منقولہ عبارات کی نسبت ان کے مصنفین کی طرف ظاہر کرتے ہیں" (۶۸)

اس طرح کسی بھی فقہی مذہب کی کتب معتبرہ سے فتویٰ دینے کے جواز پر اتفاق ہے۔ اگرچہ براہ راست ان کے مصنفین سے روایت نہ بھی لی گئی ہو۔ علامہ عبدالرین بن عبد السلام، شہاب الدین القرانی، برہان الدین ابن فرحون، بدر الدین الزکری جلال الدین السیوطی اور ابواسحاق اسفرائینی نے اس پر اجماع بیان کیا ہے۔

عامی کا عامی کو فتویٰ دینا :

کیا کسی عام آدمی کے لئے سہا مزہ ہے کہ وہ کسی عام آدمی کو ان معلومات کی بنا پر فتویٰ دے دے جو اس نے علماء سے سنی یا حاصل کی ہوں؟ یہ سوال ایک سے زائد علماء اور کبار فقہاء نے چند مسائل کے حل کے سلسلہ میں اٹھایا ہے اور اس کے جواب میں جو اقوال سامنے آئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

پہلا قول :- یہ ممکن ممانعت کا قول ہے صاحب "الحادی" کی رائے میں یہی صحیح تر ہے کیونکہ عام آدمی میں استدلال کی صلاحیت نہیں ہوتی اور نہ اسے شرائط استدلال کا علم ہوتا ہے اور وہ کسی ایسی بات کو دلیل خیال کرتا ہے جو کہ دراصل دلیل نہیں ہوتی ہے۔

دوسرا قول :- یہ جواز کا قول ہے۔ بشرطیکہ مسئلہ کی دلیل قرآن و سنت سے ہو اور اگر ان دونوں کے علاوہ دلیل ہو تو جائز نہیں کیونکہ کتاب و سنت کے مخاطب تو سبھی لوگ ہیں، تو جس طرح ایک شخص پر لازم ہے کہ اسے کتاب و سنت کا جو پہونچا ہو وہ اس پر عمل کرے اس طرح کسی دوسرے کو قرآن و سنت سے رہنمائی فراہم کرنا اور اس سے آگاہ کرنا بھی اس کے لئے جائز ہے۔

قول ثالث :- یہ جواز مطلق کا ہے۔ کیونکہ عام آدمی کے پاس بھی علم اس واقعہ کی دلیل کے ساتھ اسی طرح پہنچا ہے جس طرح کہ ایک عالم کے پاس۔ اگر کوئی عالم اس وجہ سے ممتاز ہے کہ اس کے پاس علمی مہارت و ملکہ ہے جس کی بنا پر وہ کسی دلیل پر قائم رہتا اور دلیل مخالف کو رد کر سکتا ہے تو عامی آدمی کے پاس بھی تو دلیل اور علم ہو ہے۔ اس کی تائید میں ابن القیم کہتے ہیں: "یہ تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیغام پہنچانے کا سلسلہ ہے پس جو کوئی بھی یہ کام کرے اسلام کا"۔

بے انتہا اس کو جزلے خیر دے۔ اگرچہ ایک کلمہ خیر ہی کی تبلیغ کیوں نہ ہو!! انہوں نے اس مسئلہ میں اپنی تعلیق ان الفاظ پر ختم کی ہے: "کسی عام آدمی کو ایسا شرعی مسئلہ بتانے سے روکنا جو وہ جانتا ہے۔ خطائے محض ہے۔ اللہ توفیق بخشنے" (۶۹)

مفتی کی ادبی اور مادی ذمہ داریاں!

مفتی کی اخلاقی اور ادبی ذمہ داری سے کسی کو اختلاف نہیں کیونکہ فتویٰ دراصل اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تبلیغ پیغام ہے۔ اس سلسلہ میں مفتی کی ذمہ داری سے انتہائی اہم ہے۔ کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بولتا ہے۔ جب وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ نے یوں حکم دیا ہے یا اس طرح منع کیا ہے۔ یا اللہ نے یوں واجب قرار دیا ہے اور یں حرام ٹھہرایا ہے (۷۰) اسی بنیاد پر ابن الیقین نے اپنی معروف کتاب فتویٰ وقضائے کا نام "اعلام الموقعین عن رب العالمین" رکھا ہے۔

مفتی کی ادبی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ مادی ذمہ داری بھی مفتی پر عائد ہوتی ہے اور وہ یوں کہ امام یا حاکم مفتی سے کوئی فتویٰ لے کر اس کے مطابق کوئی حکم نافذ کرتا ہے اور اگر بعد میں یہ معلوم ہو کہ مفتی سے فتویٰ میں سہو ہو گیا تو اس صورت میں اس فتویٰ پر عمل کے نتیجہ میں اگر کوئی مالی نقصان ہو تو مفتی اس کا ضامن ہوگا۔ اور اگر فتویٰ حکیم حاکم یا امام کی بنا پر نہ دیا گیا ہو اور اس سے کوئی مالی یا جانی نقصان ہو جائے تو بھردیکھا یہ جائے گا کہ فتویٰ دینے والا مفتی، فتویٰ دینے کا مجاز تھا یا نہیں؟ اگر وہ مجاز و اہل تھا تو اس صورت میں ضمان مستفتی (سائل) پر ہے کہ کوئی اسے اختیار تھا کہ وہ مفتی کے فتویٰ پر عمل کرے یا نہ کرے وہ مفتی کے فتویٰ پر عمل پیرا ہونے کا پابند نہ تھا۔ اور اگر مفتی غیر مجاز اور نااہل تھا تو ضمان اسی پر ہوگی نہ کہ مستفتی پر یہ مسئلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں ہے کہ "جو کوئی علم طلب نہ

جائنا محمد طیب بن بیٹے تو وہ کسی بھی نقصان کا ذمہ دار (ضامن) ہوگا (۱)۔ یہ حدیث سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں موجود ہے۔

ابراہیم اللعانی کی کتاب اصول فتویٰ میں "ضمان المغنی" کے عنوان سے لکھا ہے:

"ہمارے علمائے کبار نے کہا ہے کہ اگر مفتی کے فتویٰ سے کسی کا مال تلف ہو گیا اور مفتی مجتہد

تھا تو اس پر کوئی غبار نہیں اور اگر مجتہد نہ تھا تو وہ نقصان کا ضامن ہے۔
الماذری نے کہا ہے کہ "مفتی کے فتویٰ سے (جبکہ وہ مجتہد نہ ہو) اگر کوئی نقصان ہو جائے تو حاکم کو چاہیے کہ وہ اس کو تنبیہ کرے اور وہ نقصان کا ضامن بھی ہوگا۔
پھر اگر تنبیہ کے بعد وہ اہلیت فتویٰ حاصل کر لے تو اسے سزا دی جائے اور اگر وہ پھر بھی اہلیت حاصل نہ کرے تو اسے فتویٰ دینے سے منع کر دیا جائے۔ (۲)

علامہ محمد مکی انصاری کی اس تحریر سے یہ بات واضح ہو چکی کہ فتویٰ نویس ہر کیس و عہد کا کام نہیں بلکہ یہ انتہائی ذمہ دارانہ منصب ہے مگر اس کا کیا کیا جائے کہ ہمارے ملک میں نہ تو مفتی کی اہلیت سے متعلق کوئی جانتا ہے نہ اس منصب کی نزاکت سے کوئی واقف و آگاہ ہے بلکہ جس کا جی چاہے مفتی ہونے کا اعلان کر دے اور راتوں رات مفتی بن بیٹھے۔ علمائے کرام کو بالخصوص اہل علم و دانش کو چاہیے کہ وہ کوئی ایسا نظام قائم کریں جس کے تحت مفتی کا منصب صرف قابل اور اہل لوگوں ہی کے لئے مختص ہو سکے اور ملک میں خود ساختہ مفتیوں کی وجہ سے پھیلی ہوئی مسکنی اناڑی کا خاتمہ ممکن ہو۔
(ختم شد)

(۶۴) ابن الصلاح بحوالہ ابن فرحون، البقرہ ج ۱ ص ۵۰، ۵۱

(۶۵) القرانی، الامکام فی تیسر الفتاویٰ عن الامکام، ص ۲۶۱، ۲۶۲

(۶۶) ابن فرحون، البقرہ ج ۱ ص ۵۳، ۵۴، السیوطی، الاشباہ والنظائر ص ۲۴۳

(۶۷) السیوطی، الاشباہ والنظائر، ص ۳۴۶

حضرت مولانا احمد رضا بجنوری کی وفات حسرت آیات

دینی و مذہبی اور علمی دنیا کا ایک اور چراغ بجھ گیا۔ حضرت مولانا احمد رضا بجنوری ۹۳ سال کی عمر میں
تقریبی طوالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ اللہ وانا الیہ راجعون

۲۲ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۲ جنوری ۱۹۹۸ء کو حضرت مولانا احمد رضا بجنوری کا انتقال
ہوا۔ جیسے ہی یہ خبر دفتر برہان میں پہنچی سب ہی رنج و غم میں ڈوب گئے۔ کیونکہ حضرت مولانا احمد رضا
بجنوری کا تعلق، واسطہ اور رابطہ ادارہ ندوۃ المصنفین اور رسالہ برہان سے روز اول ہی سے رہا۔ ادارہ کے
بانی مقرر ملت حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ سے حضرت مولانا کا بھائیوں سے بھی بڑھ کر قلبی تعلق
ہلے ایک تو ہم سبق ہونے کی وجہ سے اور دوسرے استاد محترم حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ
علیہ کے چونکہ مولانا احمد رضا داماد تھے اس لیے استاد کے داماد ظاہر ہے بھائی اور بہنوئی ٹھہرے۔

اسی وجہ سے حضرت مفتی صاحبؒ مولانا احمد رضا کو بہت ہی چاہتے تھے ان سے قلبی محبت اور لگاؤ
رکھتے تھے۔ اور اسی رشتہ سے حضرت مولانا احمد رضا بھی حضرت مفتی صاحبؒ کو بڑے بھائی کی مشیت
سے سمجھتے تھے۔ ہر معاملے میں ان کی رہنمائی کو اپنے لیے ضروری سمجھتے تھے۔

حضرت مولانا احمد رضا بجنوری عربی زبان کے زبردست عالم تھے۔ عربی پر خدا داد عبور حاصل تھا
اور اسی طرح اردو زبان پر بھی انہیں ملکہ حاصل تھا۔ ان کی عربی زبان اور اردو زبان میں زبردست
تصانیف ہیں۔ ان کی مشہور و معروف کتاب انوار الباری (کئی ضخیم جلدوں میں) اعلیٰ درجہ کی علمی کتابوں
میں شمار ہوتی ہے۔ انہوں نے بلند پایہ تصانیف قلم بند کی ہیں۔ جسے زبردست علمی ذخیروں میں شمار کیا
جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین۔

ادارہ ندوۃ المصنفین اور رسالہ برہان حضرت مولانا احمد رضا بجنوری کے انتقال پر ملال پر اظہار
تقریر کرتا ہے اور بارگاہ عالی میں دعا گو ہے کہ حضرت مولانا احمد رضا بجنوری کی مغفرت فرمائے اور
ہم سب کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین! ثم آمین۔ حضرت مولانا احمد رضا بجنوری کے پانچ
صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں ہیں جو ماشاء اللہ حیات ہیں اور دین و مذہب اور ملت اسلامیہ کی مختلف
راہوں سے خدمت میں مصروف عمل ہیں۔

پان ملکیت تفصیلات

متعلقہ برہان دہلی
فارم چہارم قاعدہ ۵

- قائم اشاعت : ۱۳۳۶ اردو بازار جامع مسجد دہلی
وقفہ اشاعت : ماہانہ
طالع کا نام : عمید الرحمن عثمانی
قومیت : ہندوستانی
ناشر کا نام : عمید الرحمن عثمانی
سکونت : ۱۳۳۶ اردو بازار جامع مسجد دہلی
ایڈیٹر کا نام : عمید الرحمن عثمانی
قومیت : ہندوستانی
سکونت : ۱۳۱۵ اردو بازار جامع مسجد دہلی
ملکیت : ندوۃ المصنفین، جامع مسجد دہلی

میں عمید الرحمن عثمانی ذریعہ ہذا اعلان
کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات
میرے علم اور یقین کے مطابق درست ہیں
(درست خط طالع و ناشر

عمید الرحمن عثمانی

احادیث نبوی کا شاندار ذخیرہ اردو زبان میں ترجمان السنہ

”ترجمان السنہ“ حدیث شریف کی ایک
لاہ اب کتاب ہے جس کے ذریعہ مفسر مودابت
نبوی کا نہایت اہم اور مستند و معتبر ذخیرہ
عنوانوں اور نئی ترتیب کے ساتھ عام فہم زبان
میں منتقل کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں احادیث
نبوی کے صاف و سلیس ترجمے کے ساتھ تمام متعلقہ
مباحث کی دلپذیر تشریح و تفسیر کی گئی ہے اور اس
تشریح میں سلف صالح کی پیروی کے ساتھ حدیث
ذہنوں اور دماغوں کی بھی پوری پوری رعایت کی گئی ہے۔
کتاب کی ترتیب اس طرح قائم کی گئی ہے :

۱۔ متن مع اعراب (۲) سستہ اور عام فہم ترجمہ (۲) ہر حدیث
پر مختصر تشریحی نوٹ (۴) باب کے خاتمے پر مندرجہ ذیل
حدیثوں کے متعلق ایک عام اور سیر حاصل بحث، کتاب
چار جلدوں میں ہے کال قیمت غیر منسلک ۱۰۰/- مجلد ۱ ۸۲/-
جلد اول : صفحہ ۵۹۲ قیمت غیر منسلک ۱۵۰/- مجلد ۵
جلد دوم : ۵۲۰ قیمت غیر منسلک ۱۵۰/- مجلد ۵
جلد سوم : ۵۶۰ قیمت غیر منسلک ۱۵۰/- مجلد ۵
جلد چہارم : ۵۱۴ قیمت غیر منسلک ۱۵۰/- مجلد ۵

سرپرست اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی

عالیجناب حکیم عبدالحمید صاحب چانسلر جامعہ ہمدردی دہلی و علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مجلس ادارت اعزازی

سید افتخار حسین
ڈاکٹر معین الدین بھائی
عماد سعید بھائی
ڈاکٹر جوہر قاضی



نگران اعلیٰ

معرفت سوانا حکیم محمد زماں حسینی

شمارہ: ۵-۴

اپریل - مئی ۱۹۹۸ء

جلد: ۱۲۲

تقریباً ۱۵۰

شمارے

۱۵۰

* نظرات عمید الرحمن عثمانی — ۲

* مغربی فن تعمیر پر اسلامی فن تعمیر کے اثرات (تیسری قسط)

(ترجمہ: جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم۔ اے) — ۶

* زمینداری اور جاگیرداری کا تاریخی پس منظر (آخری قسط)

جناب مولوی تقی الدین صاحب بہاری — ۱۲

* وحدت ادیان

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز، کراچی یونیورسٹی پاکستان — ۲۴

جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر کا پیسہ

منیجر ماہنامہ بُرہان

4136 - اردو بازار جامع مسجد دہلی-110006 ☎ فون نمبر 3262815

زیر تعاون

۶ روپے

۲ روپے

نمیبیوٹر کتابت

CREATIVE VISION

پیشانی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے خواجہ پریس ریلوے میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

بیان ملکیت و تفصیلات

متعلقہ برہان دہلی

فہرست چہارم قاعدہ ۵

- مقام اشاعت : ۱۳۳۶ء اردو بازار جلعہ مسجد دہلی
 وقفہ اشاعت : ماہانہ
 طابع کا نام : عمید الرحمن عثمانی
 قومیت : ہندوستانی
 تاشیر کا نام : عمید الرحمن عثمانی
 سکونت : ۱۳۳۶ء اردو بازار جلعہ مسجد دہلی
 ایڈیٹر کا نام : عمید الرحمن عثمانی
 قومیت : ہندوستانی
 سکونت : ۱۳۱۵ء اردو بازار دہلی
 ملکیت : ندوۃ المصنفین، جامع مسجد دہلی

میں عمید الرحمن عثمانی ذریعہ ہذا اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم اور یقین کے مطابق درست ہیں (دستخط طابع و ناشر)

عمید الرحمن عثمانی

احادیث نبوی کا شاندار ذخیرہ

اردو زبان میں

ترجمان السنۃ

”ترجمان السنۃ“ حدیث شریف کی ایک لاجواب کتاب ہے جس کے ذریعہ سفر مودیت نبوی کا نہایت اہم اور مستند و معتبر ذخیرہ عنوانات اور نئی ترتیب کے ساتھ عام قارئین میں منتقل کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں احادیث نبوی کے صاف و سلیس ترجمے کے ساتھ تمام متعلقہ مباحث کی دلپذیر تشریح و تفسیر کی گئی ہے اور اس تشریح میں سلف صالح کی پیروی کے ساتھ جدید ذہنوں اور دعاغوں کی بھی پوری پوری رعایت کی گئی ہے۔ کتاب کی ترتیب اس طرح قائم کی گئی ہے:

دائمتن مع اعراب (۲) سستہ اور عام فہم ترجمہ (۲) ہر حدیث پر مختصر تشریحی نوٹ (۲) باب کے خاتمے پر مندرجہ ذیل حدیثوں کے متعلق ایک عام اور سیر حاصل بحث، کتاب چار جلدوں میں ہے، کامل قیمت غیر ملحد ۵۰/-، جلد ۱-۸۲۰ جلد اول: صفحہ ۵۹۲ قیمت غیر ملحد ۱۵/-، جلد ۲-۲۰۵ جلد دوم: ” ۵۱۲ قیمت غیر ملحد ۱۵/-، جلد ۳-۲۰۵ جلد سوم: ” ۵۶۰ قیمت غیر ملحد ۱۵/-، جلد ۴-۲۰۵ جلد چہارم: ” ۵۱۲ قیمت غیر ملحد ۱۵/-، جلد ۵-۲۰۵

ندوۃ المصنفین، ماہنامہ برہان اردو بازار دہلی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سرپرست اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی

عالیشان حکیم عبدالحمید صاحب پائسل جامعہ ہمدانی، اہل و علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مجلس ادارت اعزازی

سید اقدار حسین
ڈاکٹر معین الدین بٹانی
محمود سعید بلالی
ڈاکٹر جوبہر قاضی

بُرهان

نگران اعلیٰ
حضرت مولانا حکیم محمد زماں حبیبی

شمارہ: ۵-۲

اپریل - مئی ۱۹۹۸ء

جلد: ۱۲۲

تعارف

شمارے

۱۔ اسی

* نظرات عمید الرحمن عثمانی ۲

* مغربی فن تعمیر پر اسلامی فن تعمیر کے اثرات (تیسری قسط)

(ترجمہ: جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت ایب۔ اے) ۶

* زمینداری اور جاگیرداری کا تاریخی پس منظر (آخری قسط)

جناب مولوی تقی الدین صاحب بہاری ۱۲

* وحدت ادیان

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز، کراچی یونیورسٹی، پاکستان ۲۴

جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر کا پیسہ

منیجر ماہنامہ بُرہان

4136 - اردو بازار جامع مسجد دہلی۔ 110006 * فون نمبر 3262815

زیر تعاون

نی پرنس ۱۶ روپے
سالانہ ۷۲ روپے
کمپیوٹر کتابت

CREATIVE VISION

عمید الرحمن عثمانی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے خواجہ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظرات

۱۱ مئی ۱۹۹۸ء کی تاریخ اور پیر کا دن ہندوستان اور ہندوستانی عوام کے لیے قابل فخر و انبساط اور یادگار بن گیا ہے اس لیے کہ نیوکلیائی پروگرام کو ترک کرنے کے لیے ڈالے جا رہے مغربی دباؤ کو ایسے نظر انداز کرتے ہوئے راجستھان کے ریگستانی علاقہ پوکھران ریجن میں زیر زمین نیوکلیائی تجربات کر کے پوری دنیا میں اپنی نیوکلیائی طاقت و قوت کی دھماک بھادی۔ اور پھر اس کے دو دن بعد ہی دو اے نیوکلیائی تجربات کیے گئے تو ساری دنیا ہائیں! کرتی رہ گئی اور بھارتی سائنسدانوں و انجینئروں کی صلاحیتوں کا لوہا ماننے پر مجبور ہو گئی۔ اس سے پہلے مئی ۱۹۷۳ء میں جب ہندوستان کی وزیراعظم اندرا گاندھی تھیں تو اس وقت بھی راجستھان کے اس مقام پوکھران پر ایک ایٹمی تجربہ کیا گیا تھا مگر اس کی گونج اتنی نہیں تھی جتنی اس بار کے پانچ دھماکوں پر مچی ہے۔

ان نیوکلیائی تجربات کے بعد بھارت بھی نیوکلیائی کلب میں داخل ہو گیا ہے اور اس کا شمار دنیا کی پانچ ایٹمی طاقتوں میں ہو گیا ہے۔ اور یہ بات ہندوستان کے ہر باشندہ کے لیے فخر و مسرت کی بات ہے۔ پرمانو بم کی طاقت اور اس کے اثرات کے بارے میں مقامی معاصر نے بڑی تفصیل سے کچھ دلچسپ معلومات شائع کی ہیں جس میں سے کچھ حصہ یہاں شائع کر کے ہم اپنے ناظرین کی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔

۱۹۵۴ء میں ہیرودشیم اور ناگاساکی پر بم گرنے کے جو تباہ کن نتائج ہوئے وہ دیکھنے کو نہیں ملتے۔ اس لیے لوگوں کی دلچسپی ان معاملات میں کافی ہے عام لوگ یہ جانتا چاہتے ہیں کہ یہ بم اتنی

خونفک تباہی کیسے کر سکتا ہے۔ عام لوگوں کو پرمانوم کی پر اسرار طاقت کا اندازہ نہیں ہے۔ کسی وقت سمجھا جاتا تھا کہ ایٹم بم دنیا کا سب سے چھوٹا ذرہ ہے لیکن بعد میں سائنسدانوں نے یہ کہا کہ اس ذرے کو بھی توڑا جاسکتا ہے۔ اور اس کے ٹوٹنے پر جو انرجی نکلتی ہے اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ سائنسدانوں نے پتہ کیا کہ کئی ایسے ذرے ہیں جن میں ناقابل تصور توانائی ہوتی ہے اور جب انہیں توڑا جاتا ہے تو اس میں سے جو حرارت نکلتی ہے وہ صرف سائنسدان ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اب پتہ چلا ہے کہ ان ذروں سے بھی چھوٹے چھوٹے ذرات ہیں جو اس وقت نظر آتے ہیں جب آپ کمرے کا دروازہ بند کریں اور اس کمرے میں سورج کی شعاع کسی چھید سے گذر کر آئے تو یہ ذرات اس میں نظر آتے ہیں لیکن سائنسدان ان کے وجود کی گہرائی میں جاتے ہوئے یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آخر یہ ہیں کیا اور کہ ان میں ایسی بے پناہ طاقت کہاں سے آجاتی ہے۔ ایٹم بم نے یہ بتادیا ہے کہ یورینیم نام کی دھات کے ایٹم میں دوسرے دھاتوں کے ایٹموں کے مقابلے سب سے زیادہ قوت ہے اور جو ایٹم بم بنائے جا رہے ہیں وہ سینکڑوں ایٹموں کو جمع کر کے رکھ دیا جاتا ہے اور پھر خاص آلات سے ان کو توڑا جاتا ہے جب ایک ایٹم ٹوٹتا ہے تو اس سے جو توانائی خارج ہوتی ہے وہ دوسروں کو توڑتی ہے اور اس طرح دیکھتے دیکھتے سارے ایٹم ٹوٹ جاتے ہیں اور ان سے یہ بے پناہ حرارت جاری ہوتی ہے جو پھیلتے ہوئے اپنی راہ میں آنے والی ہر شے کو تباہ کر دیتی ہے۔ کوئی وقت تھا جب یورینیم کے ایٹم کو سب سے زیادہ طاقتور سمجھا جاتا تھا پھر ہائیڈروجن بم کے بعد پلازمینیم بم کا ذکر ہوا جو ہائیڈروجن بم سے زیادہ زوردار سمجھا جاتا ہے اس کے بعد بھی کوئی بم آنے لگا یہ ابھی دیکھنے کی بات ہے حق تو یہ ہے کہ قدرت نے جو کچھ بنایا ہے اس کا ہم لوگوں کو ابھی بہت کم علم ہے۔ آخر خلا میں جو کچھ ہے کسے کل تک اس کا پتہ تھا ہم لوگ یہی سمجھتے تھے کہ زمین آسمان چاند اور سورج ایک ہی ہیں لیکن ماہرین کا کہنا ہے کہ دنیا ایک ہی نہیں بلکہ کئی دنیائیں ہیں۔ کیا ہم سوچ بھی سکتے تھے کہ فضاء میں بھی کوئی دنیا الٹک سکتی ہے۔ آخر چاند بھی تو سینکڑوں ہیں۔ یہ اشارہ بھی ہو رہا ہے کہ سورج نو (۹) ہیں۔ معمولی دماغ تو یہ سمجھ بھی نہیں سکتے۔ کائنات لامحدود ہے پچھلے دنوں یہ خبر آئی کہ چودہ ارب نوری سال (لائٹ اینرز) سے سنگل آرہے ہیں۔ جب میں نے یہ سنا تو کاغذ پھینسل لے کر یہ جاننے کی کوشش شروع کی کہ یہ فاصلہ کتنا ہے۔ نوری سال سے مراد سورج کی روشنی کی رفتار ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ سورج کی کرنیں ایک سیکنڈ میں دو

لاکھ کے قریب میل طے کر سکتی ہیں۔ اس پر اندازہ کیجئے کہ مذکورہ سگنل کتنی دور سے آیا ہے۔ اگر ایک سیکنڈ میں سورج کی روشنی نے دو لاکھ میل طے کرنے میں تو اس کے بعد اسے ۶۰ سے ضرب دینے پر ایک گھنٹہ بنے گا اسے چوبیس سے ضرب دیں تو ایک دن بنے گا۔ اسے ۳۶۵ سے ضرب دیں تو ایک سال بنے گا اس سب کو چودہ ارب سے ضرب دیجئے تو پھر کہیں جا کر آپ کو پتہ چلے گا کہ یہ سگنل کہاں سے آتے ہیں۔ اور پھر کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان چودہ ارب سے آگے اور کچھ نہیں ہے۔ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ سائنسدان جب ان مسائل پر غور کرتے ہیں تو وہ اس دنیا کے نہیں رہتے کیونکہ معمولی انسان کا دماغ یہ سب کچھ سوچ نہیں سکتا اور اس لیے کہا جاتا ہے کہ سائنسدان غم پاگل ہوتے ہیں۔ سچ تو یہ ہیں کہ ان کی دنیا ہماری دنیا نہیں ہے وہ اپنی دنیا میں رہتے ہیں اور اپنی ہی طرح سوچتے ہیں۔ ایٹم بم سے متعلق ان دلچسپ معلومات کے بعد اتنا اور سن لیجئے کہ بھارت کے ایٹمی تجربہ سے امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس، جرمنی، جاپان اور یہاں تک کہ کوریا بھی سب بھارت کی مذمت کرنے میں پیش پیش دکھائی دیتے ہیں۔ عالمی بینک ۹۸ء کے سال کے لیے ہندوستان کو جو تین ارب ڈالر کا قرض دینے والا تھا شاید وہ روک دے ۶۰ لاکھ کڑور ڈالر کی مدد دینی تھی وہ بھی رک جائے گی اور دیگر ممالک نے بھی بھارت کو امداد دینی منارکھنے کی بات کہی ہے اس کے باوجود بھارت نے ایٹمی تجربہ کر کے غیر معمولی ہمت و جرات کا جو مظاہرہ کیا ہے وہ قابل تعریف و لائق صد تحسین و مبارکباد ہے۔ اور اس کے لیے وزیراعظم ہندوستان جناب اٹل بھاری واجپئی کے لیے تمام ہندوستانیوں کی طرف سے آفریں صد آفریں!

ہندوستان کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی طرف سے ہندوستانیوں کے نام تیسرا اعلان بریلی میں شائع ہوا تھا۔ اس میں انہوں نے کہا تھا ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں! اٹھو بھائیوں! خدا نے جتنی برکتیں انسان کو عطا کی ہیں ان میں سب سے قیمتی برکت آزادی ہے۔ ہمیں بہر صورت اپنی آزادی عزیز ہے امریکہ، برطانیہ، روس یا کسی دیگر ملک کی ناراضگی کی ہمیں کوئی پرواہ نہیں ہے!

لف! یہ مہنگائی.... جس نے ہر ہندوستانی کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے! آٹا دال بھی چاول تیل

سب ہی کی قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں۔ کوئی وقت تھا جب غریب دال روٹی اپنی تقدیر سمجھتا تھا۔ آج اوسط درجہ کے لوگوں کے لیے دال روٹی کی فراہمی بھی ایک مشکل مرحلہ بن گیا ہے۔ غریب و مزدور کے بس میں دال روٹی نہیں۔ درمیانہ طبقہ کے لوگوں کے لیے جب دال روٹی ملنا محال ہوتا جا رہا ہے پھر یہ مہنگائی کی بار اس سائنسی دور کے انسان کو کہاں لے جا کر پٹھے گی یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ اربابِ حل و عقد کے لیے ضروری ہے کہ مہنگائی کے مسئلے کو ہر زاویہ نگاہ سے اولیت دیں اور اسے حل کریں۔ مہنگائی کو ختم کرنا تو مشکل ہے مگر مہنگائی کی تیز رفتاری پر تو کام دیا ہی جاسکتا ہے اور ہم ان صفحات میں مہنگائی کی رفتار پر نگاہ دینے کے لیے حکومت ہند سے مودبانہ گزارش کریں گے۔

احادیث نبوی کا شاندار ذخیرہ

ترجمان السنہ

== چار جلدوں میں ==

ترجمان السنہ حدیث شریف کی ایک لاجواب کتاب ہے جس کے ذریعے سے فرمودات نبوی کا نہایت اہم اور مستند و معتبر ذخیرہ نئے عنوانوں اور نئی ترتیب کے ساتھ عام فہم زبان میں منتقل کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں احادیث نبوی کے صاف و سلیس ترجمہ کے ساتھ تمام متعلقہ مباحث کی دلپذیر تشریح و تفسیر کی گئی ہے اور اس تشریح میں سلف صالح کی پیروی کے ساتھ جدید ذہنوں کی بھی پوری پوری رعایت کی گئی ہے۔

قیمت مکمل چار جلدیں غیر جلد — ۷۰۰ روپے * مجلد — ۸۲۰ روپے

_____ منگوانے کا پتہ _____

ندوة المصنفين 4136 • اردو بازار دہلی ۶

تیسری قسط

مغربی فن تعمیر پر

اسلامی فن تعمیر

کے اثرات

از مارٹن۔ ایس۔ برکس

ترجمہ: جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم اے

سامرہ کی جامع کبیر بہت وسیع و عریض عمارت ہے اور کافی تاریخی اہمیت کی حامل ہے اس میں ایک صحن ہے مکہ کی سمت میں ایک وسیع حرم ہے اور صحن کی باقی سمتوں میں کافی وسیع برآمدے ہیں۔ احاطہ کی زبردست دیوار میں چاروں گوشوں پر ایک مدور برج اور ان برجوں کے درمیان نیم مدور برج ہیں۔ حرم کی شمالی دیوار میں چھوٹے درپچوں کی ایک قطار ہے ان درپچوں کے سرے نعل داریا کثیر برگی ہیں۔ یہ نمایاں خصوصیت قرطبہ میں بھی دکھائی دیتی ہے اس کے بارے میں ہاول کا خیال ہے کہ اس کی اصل شکل نے بدھ متی عہد کے ہندوستان میں جنم لیا تھا۔^۱

^۱ ای بی ہاول، ہندوستانی فن تعمیر، (دوسرا ایڈیشن۔ لندن ۱۹۴۷ء) ص ۸۵، ۸۶۔

کمان کو دیکھ کر ظاہر کیا تھا لیکن اھنڈ کی اس کمان کے بارے میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اصل میں یہ بانس کی بنی ہوئی جھونپڑی کی شکل ہے اور اس کی نقل یہاں پتھر میں بنائی گئی۔ اس طرح ایسی اور نہ کسی اور

اگر ہاول کا خیال غلط ہے تو پھر مغربی فن تعمیر میں ایسی کمان اور اس کے تمام تعلقات مسلمانوں کا عطیہ ٹھہرتے ہیں۔ اس سے زیادہ اہم چیز قدیم عمارتوں کے ستونوں کے استعمال کا ترک کرنا ہے جیسے کہ یہ ستون چھتوں کو اٹھانے کے لیے قرطبہ اور دوسری جگہ استعمال ہوئے ہیں۔ ان قدیم ستونوں کی جگہ اینٹ کے پایوں نے لے لی ہے۔ یہ پائے ایک مربع بنیاد دے کر پشت پہل بنائے گئے ہیں اور ہر پائے میں چار مدور یا بشت پہل سنگ سرسره کے دہرے لگائے گئے ہیں۔ یہ ایک اور چیز ہے جو مغربی فن تعمیر میں داخل ہو گئی ہے سامرہ اور اس کے بعد جامع ابن طولون میں جو عجیب و غریب چکر کھاتا مینار بنایا گیا ہے ویسا مینار پھر آئے کہیں نہیں بنایا گیا۔

قاہرہ کی جامع ابن طولون ۱۱۷۱ء میں بنی شروع ہوئی بہت سے مصنفوں نے اس مسجد کا حال تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لیکن اسلامی فن تعمیر کی تاریخ میں اس کی اہمیت کچھ گھٹ سی گئی ہے جب سے کہ ہمیں اس کی بعض نمایاں ترین خصوصیتیں عراق (موسولیا) میں اس سے بھی قدیم تر عمارتوں میں مل گئی ہیں۔ یہ ایک وسیع جامع مسجد ہے۔ اس کا نقشہ تقریباً مربع ہے اور اس کا صحن تمام سمتوں سے چھتے دار برآمدوں سے گھرا ہوا ہے، حرم کا ایوان دوسرے ایوانوں کی بہ نسبت زیادہ عمیق ہے۔ مسجد کی اصل دیواروں کے باہر چار دیواری سے گھرا ہوا ایک احاطہ (زیادہ) ہے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو اس سے پہلے کی مسجدوں میں کہیں نہیں ملتی۔ بیرونی دیواریں بہت دبیز ہیں۔ اور ان کے اوپر تزئینی گھڑ گج لگائے گئے ہیں۔ یہی گھڑ گج، جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے گو تھک فن تعمیر کے جالی دار اور چونیوں والی منڈیروں کے لیے نمونہ بنے (ہر قسم کے گھڑ گج آشوریہ ہیں آٹھویں صدی قبل مسیح میں اور مصر میں اس سے بھی پہلے مستعمل تھے) گھڑ گج کے نیچے کنیلے درپچوں کے موکھوں کی قطار ہے جن کے اندر پلاستر میں کئی ہوئی جالیاں بٹھائی گئی ہیں اور پھر ان کے بیچ بیچ یکے بعد دیگرے نکیلی محرابیں ہیں جن کے سرے کثیر برگی یا نعل دار ہیں،

قسم کی کمان کے ہندوستان میں پیدا ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مدت ہوئی ہاول کا خیال غلط

ثابت ہو چکا۔ لے دیکھیے میری کتاب (اسلامی فن تعمیر، آکسفورڈ ۱۹۲۳ء) کا تیسرا باب (ترجم)

چھتے اینٹ کے زبردست پایوں پر مشتمل ہیں اور گوشوں میں دیوار سے لگے ہوئے خشتی دھرے دیئے گئے ہیں ان کے اوپر کھلی کمانیں ہیں اور سطح جست کے پاس ان کا گھڑ فعلی خماؤ بس یوں ہی محسوس ہوتا ہے۔ اس طرح عمارت کا پورا ڈھانچہ چوبی چھت کی سطح تک خشتی ہے اور اس پر سادہ یا تزئینی سنگسٹر لگایا گیا ہے بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مسجد ہر لحاظ سے عراقی (مسو پٹمیائی) طرز کی مسجد ہے اور سامرہ اور بغداد کی مسجدوں کے نمونوں پر بنائی گئی ہے جن سے اس مسجد کا بانی ابن طولون اپنے عہد جوانی میں خوب واقف تھا، مذکورہ خصوصیات کے سوا دوسری جدتوں میں لکڑی میں کندہ کیے ہوئے کوئی کتبے بھی ہیں (تزئینی اغراض کے لیے حروف تہجی کا یہ استعمال نہایت درجہ ماہرانہ ہے) ان کے سوارنگ میں عملاً تمام نمایاں سطحوں پر تزئین کاری ہے جو زیادہ تر سفید سنگسٹر سے بنائی گئی ہے اور چھت کی چوبی شہتیروں پر بھی یہ کام کیا گیا ہے۔ قبلہ نما محراب کا نقشہ بہت واضح بنایا گیا تھا، جو اب بدل دیا گیا ہے اس کے صحن کے وسط میں ایک فوارہ بھی ہے (یہ وہ اصلی عمارت نہیں جس کے اوپر ایک گنبد بھی تھا) نئی چیزوں میں چھت سے لٹکتے ہوئے شاندار جھاڑ فائوس بھی ہیں۔

نویں صدی کے آخر سے لے کر بارہویں صدی کے ختم تک کی باقی ماندہ اسلامی عبادت گاہوں یعنی مسجدوں کی گنتی زیادہ نہیں ہے اس عرصے میں کافی فوجی عمارتیں بنتی رہیں۔ اور یہ بات تو اب تسلیم کر لی گئی ہے کہ صلیبی لڑائیاں لڑنے والوں نے شام اور مصر کے قلعوں سے بہت سی چیزیں حاصل کی تھیں۔ کیونکہ شام اور آرمینیا میں صدیوں پہلے سے سنگی تعمیر بہت اونچے درجے پر پہنچ چکی تھی۔ مثال کے طور پر اہل یورپ نے مشربیات^۱ (Machiolation فیصل میں روزن) کا استعمال اسی واسطے سے سیکھا ہے۔

۱ Machiolation بڑے بڑے چھجوں یا توڑوں کی ایسی ترتیب جس میں چھجے یا توڑے نزدیک نزدیک اور منڈیر کی دیوار کے ساتھ بنائے جاتے ہیں۔ چھجے کے ہر جوڑے کے درمیان ایک موکھا (اس کے لیے فرانسیسی زبان میں Machioulos کا لفظ آتا ہے) ہوتا ہے اس موکھے میں فرشی دروازہ لگا ہوتا ہے۔ اس سے کھولتا ہوا تیل یا پانی اور دوسری ناخوشگوار چیزیں نیچے دیواروں میں سرنگ لگانے کی کوشش کرنے والے محاصرین کے سروں پر پھینکی جاسکتی ہیں۔ ایسے روزنوں والے چوبی چھجے جو

قاہرہ کے قلعہ پر مسٹر کے۔ اے۔ سی۔ کرسول نے جو مضمون لکھا ہے اس کے ایک ضمیمہ میں انھوں نے مشربیات کا جائزہ لیا ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ شام میں اس کی جو ابتدائی چھ سات مثالیں گنائی جاتی ہیں وہ حقیقت میں باہر کو نکلے ہوئے اسی طرز کے چھوٹے سے پاخانے ہیں جن کا رواج حالیہ زمانے تک عام تھا جزیرہ جرسی (Jersey) کے شہر جوری (Gorey) میں ایک پائے پر بنا ہوا ایسا ہی ایک پاخانہ اب بھی زیر استعمال ہے۔ باقی تین مثالوں میں سب سے قدیم مثال چھٹی صدی عیسوی کے وسط کی ہے اور یہ مشربیات بلندی سے پتھر وغیرہ پھینکنے کے لیے استعمال ہوئی ہیں۔ چھٹی صدی عیسوی کے یہ معنی ہوئے کہ یہ مثالیں اسلام کے آغاز سے پہلے کی ہیں۔ ان مثالوں پر مسٹر کرسول کے مضمون لکھنے کے بعد شام کے علاقے میں رصافہ کے مقام پر قصر الحیر میں ایک اسلامی مثال دریافت ہوئی ہے۔ جو ۲۹۷ء کی ہے ایسی ہی دو مثالیں قاہرہ کے ایک دروازے باب النصر (۱۰۸۷ء) کے اوپر بنی ہوئی ہیں اس دروازے کو آرمینی سنگ راجوں نے بنایا تھا۔ یہ صاف طور پر مشربیات ہیں اور انہیں دروازے کی حفاظت کے لیے بنایا گیا تھا۔ یہ مثالیں یورپ کی ایسی اولین مثالوں سے کوئی ایک سو سال پہلے کی ہیں جو چیا تو گلارڈ (۱۱۸۴ء)، شالون (۱۸۸۶ء)، ناروج (۱۱۸۸ء) اور ونچسٹر (۱۱۹۳ء) دکھائی دیتی ہیں۔ اس طرح یہ بات واضح ہے کہ صلیبی محاربوں نے مسلمانوں سے اس کا خیال لیا ہے نہ کہ مسلمانوں نے صلیبی محاربوں سے۔ فرانس اور انگلستان کے چودھویں صدی کے قلعوں میں یہی مشربیات توڑوں کی قطاروں میں بنائے گئے اور اسی طریقے کو ان ملکوں میں بہت ترقی دی گئی۔

Howrds (Hoardding) یا Breteches (Brattice) کہلاتے ہیں اسی مقصد کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔

Mr. K.A.C. Creswell, In Bulletin De Wnstiteit Francaïn D Archeolo-

gie, Orientale. Vol. 23 (cairo 1924)

Chateau Gaillard ۲

Chatillon ۳

Norwich ۴

Winchestor ۵

فوجی تعمیر کاری کی ایک اور چیز جو مصر اور شام سے اہل یورپ نے لی ہے وہ قلعہ کی فصیل میں زاویہ قائمہ والا مایل کھایا ہوا دروازہ ہے۔ اس کے ذریعہ سے دشمن کو جسے قلعہ کے دروازے تک پہنچنے میں کامیابی حاصل ہو گئی ہو قلعہ کے اندر کا حال دیکھنے یا گولہ باری کرنے سے روکا جاسکتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے دروازے سے رومی یا بازنطینی فن حرب بے بہرہ تھا۔ رومی اور بازنطینی فن حرب میں تو یکے بعد دیگرے مدافعتی دروازے ایک ہی محور پر بنائے جاتے تھے اور ان کا درمیانی فصل 'پروپگناکولم' (Propugnaculum) کہا جاتا تھا۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے ایسے بل کھائے ہوئے دروازے بغداد کے مدور شہر (آٹھویں صدی) میں استعمال کیے گئے تھے۔ قاہرہ میں سلطان صلاح الدین کے بنائے ہوئے قلعہ (تعمیر کی ابتداء ۱۱۷۱ء) میں یہ پھر دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی سب سے بہترین مثال حلب کے قلعہ میں دکھائی دیتی ہے۔ ایسے دروازے شاذ و نادر ہی انگلستان میں دکھائی دیتے ہیں، اگرچہ اس کی ایک عمدہ مثال بیومارس (Beaumaris) میں دکھائی دیتی ہے فرانس میں یہ زیادہ مقبول رہے اور سرکاسونے (Carcassonne) میں یہ بہت نظر آتے ہیں لیکن ان دونوں ملکوں میں مستحکم قلعوں کی فصیلوں کے لیے محرف دروازے زیادہ پسند کیے جاتے تھے۔ پیری فاندس (Pierrefonds) اور کانوے (Conway) کے قلعے اسی کی مثالیں ہیں۔

ہندوستان میں پرانی دہلی کی عمارتوں سے پہلے کی کوئی اہم اسلامی عمارت موجود نہیں۔ پرانی دہلی کی عمارتیں تیرہویں صدی کے ابتدائی سالوں کی ہیں۔ ایشیائی ترکی میں بھی کوئی قابل ذکر چیز نہیں، یہاں بھی اسی زمانے کے لگ بھگ قونیہ کے مقام پر سلجوقی بادشاہوں کی بنائی ہوئی عمارتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اسپین اور شمالی افریقہ میں فوجی تعمیر کاری سے قطع نظر اہم آثار میں قرطبہ کی جامع مسجد میں بعد کے زمانے کا کام ہے یہاں دسویں صدی کے نصف دوم میں کافی توسیعی کام ہوا ہے۔ ایسے ہی اشبیلیہ (۱۱۷۲ء - ۱۱۹۵ء) اور رباط (۱۱۷۸ء - ۱۱۸۴ء) کے نفیس مینار ہیں۔^۱

^۱ اشبیلیہ کا مینار اب جیرالڈ ٹاور (Giralda Tower) کہلاتا ہے۔

یہ دونوں مینار نعل دار چھتوں سے مزین ہیں جو بعد کے کھڑکیوں کے اوپر کے آرائشی گوتھک کام سے مشابہ اور اس طرز کے پیش رو ہیں۔ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے یہ کام بہت دلچسپ ہے۔ اس میں گنبد سازی کا کمال بھی شامل ہے لیکن خود اسپین سے باہر اس کام نے تعمیر کاری کے ارتقا پر کوئی خاص اثر نہیں ڈالا۔ صقلیہ میں پلاٹینا کا کلیسا (Coppella Pilatina) ۱۱۳۲ء میں بنا، مار تورانا کا گر جا (Martorana) ۱۱۳۶ء میں بنا، لازری زا کا قصر ۱۱۵۴ء میں، اور لا کو با کا قصر (Lacuba) ۱۱۸۰ء میں بنا۔ یہ تمام مسلمہ ستین ہیں اور یہ سب کے سب اس جزیرے پر مسلم اقتدار کی حد کے باہر پڑتے ہیں۔ اس جزیرے کے صدر مقام بلرم (Pabrm) سے مسلم اقتدار ۱۰۶۰ء میں اور بحیثیت مجبومی پورے جزیرے صقلیہ سے ۱۰۹۰ء میں اٹھ گیا۔ لیکن اگر یہ عمارتیں نارمنوں کی بھی بنائی ہوئی ہیں تب بھی ان میں خالص اسلامی خصوصیات کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ ایسی ہی اسلامی خصوصیات خود اطالیہ میں یعنی مالنی (Amalfi) اور سیارنو (Salerno) کے شہروں میں بھی دکھائی دیتی ہیں ایران میں اس عہد کی اہم عمارتوں میں اصفہان کی مسجد، مسجد جمعہ، اور موصل کی جامع مسجد (۱۱۴۵ء-۱۱۵۱ء) ہے یہ دونوں مسجدیں بڑی جامع مسجدیں ہیں۔ اول الذکر مسجد میں کافی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ ایرانی مسجدیں اینٹ سے بنتی تھیں۔ اس لیے انہیں سنگستر کی منبت کاری اور روغنی ٹائیلوں سے سجایا جاتا تھا۔ روغنی ٹائیلیں لگانے کا شوق تو اتنا بڑھا کہ آگے چل کر شام اور مصر جیسے ملکوں میں اب تک جہاں پتھر استعمال ہوتا تھا، ان ٹائیلوں کو استعمال کیا جانے لگا۔ ایرانی مسجدوں میں مینار عام طور پر جوڑی میں بنائے جاتے تھے۔ یہ مینار استوانی شکل کے ہوتے تھے اور اوپر کو قدرے گاؤم ہوتے جاتے تھے اور رنگین روغنی ٹائیلوں سے پٹے ہوتے تھے۔

دنیا میں ہمیشہ غلط کار لوگوں کا یہ خاصہ رہا ہے کہ غلط کاروں کی پوری تاریخ ان کے سامنے ہوتی ہے مگر وہ اس سے سبق نہیں لیتے، حتیٰ کہ اپنے پیش رو غلط کاروں کا جو انجام خود ان کے اپنے ہاتھوں سے ہو چکا ہوتا ہے اس سے بھی انہیں عبرت حاصل نہیں ہوتی، وہ سمجھتے ہیں کہ خدا کا قانون مکافات دوسروں ہی کے لیے تھا، ان کے لیے اس قانون میں ترمیم کر دی گئی ہے۔

چوتھی اور آخری قسط

زمینداری اور جاگیر داری کا تاریخی پس منظر

از جناب مولوی تقی الدین صاحب بہاری

خلیفہ کے اختیارات

حکومت الہی میں زمین و جائیداد ذاتی و قار اور اقتدار بڑھانے کے لئے نہ ہوتی تھی بلکہ عام مفاد اور خدمتِ خلق کا ذریعہ سمجھی جاتی تھی جب تک مفادِ خلق کی خدمت ہوتی رہتی خلافت کو کوئی دخل دینے کی ضرورت نہ تھی اگر اس کی خلاف ورزی ہوتی تو خلافت ہر قانون اور ہر تصرف کی مجاز تھی۔

قوم جیلہ سے ”قطاع“ واپس لے لینا اور بلال بن حارثؓ مرنی کے قبضہ سے غیر آباد آراضی نکال لینا اور اس قسم کے جتنے واقعات اوپر مذکور ہو چکے ہیں اسی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

اور اسی بناء پر حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر فرمایا تھا۔

لنا رقاب الارض لہ زمینیں دراصل ہماری (خلافت کی) ہیں

لہ الاموال ص ۲۷۹

اور حضرت علیؑ نے ایک شخص کے اسلام قبول کرنے کے بعد فرمایا تھا۔

ان ارضك فلنا^۱ بے شک تیری زمین ہماری (خلافت کی) ہے

انہی تصریحات کے پیش نظر ابو بکر حبصاً^۲ کہتے ہیں۔

ہر وہ زمین جس کی آباد کاری سے لوگ عاجز رہیں اور حقوق عامہ پائمال ہوں تو اس کے انتظام کے بارے میں خلافت کو پورا اختیار ہے۔^۳

اور قاضی ابو یوسف کہتے ہیں۔

ولا يخرج من يده من ذلك اهل قطنك کو خلیفہ (بلا وجہ) بے دخل

شیں الا بحق يجب له عليه نہ کرے، ہاں اگر حقوق واجبہ کی

خذه بذلك الذی وجب له^۴ ادائیگی نہ ہو رہی ہو تو بے دخل

کرنے کا پورا اختیار ہے۔

قاضی صاحب کا یہ جملہ ”الابحق يجب له عليه“ قابل غور ہے اپنے عموم مفہوم کی

بناء پر حقوق عامہ ہر جائز حق اور خلیفہ کے ہر جائز تصرف کو شامل ہے۔

امام ابو حنیفہ کے مندرجہ ذیل الفاظ سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔

ان نواحي دار الاسلام تحت دار الاسلام کے جملہ اطراف خلیفہ

یدامام المسلمین^۵ المسلمین کے زیر اقتدار ہوتے ہیں

علامہ عینی ایک موقع پر کہتے ہیں

ان حکم الاراضی الی الامام^۶ دراصل زمین کا معاملہ خلیفہ کے

سپردہ

اسی لئے خلیفہ کو مفاد عامہ کے پیش نظر موقوفہ آراضی میں بھی واقف کی مقرر کردہ

شرطوں کی مخالفت جائز ہے۔ چنانچہ آراضی موقوفہ کی بحث میں فقہ کی یہ تصریح ہے:

^۱ الاحکام القرآن (ج ۳) ص ۵۳۳

^۲ حوالہ بالا^۳ الخراج ص ۶۰

^۴ مبسوط (ج ۱) ص ۱۹۳ از اسلام کے معاشی نظریے^۵ عینی (ج ۶) ص ۲۹

لان اصلہا لیت المال ۱
اس لئے کہ زمینیں حقیقتاً بیت المال
(حکومت) کی ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ حکومت الہی میں زمین جائیداد پر کسی کے قبضہ ہونے کا صرف یہ مطلب تھا کہ قابض کو بحیثیت امین اس کے استعمال کا حق حاصل ہو۔ یہ امانت اس کے قبضہ میں اسی وقت تک باقی رکھی جاتی جب تک وہ خلق اللہ کے مفاد میں خلافت کا ہاتھ بٹا سکتا اور ایسی فضاء پیدا کرنے میں مددگار بنتا جو مخلوق کی خوشحالی اور ترقی کی ضامن ہو۔ جب اس کی خلاف ورزی ہوتی اور امانت میں خیانت کا اندیشہ ہوتا تو خلیفہ بلا پس و پیش اسے آراخی سے بے دخل کر دیتا جو بہتر صورت مناسب ہوتی عمل میں لاتا تھا۔

خلیفہ کے اس اقدام میں نہ حقوق ملکیت کا ”گورکھ دھندا“ حائل ہوتا اور نہ جذباتی چیزیں رکاوٹ بن سکتی تھیں چونکہ خلافت کے لئے ہر شخص کے ذاتی مفاد کا خیال رکھنا بھی ناگزیر تھا اس لئے ہر تصرف اور ہر فیصلہ میں اس کا بھی لحاظ رکھا جاتا تھا۔

صاحب زمین کے اختیارات

زمانہ خلافت میں صاحب زمین کو مندرجہ ذیل اختیارات حاصل تھے :

وقف : وقف کار دستور قرن اول میں بکثرت پایا جاتا ہے اسلام میں سب سے پہلے واقف حضرت عمرؓ نے اپنا خیبر کا حصہ جو فوجیوں میں تقسیم کے وقت آپ کو ملا تھا فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا۔ ۲

حضرت طلحہؓ نے اپنا محبوب ترین باغ اللہ کی راہ میں وقف کر دیا تھا۔ ۳

حضرت علیؓ نے مصر میں زمین اور مکان وقف کیا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے مکہ اور مدینہ کے مکانات وقف کیے حضرت سعدؓ نے ایک مکان مدینہ میں اور ایک مکان مصر میں وقف کیا۔ حضرت ارقمؓ نے اپنا وہ مکان وقف کر دیا جس میں رسول اللہؐ نے قیام فرمایا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت زبیرؓ بن العوام نے اپنے مکہ کے مکان وقف کیے۔ فاروق اعظمؓ نے مکہ میں مروہ کے پاس کا مکان وقف کیا ان کے علاوہ بکثرت واقف متعدد احادیث سے

۱۔ در المختار (ج ۱) ۲۔ بخاری و مسلم ۳۔ بخاری کتاب البصر

ثابت ہیں۔^۱

ایک شخص نے اپنی ماں کے انتقال کے بعد ایک باغ صدقہ کر دیا تھا۔^۲
یعنی شارح بخاری کہتے ہیں۔

وقف اور صدقہ دونوں قریب المعنی اور دونوں کا ایک حکم ہے۔^۳
وقف کی صحت کے بعد واقف کو مالکانہ تصرف کا حق نہ رہتا بلکہ اس کا پورا انتظام
خلافت کے ذمہ ہو جاتا تھا۔

رسول اللہ نے موقوفہ زمین کے متعلق فرمایا

لاتباع ولا تہوب ولا نورث^۴ نہ بیچی جائے نہ ہبہ کی جائے نہ وراثت
جاری ہو

چونکہ آراضی کا اصل تعلق خلیفہ اور بیت المال سے ہوتا تھا اس لئے خلافت کو عام
مغادر کے پیش نظر واقف کی مقرر کردہ شرطوں کی مخالفت کا بھی حق حاصل تھا۔
اس بارے میں فقہ کی یہ تصریح ہے۔

ان السلطان یجوز له مخالفة	جب وقف کی اکثر جہات گاؤں اور
الشرط اذا كان غالب جهات	مزرعہ زمین ہو تو خلیفہ کا حکم نافذ
الوقف قری ومزارع فیعمل	العمل ہو گا اگرچہ واقف کی شرائط کے
بامرہ وان غایر شرط الواقف	خلاف ہو کیونکہ گاؤں اور زمینیں
لان اصلها لبیت المال ^۵	در اصل بیت المال کی ہیں۔

ہشتم : جائیداد وغیرہ منقولہ زمین، مکانات، باغات کا ہبہ قانوناً صحیح مانا جاتا تھا کلام عرب میں
اس کے ہبہ کے لئے کئی لفظ مستعمل تھے، مثلاً
عمری : قرآن کریم میں اس کا مادہ یہ ہے

واستعمرکم فیہا پ^۶ اللہ نے تم کو زمین میں بسایا

محدثین و فقہاء کے اقوال اور اہل زبان کے محاورہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے

۱۔ نصب الراية ۲ یعنی (ج ۶) ص ۵۱۴ ۳۔ حوالہ بالا ۴۔ بخاری و مسلم ۵۔ در المختار (ج ۱)

کہ عمری کے معنی ”زمین، باغ، مکان کسی کو پوری زندگی کے لئے دے دینا“ کے ہوتے تھے۔^۱

زمانہ خلافت میں اس قسم کے عطیات عموماً تین طرح دیئے جاتے تھے۔

(۱) زمین یا مکان رہنے اور کاشتکاری کے لئے کسی کو دے دیا اور یہ بات بھی صاف کر دی کہ تو اس کا مالک ہے اور تیرے بعد تیرے ورثہ مالک ہوں گے۔

(۲) صرف اتنا کہا کہ یہ تجھ کو دیتا ہوں مرنے کے بعد کچھ ذکر نہ کیا۔

(۳) دیتے وقت یہ شرط کر لی کہ تیرے مرنے کے بعد میری طرف یا میرے ورثہ کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

ان تین صورتوں میں موہوب لہ (جس کو دی گئی ہے) موہوبہ شے کا مالک ہو جاتا اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ کی طرف منتقل ہو جاتی، دینے والے کا کوئی حق نہ رہ جاتا تھا۔ چنانچہ اس بارے میں رسول اللہ کا فرمان یہ ہے۔

”عمری اس شخص کی ملک ہے جس کو دیا گیا پھر اس کے بعد اس کے ورثہ پر منتقل ہو جائے گا۔“^۲

عام طور پر لوگ دیتے وقت واپسی کی شرط کر لیا کرتے رسول اللہ نے شرط کو باطل قرار دیا اور اصل ہبہ کو جائز رکھا تھا۔^۳

بعض حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ معاملات میں شرطوں کے مطابق فیصلہ ہونا چاہئے اور عمری میں شرط باطل قرار دی جاتی تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حدیثوں میں وہی شرطیں مراد تھیں جن کے جواز میں نص صریح ہو یا کم از کم شارع کے اقوال و افعال سے اس کی تردید نہ ہوتی ہو رہ گئیں وہ شرطیں جو اصولاً لغو اور باطل ہوتیں یا باہمی نزاع اور فساد پر مبنی ہوتیں تو ان کے جواز کی یا باقی رکھنے کی کوئی گنجائش نہ تھی جیسا کہ بعض روایتوں میں اس کی تصریح بھی موجود ہے۔^۴

جن بعض حدیثوں میں اس قسم کے عطایا سے ممانعت آتی ہے اس کی دو وجہ ہیں۔

۱۔ احکام القرآن (ج ۳) ص ۲۰۳^۱ بخاری و مسلم وغیرہ^۲ مسلم (ج ۲) باب العمری نیز بیہقی (ج ۶)

ص ۳۱۰ و احکام القرآن (ج ۳) ص ۲۰۳^۳ شرح معانی الآثار اور نووی شرح مسلم (ج ۲) ص ۳۸

(۱) عام طور سے انہیں شرائط کے ساتھ عطیہ دئے جاتے جو جاہلیت میں رائج تھے۔^۱ اور وہ عموماً باہمی نزاع اور فساد پر مبنی ہوتیں۔

(۲) رسول اللہ بحیثیت خلیفہ اس قسم کے تصرفات سے محض اس بناء پر روک دیتے کہ آپ کو لوگوں کی ضرورتوں کا علم تھا ابتداء کسی شے کا دے دینا آسان ہوتا ہے بعد میں اس کا خیا زہ بھگتنا مشکل ہوتا ہے۔

چنانچہ عینی^۲ کہتے ہیں۔

رسول اللہ کو اصل مالکوں کی ضرورت اور صبر نہ کر سکنے کا علم تھا اس بناء پر آپ نے منع فرما دیا تھا کہ

اور علامہ نووی^۳ کہتے ہیں۔

اس ممانعت سے رسول اللہ کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو صحیح حقیقت حال سے آگاہ کر دیں کہ اس قسم کے عطایا اسلامی اصول کے مطابق تمہاری ملکیت سے نکل جائیں گے اس لئے جو کچھ کرو سوچ سمجھ کر کرو اب ایسا نہ ہو گا کہ دینے کے بعد پھر واپس لے لے جیسے پہلے کیا کرتے تھے۔^۴

حاصل یہ ہے کہ زمانہ خلافت میں عمر کی اسی وقت قابل تسلیم تھا جب کہ دینے والے کے حالات اس کی اجازت دیتے ہوں ورنہ خلافت کو روک دینے کا حق حاصل تھا۔

رقمی

رقمی کی ایک یہ صورت منقول ہے کہ

کوئی شخص کسی سے کہتا کہ میں نے اپنا گھریا زمین تجھ کو دے دیا اگر میں پہلے مردوں گا تو تیرے پاس رہے گا اور تو میرے گا تو میرا ہو جائے گا۔^۵

اس صورت میں تمسک مرنے کے بعد معلق رہتی تھی۔

رقمی کی ایک صورت یہ بیان کی جاتی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے کہ

میں نے تجھ کو مالک بنا دیا اس شرط پر کہ اگر تو پہلے مرے تو میری طرف واپس آئے گا

۱۔ عینی (ج ۶) ص ۳۰۹ حوالہ بالا ۲۔ نووی (ج ۲) ص ۳۸ عینی (ج ۶) ص ۳۰۹

اور میں پہلے مردوں تو ترے ہی پاس رہے گا۔^۱
اس صورت میں انتظار رجوع اور عدم رجوع کے متعلق ہوتا تھا اور تملیک فی الحال ہو جاتی تھی، رقبی کے حکم کے بارے میں امام نسائی نے ابن عباس سے موقوفایہ روایت نقل کی ہے۔

العمری والرقبی سواء^۲ عمری اور رقبی دونوں برابر ہیں

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کے زمانہ میں رقبی کی جو صورت رائج تھی وہ عمری سے زیادہ مختلف نہ تھی اسی لئے دونوں کا یکساں حکم بیان کیا گیا۔ اگر ایک میں فی الحال تملیک پائی جاتی اور دوسرے میں معلق رہتی تو یکسانیت کا کوئی مطلب نہیں رہ جاتا۔ کیونکہ لغوی اعتبار سے عمری کے معنی آباد کرنا اور رقبی کے معنی انتظار کرنے کے ہیں اسی لئے محققین کے نزدیک رقبی کی دوسری تعریف صحیح سمجھی جاتی ہے اور زمانہ خلافت میں رقبی کی جو صورت رائج تھی اس کا حکم عمری جیسا بیان کیا جاتا ہے۔

اس باب میں ممانعت کی حدیثوں کا وہی جواب ہے جو عمری میں مذکور ہو چکا ہے اور ائمہ قانون کے اختلاف کی شکل حکمی اور حقیقی نہیں ہے بلکہ عرف اور رواج کی بناء پر ہے۔ یعنی جس صورت میں فی الحال تملیک نہ پائی جائے بالاتفاق ناجائز ہے اور جس میں فی الحال تملیک پائی جاتی ہو اس کو سب ائمہ جائز کہتے ہیں۔^۳
منحۃ: رسول اللہ نے فرمایا

من کانت له ارض فلیزرعها جس کے پاس زمین ہو خود کاشت
اولیٰ من حقها اخاه (مسلم ابو داؤد) کرے یا اپنے بھائی کو مفت دے
دے۔

ابن بطال کہتے ہیں۔

”منحۃ“ جس میں منافع کا مالک بنایا جائے ذات کا نہیں۔^۴

۱۔ المعصر از فیض الباری للعلامة انور رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری (ج ۶) ص ۳۰۸ حاشیہ شرح وقایہ و کنز الدقائق
و تقریر ترمذی للشیخ الہند و فیض الباری (ج ۳) و عمدۃ القاری (ج ۶) ص ۳۰۸

نودی کہتے ہیں۔

”منحة“ عاریثہ ہے۔^۱

انور شاہ کہتے ہیں۔

کسی کو انتفاع کے لئے زمین مفت دے دینا۔^۲

منجد میں ہے۔

”المنحة العطية“

ان تمام تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام عرب میں ایسے موقع پر منحة کے معنی کسی کو کاشت کے لئے سب سے زمین دے دینے کے ہوتے تھے۔

زمانہ خلافت میں امداد باہمی کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ کاشت کے لئے مفت زمین دے دی جاتی۔ کاشتکار اپنے اخراجات سے کاشت کرتا اور پوری پیداوار اسی کی ہوتی۔

اس قسم کی زمین کا حکم یہ تھا کہ کاشتکار جب اس سے مستغنی ہو جاتا یا جتنی مدت کے لئے زمین دی گئی ہے وہ مدت ختم ہو جاتی تو زمین اصل مالکوں کے حوالہ کی جاتی تھی۔

رسول اللہ نے کھجور کا پھلہ ارد رخت اس سے مستغنی ہو جانے کے بعد ام انس کو واپس کر دیا تھا اور مہاجرین نے انصار کے بہت سے عطایا واپس کر دیئے تھے۔^۳

حق شفیعہ : شفیعہ دراصل ایک حق ہے جو جائداد غیر منقولہ کی بیع کے وقت شریک کو اگر وہ نہ ہو تا تو پڑوسی کو پہنچتا تھا۔

اس بارے میں رسول اللہ کا یہ فرمان ہے۔

”شریک بہ نسبت پڑوسی کے زیادہ حقدار ہے اور پڑوسی بہ نسبت غیر کے زیادہ مستحق

ہے۔^۴

دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا۔

”شریک زیادہ حقدار ہے اگر شریک نہ ہو تو پھر پڑوسی۔^۵

حکومتِ الہی میں اس حق کا یہاں تک لحاظ کیا گیا تھا کہ شریک کی موجودگی میں بغیر اس کو

۱۔ یعنی (۶ج) ص ۳۱۶ ۲۔ نووی (۲ج) ص ۱۲ ۳۔ فیض الباری (۳ج) ص ۳۰۲ ۴۔ یعنی (۶ج) ص ۳۱۶

۵۔ مصنف عبدالرزاق از نصب الراية و معنی ۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ از نصب الراية

اطلاع دیئے اور اگر شریک نہ ہو تو پڑوسی کو اطلاع دیئے بغیر بیچنا جائز نہ تھا۔
چنانچہ رسول اللہ نے فرمایا۔

”بغیر شریک کی اطلاع دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا حلال نہیں شریک چاہے تو لے لے ورنہ چھوڑ دے اگر اطلاع دیئے بغیر فروخت کر دیا تو شریک کو اختیار ہے کہ بیع فسخ کر کے خود خریدے۔“

پڑوسی کے متعلق آپ نے فرمایا۔

”پڑوسی زیادہ مقدار ہے اگر موجود نہ ہو تو اس کا انتظار کیا جائے۔“

حق وراثت : صاحب زمین کے انتقال کے بعد اس کی جائیداد منقولہ وغیرہ منقولہ حسب دستور شریعت اس کے ورثہ میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ اس قانون وراثت کے ذریعہ ایک شخص کے پاس اتنی زیادہ زمین نہ رہنے پاتی جو دوسرے کی حق تلفی کی باعث بن یا دوسروں کی محنت سے خود عیشی کے سامان پیدا ہو سکیں کیونکہ اسلامی قانون کے مطابق جائیداد صرف بڑے بیٹے ہی کو نہیں مٹی بلکہ سب بیٹوں اور بیٹیوں اور بیویوں میں تقسیم ہوتی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

لِّلرَّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ ۴۰

مردوں کے لئے حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے جو ماں باپ اور دوسرے رشتہ دار چھوڑ جائیں خواہ

ترکہ چھوٹا ہو یا بڑا۔

چونکہ ایسی صورت میں اس بات کا امکان تھا کہ ترکہ میں زمین تقسیم ہوتے ہوتے گزروں اور انچوں تک نوبت پہنچ جائے اور بہت سی وہ چیزیں تقسیم کرنی پڑیں جن کے تقسیم ہونے کے بعد پھر ان سے انتفاع کی شکل باقی نہ رہے مثلاً گھر وغیرہ تو اس کے لئے وقف علی الاولاد کی شکل نکالی گئی تھی جس سے صرف اس کا منافع تقسیم ہوتا اور شے اپنی جگہ پر

بدستور قائم رہتی تھی اور قانون شفعہ مقرر کیا گیا تھا جس کے ذریعہ پڑوسی اور شریک کو دوسروں کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہوتی تھی۔

بیع و شراء : زمانہ خلافت میں متعدد صحابہ سے زمین کی خرید و فروخت ثابت ہے۔ ابو رافعؓ صحابی نے رسول اللہ کے دیے ہوئے قطائع فروخت کر دئے تھے۔^۱ عبد اللہ بن مسعود، عتبہ بن فرقد، حسنؓ، حسینؓ، خباب بن ارت وغیرہ نے خراجی زمینیں خریدی تھیں۔^۲

اسی بنا پر صاحب ہدایہ کہتے ہیں

وقد صح ان الصحابة اشتروا
اراضی الخواج^۳
یہ بات صحت کو پہنچ چکی ہے کہ صحابہ
کرام نے خراجی زمینیں خریدی
تھیں۔

رہ گئے وہ اقوال و آثار جن سے بظاہر خراجی زمین خریدنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ عموماً فاتح قبو میں مفتوحین کے ساتھ ہر معاملہ میں ظلم و زیادتی کیا کرتی ہیں، اسلام نے اس معاملہ میں یہاں تک احتیاط برتی کہ محض احتمال کی بناء پر اس جائز حق کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا اور اعلان کر دیا کہ خراجی زمینیں خریدنا مناسب نہیں ہے البتہ جہاں اس کا اندیشہ نہیں تھا مفتوحین کی آزادی رائے کو برقرار رکھنے کے لئے خرید و فروخت کی اجازت تھی جیسا کہ متعدد صحابیوں کا خرید نامہ کو رہ چکا ہے۔

الغرض زمانہ خلافت میں صاحب زمین کو اپنی زمین پر پورے اختیارات حاصل تھے تاکہ ہر شخص آزادانہ روزی کما کر اپنے ضمیر کا استقلال باقی رکھ سکے۔

ایک شبہ کا دفعیہ : ممکن ہے بعض حضرات کو ان اقوال سے شبہ ہو جن سے بظاہر صاحب زمین کے اختیارات نہیں ثابت ہوتے ہیں مثلاً یہ روایت ہے کہ

”عتبہ بن فرقد نے فرات کے کنارے کچھ زمین خریدی حضرت عمرؓ کو جب اس کا پتہ چلا تو ”عتبہ“ سے پوچھا کہ یہ زمین تم نے کس سے خریدی ہے ”کہا، زمین والوں سے“ عمرؓ نے مہاجرین اور انصار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ زمین والے تو یہ لوگ ہیں

۱۔ الخراج لابن یوسف ص ۶۱ ۲۔ الخراج للبخاری ص ۵۸ و ۵۹ ۳۔ ہدایہ (ج ۱)

کیا ان سے خریدی ہے عرض کیا ”نہیں“ فرمایا جس سے خریدی ہے واپس کر کے اس کی قیمت لے لو۔ لے

اور جیسا کہ حضرت علیؑ نے عراق کے ایک پرانے باشندے سے اسلام قبول کرنے کے بعد فرمایا تھا کہ تری زمین خراجی ہی رہے گی کیونکہ ہماری ہے ”ان ارضک فلنا“ لے
حقیقت یہ ہے کہ عتبہ بن فرقد کا واقعہ زیادہ صحیح سند کے ساتھ اس کے خلاف منقول ہے چنانچہ ”زیلعی“ نے بیہقی کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔
قال لعمرانی اشتريت ارضمن ارض عتبہؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں نے
السود فقال عمرانف فیہا مثل سواد میں ایک زمین خریدی ہے آپ نے
صاحبہا فرمایا کہ خراج کے معاملہ میں تم سابق
صاحب زمین جیسے ہو (وہ ادا کرتا تھا تم بھی
ادا کرو)

ان دونوں روایتوں میں عتبہؓ سے روایت کرنے والے شعبی ہیں جن کا نام عامر ہے اور شعبی سے روایت کرنے والے پہلی روایت میں ”بکیر“ ہیں جو شعبی کے صاحبزادہ ہیں اور جن کی کنیت ابواسامعیل ہے۔ دوسری روایت میں شعبی سے روایت کرنے والے مجالد بن سعید ہیں اصول روایت کے لحاظ سے بکیر ضعیف اور مجالد قوی ہے لہٰذا اس لئے پہلی روایت دوسری کے مقابلہ میں قابل اعتبار نہ ہوگی۔

رہ گئی حضرت علیؑ کی مذکورہ روایت تو اس کی تشریح و توضیح ذیل کی روایت سے ہوتی ہے۔

ایک دہقان (زمیندار) نے اسلام قبول کیا حضرت علیؑ نے اس سے فرمایا کہ اگر تم اپنی زمین پر قائم رہو گے تو حفاظت کا معاوضہ (جزیہ) ہٹا دیں گے اور اس کا بدل زمین سے وصول کریں گے اور اگر زمین چھوڑ دو گے تو اس کے ہم زیادہ حقدار ہیں۔
بعینہ امیرؑ کے الفاظ یہ ہیں۔

وان تحولت عنها فحق احق بہا
اگر تو نے زمین چھوڑ دی تو اس کے ہم زیادہ حقدار
ہیں

لے الاموال ص ۷۷۷ حوالہ بالا لے حاشیہ کتاب الخراج للہی ص ۵۷ لے احکام القرآن (ج ۳)

ابو بکر جصاصؒ ان الفاظ کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ
اگر تم زمین کی آبادی سے عاجز رہو گے تو ہم آباد کرائیں گے تاکہ حقوق عامہ جو زمین
سے متعلق ہیں پائمال نہ ہوں۔ پھر آگے چل کر کہتے ہیں

یہ قانون مفتوحین ہی کی زمین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ تمام زمینیں جن کی
آبادی سے لوگ عاجز ہیں ان کا انتظام و بندوبست خلیفہ کے ذمہ ہے۔^۱

حاصل یہ ہے کہ مذکورہ اقوال سے یہ بات نہیں ثابت ہوتی کہ آراضی مفتوحہ میں
اصل باشندوں کو اور اہل قلعہ کو تصرفات میں آزادی حاصل نہ تھی بشرطیکہ وہ تصرفات
اجتماعی مفاد کے خلاف نہ ہوتے، ورنہ خلافت کو روک دینے کا حق حاصل تھا۔

نیز اسلامی جنگوں میں مفتوحہ زمین کے باشندے غلام نہ قرار دیئے جاتے تھے کیونکہ
اسلام تو غلامی کا طوق گردن سے اتار پھینکنے کے لئے آیا ہے نہ کہ اس کو قائم رکھنے اور رواج
دینے کے لئے، یہ دوسری بات ہے کہ بعض سیاسی و معاشی حالات کی مجبوری کی وجہ سے
ابتداءً ممانعت کا قانون نہ نافذ کر سکا اور بتدریج اس کے ختم کرنے کی راہیں نکالیں۔^۲

جب اسلامی قبضہ کے بعد مفتوحین اپنی فطری حریت پر باقی رہتے تو آراضی اور ان کی
تمام اشیاء پر فطری آزادی برقرار رہنی لازمی تھی تاکہ ہر لحاظ سے مصون و مامون ہو کر
خوشحالی و فارغ البالی کی زندگی بسر کر سکیں اور اسلام ہر طرح سے ان کے لئے رحمت ثابت
ہو۔

اصل بات یہ ہے کہ ساری زمینیں حقیقتاً اللہ کی ملک ہوتیں اور خلافت کے انتظام و
نگرانی میں رہتی تھیں کاشتکار و صاحب زمین کی حیثیت محض امین کی ہوتی تھی۔

جب تک مقصد (خلق اللہ کا عام مفاد) پورا ہوتا رہتا نہ خلافت کو بے دخل کرنے کی
ضرورت پڑتی اور نہ تصرفات کو محدود کرنے کی حاجت ہوتی اور جب یہ مقصد پائمال ہونے
لگتا یا حقوق عامہ جو زمین سے متعلق ہیں ان کے فوت ہونے کا اندیشہ ہوتا تو بلا تخصیص
و ترجیح فاتح و مفتوح مسلم و غیر مسلم صاحب زمین کو بے دخل کر دینے یا اس کے تصرفات کو
محدود کرنے کا پورا اختیار ہوتا تھا۔

قسط ۱

وحدت ادیان

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز، کراچی یونیورسٹی، پاکستان

”وحدت ادیان“ ایک ایسا پرفریب نعرہ ہے جس کا شکار وہ لوگ تیز رفت سے ہو رہے ہیں جنہیں ہمارے ہاں اونچی سوسائٹی کے لوگ یا مراعات یافتہ طبقہ کہا جاتا ہے۔ اور صرف ہمارے ہاں یعنی پاکستان میں نہیں بلکہ دنیا کے تمام ترقی پذیر اور خصوصاً اسلامی ممالک میں یہ اصطلاح تیزی سے اس طبقے میں پھیلائی جا رہی ہے جہاں پہلے مالی، کاروباری، سیاسی یا بیوروکریٹک (Diplomatic) سفارتی، اسٹاف اور فائنل مشن (Foreign Missions) میں کام کرنے والے لوگوں میں بھی اس کا پرچا عام ہے بعض ممالک میں بعض تنظیموں نے چند قدم اگے بڑھ کر اس حوالہ سے کانفرنسوں اور سیمینارز کا اہتمام بھی کیا ہے اس اصطلاح کے موجدوں اور اس کے ترویج و اشاعت کے ذمہ داروں کا اگلا ہدف یونیورسٹیاں اور اعلیٰ تعلیم کے ادارے ہیں۔ جہاں تعلیمی کیدٹر سے تعلق رکھنے والے آزاد خیال لوگوں کو بطور پوزیشن استعمال کرنے اور اس مکروہ نعرہ کو مقبول عام بنانے کے لئے کام شروع کر دیا گیا ہے اور بعض ملکوں میں بشمول پاکستان کے بعض شہر، اندر ہی اندر یہ کام شروع ہو چکا ہے۔ اب سائنڈہ اور پڑھ لوگ پبلک مقامات (Public Places) اور انٹرنیوینیوٹک (اندرون جامعات) ہونے والی تعاریب میں مل بیٹھنے اور چائے ویفر شمنٹ کے وقفوں میں اس پر گفتگو کرنے لگے ہیں یوں تو وحدت ادیان پر گزشتہ نصف صدی سے وقتاً فوقتاً مختلف

مالکین شوشہ چھوڑے جا رہے ہیں مگر نئے انداز سے توحیدت ادیان کا تصور اس نو ورلڈ
پیش کر رہے ہیں جسے اس مدی کا بدنام زمانہ منصوبہ کہا جانا چاہیے۔ اس تصور کو عام
کئے دو باتوں کو بطور خاص پیش کیا جا رہا ہے اور وہ دو باتیں بظاہر بڑی سادہ
مگر کچھ پیچھے موجود کفر و ضلالت کا ایک طوفان ہے جو بہت جلد اہل اسلام کو اپنی پیمٹ
سپا پیٹ کرنا چاہتا ہے۔

ان باتوں پر لیں میں اس موضوع پر آئے دن مضامین و مقالات شائع ہو رہے ہیں
مگر ایک عام مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ کیا ایک سو میں ماری ایک نئے مذہب
کی بنیاد پڑی جو اسلام، یہودیت اور نصرا نیت کا مغویہ ہوگا؟ وہ دو باتیں جن کی طرف لوگوں
کی توجہ ہٹا رہی کے ساتھ توجہ کیا جا رہا ہے وہ ہیں۔

مشترکہ عبادت گاہوں کی تعمیر (۲) مشترکہ کتاب مقدس کی اشاعت۔

جہلی اسکیم یا منصوبہ یہ ہے کہ تمام ممالک میں اور خصوصاً اسلامی ممالک میں اب بڑی
بڑی مساجد کی بجائے ایسے ہال تعمیر کئے جائیں جن کا ایک حصہ مسلمانوں کے لئے ایک یہودیوں
کے لئے اور ایک عیسائیوں کے لئے مخصوص کر دیا جائے جہاں وہ اپنے اپنے مذاہب کے
مطابق عبادت کر سکیں اور اس ہال یا عمارت کو مشترکہ عبادت گاہ کا نام دیا جائے جو وحدت
ادیان کی علامت بن کر ابھرے۔ آگے چل کر اس ہال کے تین حصوں کو ایک ہی بنانے
اور اس میں ہر تین مذاہب کے لوگوں کو آزادانہ شانہ بشانہ اپنے مذہب کے مطابق
عبادت کرنے کا حق دینا ہے۔ ابتدائی طور پر جہاں ایسے مشترکہ ہال تعمیر کرنے میں دشواری
ہو وہاں مستقبل کی رہائشی اسکیموں میں عبادت گاہوں کے نام سے پلاٹ اس طرح مخصوص
کئے جائیں کہ جب ان پلاٹوں پر مسجد تعمیر ہو تو اسی کے ساتھ ایک طرف چرچ اور دوسری طرف
ٹمپل (یہودی عبادت گاہ) بھی تعمیر کی جائے۔

قسط ۱

وحدت ادیان

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز، کراچی یونیورسٹی، پاکستان

"وحدت ادیان" ایک ایسا پرفریب نعرہ ہے جس کا شکار وہ لوگ تیزی سے ہو رہے ہیں جنہیں ہمارے ہاں اوپن سوسائٹی کے لوگ یا مراعات یافتہ طبقہ کہا جاتا ہے۔ اور صرف ہمارے ہاں یعنی پاکستان میں نہیں بلکہ دنیا کے تمام ترقی پذیر اور خصوصاً اسلامی ملک میں یہ اصطلاح تیزی سے اس طبقے میں پھیلانی جا رہی ہے جو اپنے مالی، کاروباری، سیاسی یا بیوروکریٹک ساتھ ساتھ ڈپلومیٹک (Diplomatic) (سفارتی) اسٹاف اور فارن مینز (Foreign Missions) میں کام کرنے والے لوگوں میں بھی اس کا پرجھام ہے بعض ممالک میں بعض تنظیموں نے چند قدم آگے بڑھ کر اس حوالہ سے کانفرنسوں اور سمینارز کا اہتمام بھی کیا ہے اس اصطلاح کے موجدوں اور اس کے ترویج و اشاعت کے ذمہ داروں کا اگلا ہدف یونیورسٹیاں اور اعلیٰ تعلیم کے ادارے ہیں۔ جہاں تعلیمی کیڈر سے تعلق رکھنے والے آزاد خیال لوگوں کو بطور پختہ استعمال کرنے اور اس مکروہ نعرہ کو مقبول عام بنانے کے لئے کام شروع کر دیا گیا ہے اور بعض ملکوں میں (بشمول پاکستان کے بعض شہر) اندر ہی اندر یہ کام شروع ہو چکا ہے۔ اب اساتذہ اور پڑھ لکھے لوگ پبلک مقامات (Public Places) اور انٹریونیوٹیٹی (اندرون جامعات) ہونے والی تقاریب میں مل بیٹھنے اور چائے ویرفرشمنٹ کے وقفوں میں اس پر گفتگو کرنے لگے ہیں یوں تو وحدت ادیان پر گزشتہ نصف صدی سے وقتاً فوقتاً مختلف

ممالک میں شوٹے چھوڑے جا رہے ہیں مگر نئے انداز سے "وحدت ادیان" کا تصور اس نیورلڈ آرڈر کا پیش کردہ ہے جسے اس صدی کا بدنام زمانہ منصوبہ کہا جانا چاہیے۔ اس تصور کو عام کرنے کے لئے دو باتوں کو بطور خاص پیش کیا جا رہا ہے اور وہ دو باتیں بظاہر بڑی سادہ ہیں مگر ان کے پیچھے موجود کفر و ضلالت کا ایک طوفان ہے جو بہت جلد اہل اسلام کو اپنی پلیسٹ میں لے کر ملیا میٹ کرنا چاہتا ہے۔

بین الاقوامی پریس میں اس موضوع پر آئے دن مضامین و مقالات شائع ہو رہے ہیں جنہیں پڑھ کر ایک عالم مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ کیا اکیسویں صدی ایک نئے مذہب کی صدی ہوگی جو اسلام، یہودیت اور نصرانیت کا مغربہ ہوگا؟ وہ دو باتیں جن کی طرف لوگوں کو انتہائی تسکری کے ساتھ متوجہ کیا جا رہا ہے وہ ہیں۔

۱۔ مشترکہ عبادت گاہوں کی تعمیر (۲) مشترکہ کتاب مقدس کی اشاعت۔ پہلی اسکیم یا منصوبہ یہ ہے کہ تمام ممالک میں اور خصوصاً اسلامی ممالک میں اب بڑی بڑی مساجد کی بجائے ایسے ہال تعمیر کئے جائیں جن کا ایک حصہ مسلمانوں کے لئے ایک یہودیوں کے لئے اور ایک عیسائیوں کے لئے مخصوص کر دیا جائے جہاں وہ اپنے اپنے مذاہب کے مطابق عبادت کر سکیں اور اس ہال یا عمارت کو مشترکہ عبادت گاہ کا نام دیا جائے جو وحدت ادیان کی علامت بن کر ابھرے۔ آگے چل کر اس ہال کے تین حصوں کو ایک ہی بنانے اور اس میں ہر تین مذاہب کے لوگوں کو آزادانہ شانہ بشانہ اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کا حق دینا ہے۔ ابتدائی طور پر جہاں ایسے مشترکہ ہال تعمیر کرنے میں دشواری ہو وہاں مستقبل کی رہائشی اسکیموں میں عبادت گاہوں کے نام سے پلاٹ اس طرح مخصوص کئے جائیں کہ جب ان پلاٹوں پر مسجد تعمیر ہو تو اسی کے ساتھ ایک طرف چرچ اور دوسری طرف ٹمپل (یہودی عبادت گاہ) بھی تعمیر کی جائے۔

اس طرح کی مشترکہ عبادت گاہیں، فوری طور پر بین الاقوامی ہوائی اڈوں، جامعات اور عوامی مقامات پر تعمیر کرنے کا پروگرام ہے۔

دوسری اسکیم یا منصوبہ ”مشترکہ کتاب مقدس“ کی اشاعت ہے یعنی قرآن اور بائبل (تورات و انجیل) اس طرح اکٹھے شائع کئے جائیں کہ وہ ایک ہی جلد میں جلد ہوں اور تینوں مذاہب (اسلام، یہودیت و نصرانیت) کی مشترکہ عبادت گاہوں میں رکھے جائیں۔

ایسے ممالک جہاں ان دو منصوبوں پر کام شروع ہو چکا ہے وہاں آباد مسلمانوں میں سخت غم و غصہ و تشویش پائی جاتی ہے اور وہ علماء اسلام سے اس سلسلہ میں جو غم کر رہے ہیں۔

مفتی اعظم سعودی عرب شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز اور جامعہ الازہر (مصر) کے رئیس و شیخ الجامعہ کو اس سلسلہ میں روزانہ خطوط موصول ہو رہے ہیں، سعودی عرب کی گریڈ علماء

کونسل کے سامنے بھی یہ سلسلہ پیش ہو چکا ہے اور اللجنة الدائمة للبحوث

العلمیہ والافتاء (یعنی سعودی عرب کی علمی مسائل و معاملات اور فتاویٰ کے سلسلہ

میں قائم مستقل کمیٹی) نے اس پر اپنی تفصیلی رائے اخبارات و جرائد کو جاری کی ہے۔

(دیکھئے ’مجلد الدعوة الریاض‘)

اسلام تمام ادیان کا ناسخ ہے :

اسلام کے ان اعتقادی اصولوں کے مطابق جن پر اہل اسلام کا اجماع ہے، اس وقت

روئے زمین پر اسلام کے سوا کوئی سچا مذہب نہیں پایا جاتا اور اسلام سابقہ تمام ادیان کا

ناسخ اور خاتم ہے۔ چنانچہ کرہ ارض پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا کمال تو سن اور جامع ترین

طریقہ سوائے اسلام کے اب اور کوئی نہیں اس سلسلہ میں اس ارشاد باری سے بھی رہنمائی ملتی

ہے جس میں کہا گیا ہے : ”وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْكَلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ“

وہو فی الآخرۃ من الخاسرین“ (۱)

(یعنی جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو چاہے یا پسند کرے تو اس سے وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ قیامت میں زیاں کاروں میں سے ہوگا۔)
 بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اسلام وہ ہے جو آپؐ لے کر آئے اس کے سوا سب غیر اسلام ہے۔

قرآن سابقہ کتابوں کا نسخہ ہے!

قرآن کریم کے بارے میں ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ آخری کتاب ہے اور یہ اس سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں کی نسخہ ہے خواہ وہ زبور ہو، تورات ہو یا انجیل۔ چنانچہ آپ قرآن کریم کے سوا کسی اور کتاب کے مطابق اللہ کی عبادت نہیں کی جائے گی۔ اس سلسلہ میں ارشاد خداوندی ہے۔

"وَاَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنْ الْكِتَابِ وَهُدًى وَإِسْلَامًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ" (۲)

(یعنی دے بنی!) اتاری ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب سچائی کے ساتھ تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو اس سے پہلے (کتاب) ہے اور یہ محافظ ہے اس پر تو آپ فیصلہ فرمادیں ان کے درمیان اس سے جو نازل فرمایا اللہ نے اور آپ نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کے اس حق کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس آیا ہے۔)

تورات و انجیل کے موجودہ نسخے محرف ہیں!

اس نظر پر پرایمان لانا ضروری ہے کہ تورات و انجیل قرآن سے منسوخ ہو چکیں، پھر ان میں بہت سی تحریف و تبدیلیاں اور کسی بیشی ہو چکی جیسا کہ اس کا ذکر قرآنی آیات میں بھی ہے مثلاً ایک آیت اس سلسلہ میں یوں ہے:

”فبما نقتضهم میثاقہم لعناہم وجعلنا قلوبہم قاسیة
یحرفون الکلم من مواضعہ ونسوا حظا مما ذکر وایہ ولا تنزال
نطلع علی خائنة منهم الا قلیلا منهم“ (۳)

ایسی بوجہ ان کی عہد شکنی کے ہم نے اپنی رحمت سے انہیں دور کر دیا اور ان کے
دلوں کو سخت کر دیا۔ وہ اللہ کے کلام کو اپنی اصل جگہ سے بدل دیتے ہیں اور انہوں نے
بھلا دیا بڑا حصہ جس کے ساتھ انہیں نصیحت کی گئی تھی اور آپ ان کی خیانت پر ہمیشہ
آگاہ ہوتے رہیں گے بخزان کے چند آدمیوں کے)۔

ایک اور آیت طیبہ میں ہے: ”فویل للذین یکتبون الکتاب بایدہم
ثم یقولون ہذا من عند اللہ لیشتر وایہ ثننا قلیلا فویل لہم مما
کتبت ایدہم وویل لہم مما یکسبون“ (۴)

(پس ہلاکت ہو ان کے لئے جو خود اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے
ہیں یہ تو اللہ کی طرف سے ہے، تاکہ اس کے بدلے معمولی قیمت وصول کر لیں، پس ہلاکت
ہو ان کے لئے ان کے ہاتھوں سے لکھنے کی وجہ سے اور ہلاکت ان کے لئے اس مال کی
وجہ سے جو وہ اس طرح کماتے ہیں)

انہی کے بارے میں اللہ رب العزت نے مزید فرمایا: ”وان منهم فریقاً
یلوون السننہم بالکتاب لتحسبوا من الکتاب وماہون
الکتاب ویقولون ہو من عند اللہ وماہون عند اللہ ویقولون
علی اللہ الکذب وہم یعلمون“ (۵)

(بے شک ان میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ مڑاتے
ہیں تاکہ تم خیال کرنے لگو کہ یہ بھی اصل کتاب ہی سے ہے حالانکہ وہ کتاب سے نہیں

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ بھی اللہ کی طرف سے اترا ہے حالانکہ وہ اللہ کے پاس سے نہیں اترا اور وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں۔

ان آیات طیبات سے واضح ہوا کہ اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں کس قدر من گھڑت باتیں شامل کر کے طرح طرح کی تبدیلیاں پیدا کیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی اس دھاندلی کا پردہ چاک کر دیا اور وضاحت فرمادی کہ ان کتابوں میں بہت کچھ رطب و یابس یہ کہہ کر شامل کر دیا گیا کہ یہ اللہ ہی کا نازل کردہ ہے حالانکہ پروردگار نے اسے نازل نہیں کیا۔ اس وضاحت کے بعد یہ بات از خود ثابت ہو گئی کہ اب ان کتابوں میں اگر کچھ باتیں اصل باقی بھی ہوں تو وہ نزول قرآن سے منسوخ ٹھہریں اور جواصل نہیں بعد کی شامل کردہ ہیں وہ از خود باطل و مردود ہیں۔

تورات و انجیل اب قابل استفادہ نہیں!

نزول قرآن کے بعد تورات و انجیل سے استفادہ کرنا یا انہیں قابل استفادہ سمجھنا ہی بنیادی طور پر غلط ہے۔ مسند احمد بن حنبل اور سنن دارمی وغیرہ کی روایت ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تورات کا نسخہ دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور فرمایا اے عمر کیا تم کسی شک میں مبتلا ہو؟ کیا میں تمہارے پاس ایک روشن اور صاف تقریری کتاب نہیں لایا؟ اس وقت اگر میرے بھائی موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو انہیں بھی قرآن اتنا ہی اچھا نہ تھا۔ (۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام اقوام و ملل کا ایمان لانا ضروری ہے:

اس کے اعتقادی اصولوں میں یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ ہمارے نبی و رسول سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خاتم الانبیاء و المرسلین ہیں جیسا کہ خود رب العزت نے صراحت سے فرمایا۔
 ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا اللَّهَ وَاتَّبِعُوا رَسُولَهُ﴾ (مائدہ: ۹۰)
 ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ خُذْ مَا آتَاكَ الرَّسُولُ وَخُذْ إِلَيْكَ مَا آتَاكَ اللَّهُ﴾ (احزاب: ۵۱)
 ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا الدَّيْتِ﴾ (نساء: ۵۹)
 ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا الدَّيْتِ﴾ (نساء: ۵۹)
 ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا الدَّيْتِ﴾ (نساء: ۵۹)

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ تو اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔ چنانچہ نبی آخر الزماں علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد اور کوئی نبی و رسول قابل اتباع نہیں رہا اور اگر انبیائے سابقین میں سے کوئی زندہ ہوتا تو اسے بھی حضور ہی کی اتباع کرنا لازم ہوتی۔ اس سلسلہ میں ارشاد باری ملاحظہ فرمائیے: ارشاد ہے:

وَإِذَا خَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الْبَنِيَيْنِ لَمَا اتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتَقُولَنَّ لَهُمْ هُوَ الَّذِي أَخَذَ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُ وَلَنَجْعَلَ لِكُلِّ فِتْنَةٍ عَذَابًا (۷)

اور یاد کرو جب اللہ نے انبیاء سے پختہ وعدہ لیا کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو میں تمہیں کتاب و حکمت سے دوں۔ پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائے جو تصدیق کرنے والا ہوا ان کتابوں کی جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا اسکے بعد فرمایا: کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس پر تم نے میرا بھاری ذمہ اٹھایا، سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا (اللہ نے فرمایا) تو گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں مطلع کیا ہے کہ جب وہ قیامت کے قریب دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو وہ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوں گے اور حضور ہی کی شریعت کے احکامات کا نفاذ کریں گے۔ اللہ رب العزت کا یہ ارشاد بھی اتباع محمد اور پیروی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید میں نازل ہوا فرمایا:

"الَّذِينَ يَسْتَفْتُونَ الرَّسُولَ الْبَنِيَّ الْإِلَهِيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُ

فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ" (۸)

کہ وہ لوگ جو اس نبی امی و رسول کی اتباع کرتے ہیں جس کا ذکر وہ لکھا ہوا پاتے ہیں

اپنے پاس تورات و انجیل میں)۔

اسلام کے اعتقادی اصولوں میں یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام لوگوں کے لئے عام ہے ارشاد باری ہے۔

وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیراً و نذیراً و لکن اکثر الناس لا

یعلمون (۹۰)

(بہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے
بنکر) مگر اکثر لوگ (یہ بات) نہیں جانتے۔ ایک اور جگہ اسی سلسلہ میں فرمایا قد یا ایہا الذین
انتم رسول اللہ الیکم جمیعاً (۹۱) (اے نبی آپ فرمادیجئے اے لوگو! بے شک میں تم سب
کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں) اس طرح اور بھی بہت سی ایسی آیات طیبات ہیں
جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیامت تک کے لئے نبی بنا کر بھیجا جانا اور آپ ہی کی
اتباع واجب ہونا ثابت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے کافر ہیں؛

اسلام کے اعتقادی اصولوں میں یہ بات بھی طے ہے کہ ان تمام لوگوں پر کفر کا حکم لگایا
جائے گا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان نہ لائیں خواہ وہ مشرک ہو
یا اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور انہیں کافر ہی کہا جائے گا۔ اور انہیں اللہ کے دشمن اللہ کے
رسول کے دشمن اور مومنین کے دشمن کہا جائے گا۔ اووہ جہنمی ہیں۔ اس سلسلہ میں ارشادات
خداوندی بڑے واضح ہیں دیکھئے:

لم یکن الذین کفروا من اهل الکتاب والمشرکین منفکین حقنا ہم
الینسہ (۱۱) (کفر کرنے والے اہل کتاب اور مشرکین اپنے دین کو چھوڑنے والے نہ تھے
یہاں تک کہ ان کے پاس روشن دلیل آجائے) اسی سورت میں دوسری جگہ اہل کتاب
فرس میں شمار کرتے ہوئے کہا: ان الذین کفروا من اهل الکتاب

والمشركين في نار جهنم خالدين فيها اولئك هم شر البرية (۱۲)
 (بے شک وہ لوگ جنہوں نے اہل کتاب میں سے کفر کیا اور شرک کرنے والے سب
 جہنم کی آگ میں ہوں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے وہی ساری مخلوق میں بدتر ہیں)۔
 صحیح مسلم کی ایک روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات پاک کی قسم
 جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اس امت کے لوگوں میں سے جس کسی نے مجھے
 میرے بارے میں سنا ہو خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی۔ پھر وہ مجھ پر ایمان لائے بغیر مر جائے۔
 تو وہ جہنمی ہی ہو کر مرے گا۔ (۱۳)

حواشی و حوالہ جات

۱، سورہ آل عمران آیت: ۸۵ ۲، سورہ مائدہ آیت: ۴۵

۳، سورہ المائدہ آیت: ۱۳ ۴، سورہ البقرہ آیت: ۷۹

۵، سورہ آل عمران آیت: ۷۸ ۶، سنن دارمی، مسند احمد بن حنبل

۷، سورہ آل عمران آیت: ۸۱ ۸، سورہ الاعراف: ۱۵۷

۹، سورہ سبا: ۲۸ ۱۰، سورہ الاعراف: ۱۵۸

۱۱، البینہ ۱ ۱۲، البینہ ۶ (۱۳) صحیح مسلم

یوپی تعلیمی نصاب کی چند اہم کتب

تاریخ ملت جلد اول (نبی عربی)	قاضی زین العابدین	غیر مجلد ۲۵ روپے	مجلد ۳۵ روپے
تاریخ ملت جلد دوم (خلافت راشدہ)	"	غیر مجلد ۵۰ روپے	مجلد ۶۰ روپے
تاریخ ملت جلد سوم (خلافت بنی امیہ)	"	غیر مجلد ۵۰ روپے	مجلد ۶۰ روپے
تاریخ ملت جلد ہفتم (خلافت عثمانیہ)	مفتی انتظام اللہ شہبائی	غیر مجلد ۵۰ روپے	

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سرپرست اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی

عالیجناب علیم عبدالمجید صاحب چانسلر جامعہ ہمدرد نئی دہلی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مجلس ادارت اعزازی

سید اقتدار حسین
ڈاکٹر معین الدین بقالی
محمود سعید بلالی
ڈاکٹر جوہر قاضی

برہان

نگران اعلیٰ

محترم مولانا علیم محمد زماں حسینی

شمارہ ۲۴

جون، جولائی ۱۹۹۸ء

جلد: ۱۲۲، ۱۲۳

تفصیلی

شمارے

اگر

- نظرات عید الرحمن عثمانی ۲
- مغربی فن تعمیر پر اسلامی فن تعمیر کے اثرات (قسط ۴)
- ۶ (ترجمہ: جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم۔ اے)
- وحدت ادیان ڈاکٹر نور احمد شاہماز، کراچی یونیورسٹی پاکستان ۱۳
- میرزا جلال ابیر اصفہانی کے غیر مطبوعہ قطعات
- ۱۹ ڈاکٹر وجیہ الدین ایم۔ ایس۔ یونیورسٹی برطردہ (گجرات)
- ۲۷ تبصرہ
- ۲۹ آفرین! اسلامیہ جمہوریہ ایران

جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

منیجر ماہنامہ بُرہان

4136 - اردو بازار جامع مسجد دہلی-110006 فون نمبر 3262815

زیر تعاون

فی پرچہ: ۶ روپے

سالانہ: ۷۲ روپے

کمپیوٹر کتابت

CREATIVE VISION

عید الرحمن عثمانی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے خواجہ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

نظرات

گھر گھر میں ٹیلی ویژن اور اس پر مار دھاڑ پر مبنی فلموں نے معاشرہ کا اس قدر برا حال کر دیا ہے کہ تشدد اور جہوری، بڑے زنی، زنا کاری کے واقعات کی بھمارنے بیسویں صدی کے انسان کا جینا دو بھر کر دیا ہے۔ اور اب ایک سو بیسویں صدی آرہی ہے اس میں ایک سائنسی اندازہ کے مطابق انسانیت سوز حرکات اس قدر عام ہو جائیں گی کہ دنیا میں عام آدمی کو زندگی آرام و چین سے بسر کرنے کے لئے صرف خواب و خیال کی دنیا ہی میں گھومنا پڑے گا۔ زندگی اس پر تنگ ہو جائے گی اور اسے دنیا میں ایسی گھٹن محسوس ہوگی کہ جس سے وہ جینے کے بجائے اپنی موت کو ہی ترجیح دینا اپنے لئے بہتر سمجھے گا۔ چنانچہ ترقی یافتہ مائڈن ممالک میں ابھی سے آسان موت کے لئے دوائیاں اور انجکشن بنانے کی تیاری شروع ہوگئی ہیں۔ آئے دن اخبارات میں یہ بات معلوم کر کے کوئی حیرت نہیں ہوتی کہ اچھے فاسے انسان نے بیٹھے بٹھائے اپنے آپ کو گولی مار کر ختم کر دیا۔ یا پنکھے سے ٹک کر خودکشی کر لی اور یا پھر کسی بلند و بالا عمارت سے چھلانگ لگا کر گود کر اپنے آپ کو موت کی دہلیز پر پہنچا دیا۔ یہ واقعات اڑکھڑکھ سال دو سال میں پہلے بھی سننے کو ملتے تھے لیکن آج حال یہ ہے کہ کسی بھی شہر یا ملک کے روزانہ اخبار میں ایسی ہی خبریں زیادہ ملیں گی جیسے خودکشی کے واقعات ہوں۔

جب دنیا میں سائنس دانوں نے ہوائی جہاز ڈی وی ریلوایا ایجاد کئے تو مائڈن انسان ایسا اترا یا کہ جیسے اس نے اپنی فلاح کا راستہ من لیا۔ مگر کچھ ہی عرصہ بعد مائڈن انسان کو محسوس

ہو کر سب ایبادات انسانوں کے لئے جہاں باعث راحت ہیں وہاں انکی وجہ سے برائیاں اور خرابیاں بھی ایسی ہیں کہ انسان کے لئے ان ایبادات کی پھر کوئی اہمیت ہی باقی نہیں رہتی ہے بلکہ اس کے مضر اثرات سامنے آنیکے بعد تو انسان اس سے پناہ مانگنے ہی پر مجبور ہے۔

خدا شناسی، خدا پرستی سے ماڈرن انسان جب دور ہوا تو اس نے اپنے آپ کو خود ہی تباہی و بربادی کے غار میں دھکیل دیا۔ اور سائنسی ایبادات پر ایسا اثر طرک کہ وہ نظام قدرت کو بھول کر اس پر سوالیہ نشان لگانے لگا لیکن جب ان ایبادات نے اپنی پہلی کھولدی تو اب انسان جاگا اور اسے حقیقت کا احساس ہوا۔ آج کا 'ماڈرن انسان' اب اپنے سکون کے لئے جگہ کا متلاشی بن گیا ہے جنگلوں میں فارم ہاؤس کی شکل میں جگہ بنا کر رہنے پر مجبور ہے جہاں دُور دُور تک کسی دوسرے انسان کی صورت نظر نہ آئے اور بولی سننے کو نہ ملے۔ یہ ہے خدا سے دور ہونیکے ماڈرن انسان کی بد نصیبی۔ اب خدا کو ڈھونڈھ رہا ہے جسے اس نے پہلے اپنے سے دور کر دیا تھا اب خدایک پناہ میں آنا چاہتا ہے۔

دن دھارے بھیڑ بھاڑ علاقوں میں خون خرابہ پھلتے پھرتے آدمیوں کا قتل، نذر اندہ بچوں کا اغوا، مران کو ان کی ماؤں کی گود سے چھین کر لیجانا یہ عام بات ہوتی جا رہی ہے۔ اگر اس پر عملد قابو نہ پایا تو پھر ہماری یہ سائنسی ترقیاں کس کام کی رہ جائیں گی جس سائنسی ترقی میں انسان کو چین و سکون میسر نہ ہو اسے حاصل کر کے اگر ہم نے اپنا وقت ضائع نہ کیا ہے تو اور کیا کیا ہے؟ خداوند تعالیٰ نے انسان کو الگ الگ فطرت سے نوازا، ہر انسان کو الگ دماغ اور الگ الگ دل دیا۔ لیکن سائنسی ایبادات نے ان سب باتوں سے بے پرواہ ہو کر ہر انسان کو ایک ہی جامہ میں رکھنے کا بیڑہ اٹھایا تو اس کا نتیجہ یہ ہونا ہی تھا جو ہم دیکھ رہے ہیں اور آئے دن روزانہ اخبارات میں پڑھ رہے ہیں۔

آخر میں ہم یہ کہے بغیر نہ رہیں گے اور جسے اب ماڈرن انسانوں نے بھی اچھی طرح سمجھنا

شروع کر دیا ہے کہ انسان کی فلاح و بقا قانونِ قدرت کی عمل داری ہی میں ہے۔ خداوند تعالیٰ کی بارگاہِ عالی میں بندہ کو اپنے کو کمالِ بجز و انکساری کے ساتھ حاضر کر کے اسکی چاہت میں اپنی چاہت کو فنا کر کے پھر وہ دیکھے کہ قدرت کی طرف سے اس پر کس قدر رحمت و کرم کی اور انسان کے لئے امن و راحت کے سامان حقیقی کی فراوانی ہوتی ہے۔ انسان کی فلاح و بہبودگی کا انحصار قانونِ قدرت کی عمل داری میں ہی ہے نہ کہ اس سے بغاوت یا لاپرواہی میں۔

جناب اٹل بھاری باجپئی کی قیادت میں حکومت کو تشکیل پائے ہوئے ۱۰۰ روز سے زائد ہو چکے ہیں اس عرصہ میں حکومت کی طرف سے اقلیتوں کے لئے کوئی ایسا خطرہ نہیں پیدا ہوا جس کا اظہار و اندیشہ کیا جا رہا تھا۔ اور مندر کے معاملے میں جناب باجپئی کا یہ واضح اعلان اخبارات میں آ ہی چکا ہے کہ بابری مسجد کی جگہ مندرِ نرمان عدالتی فیصلہ کے بغیر ہرگز نہیں ہونے دیا جائے گا۔ حالانکہ بجزنگ اور مشوہندو پریشر جیسی انتہا پسند تنظیمیں لگاتار اس کوشش میں ہیں کہ مندرِ نرمان جگہ انہ جلد ہو جائے۔ اگر ایس ایس کے سربراہ رتو بھتیجا بھی پہلے اعلان کر چکے تھے کہ مندرِ صورت میں بنے گا لیکن جب جناب باجپئی نے یہ اعلان کیا کہ عدالتی فیصلہ سے پہلے مندر بنانے کی حکومت ہند کسی کو بھی اجازت نہیں دیگی۔

وزیر اعظم جناب باجپئی کا یہ اعلان اقلیتوں کے لئے کافی اطمینان بخش ہے اور اس سے جہاں ہندوستان کے سیکولر آئین کی حفاظت ہوگی بلکہ دنیا میں بھی ہندوستان ہندوستان کے کلنک سے محفوظ رہے گا۔ جہاں باجپئی حکومت اس لحاظ سے اطمینان بخش ہے وہاں اس لحاظ سے ابھی اسے سخت استغانات سے گزرنا ہے جو عوام کی روزمرہ کے ضروریات سے تعلق رکھتی ہیں۔ آج عام آدمی کے لئے ضروریات زندگی گراں سے گراں ہوتی جا رہی ہیں اشیائے خورد و نوش مہنگی سے مہنگی ہوتی جا رہی ہیں انکی قیمتیں

آسمان کو چھو رہی ہیں۔ پانی بجلی سے لوگ ترستے جا رہے ہیں۔ گرمی کے موسم میں پورے
~~ہندوستان میں لوگوں کو گرمی کی آگ لگ چکی ہے۔~~
 مکانوں کی قلت میں لوگوں کے مکان اب کبوتر خانوں کی طرح بنے ہوئے ہیں اونچی اونچی
 عمارتوں میں روشنی اور ہوا کا کہیں گزربس نہیں ہے اب یہ اشیاء یعنی روشنی اور ہوا
 صرف مصنوعی طریقہ بجلی کے ذریعہ سے حاصل کیجا سکتی ہیں۔ اور جب یہ بھی ناپید ہو جائے
 تو ان کبوتر خانہ نما مکانوں اور بلند و بالا عمارتوں میں انسانوں کا دم نہیں گھٹے گا تو اور
 کیا ہوگا۔ ہنگامی برقا بوا اور اشیائے ضروریہ کی فراہمی جیسے مسائل بھی اگر باجپئی سرکار
 کے ذریعہ حل ہو جائے تو پھر ہم وزیراعظم باجپئی کو ان کی سرکار کی اعلیٰ کارکردگی پر مبارکباد
 کے الفاظ ضرور ادا کرنا اپنا صحافتی فرض سمجھتے۔ اس وقت ملک میں کاروبار کا سخت
 منہ ہے شیر بازار کبھی گرتے ہیں اور کبھی تھوڑا بہت چڑھتے بھی ہیں لیکن گراوٹ اس
 قدر ہوتی ہے کہ جب تھوڑا بہت شیر بازار اٹھتا ہے تو اس سے کاروباری لوگوں کو کوئی
 فائدہ ہوتا نظر نہیں آتا ڈالر کے مقابلے روپیہ روز بروز گرتا جا رہا ہے ضرورت
 ہے ان سب پر قابو پانے کی۔ اگر باجپئی حکومت نے ان سب پر قابو پایا ہنگامی
 اذراط زخم ہو جائے تو اس ہندوستان کی عوام کو صحیح معنوں میں امن و چین میسر
 نہ جائے گا اور باجپئی حکومت انکے دلوں میں گھر کر جائے گی۔ اور جو نیتا اور جماعتیں
 باجپئی سرکار کو گرانے میں ایک جٹ ہو کر لگی ہیں انھیں یقیناً منہ کی کھانی پڑے
 — انشاء اللہ!

قسط ۲

مغربی فن تعمیر پر اسلامی فن تعمیر کے اثرات

اسٹرا
(مارٹن ایس برگس)

مترجمہ: جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم۔ اے

ایم صلاح الدین نے انھیں کارخانوں کے دو کٹھنوں سے تشبیہ دے کر ان کے ساتھ کچھ زیادہ انصاف نہیں کیا ہے ہاں اس میں شک نہیں کہ یہ مینار قاہرہ کے میناروں کے حسن اور ان کی نزاکت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ایران نے بُرے جوش و خروش کے ساتھ اس عجیب و غریب قلمی آرٹسٹ (Ezzat) کی ترمیم کا استقبال کیا جس کا حال ہم نے آگے بیان کیا ہے۔

شامی مصری، مکتب تعمیر کی اہم عمارتیں سب کی سب قاہرہ میں پائی جاتی ہیں یہ جامع مسجدیں ہیں۔ ان میں جامع ازہر (۱۰۹۲ء)، جامع الحاکم (۱۰۹۹ء)، چھوٹی سی جامع الاقمر (۱۲۵۰ء) اور مقبرہ الجیش کی چھوٹی سی لیکن اہم مسجد (۱۸۵۰ء) شامل ہے۔ جامع ازہر اور جامع الاقمر میں چھتے قدیم زمانے کے ستونوں پر اٹھائے گئے ہیں۔ اور جامع الحاکم کے چھتے اینٹ کے پایوں پر بنائے گئے ہیں۔ جامع الحاکم میں پتھر استعمال کیا گیا ہے اور قاہرہ کی اسلامی عمارتوں میں پتھر کے استعمال کی

۱۔ پہاڑی سلسلوں کے اندر کہیں کہیں قدرتی غاروں میں کاربونیٹ آف لائم کا تہ نشین مادہ عموماً قلموں کی شکل میں غار کی چھت وغیرہ سے لٹکتا رہتا ہے اور پانی کے رستے سے بنتا ہے عمارتوں کے کٹھنوں میں جہاں ایسی ہی شکلیں بنائی جاتی رہیں قلمی آرٹسٹ کہا جاتا ہے۔ (مترجم)

یہ پہلی مثال ہے حالانکہ اس کے قریب ہی مقطم کی پیٹریوں میں جو نے کا نہایت نفیس بقعر
 دستیاب ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اب تک قاہرہ نے عراقی (مسیحیائی) روایتوں کی
 پوری پوری پیروی کی تھی۔ جامع الجیوشی، مقبرہ کے ساتھ مسجد کی پہلی مثال ہے۔ آگے چل کر اسی
 طرح کو بہت زیادہ ترقی دی گئی اور اس میں نئی نئی چیزیں بڑھائی گئیں۔ اس مسجد میں مقبرہ اور
 مسجد کے بانی کی قبر پر ایک گنبد بنایا گیا ہے اور مقبرہ کی جنوبی دیوار میں ایک خراب نکالی گئی ہے
 اس کا صحن چھوٹا ہے اور مسجد اور مقبرہ کے درمیان ایک چھتے دار عریض حصہ ہے۔ مسجد سے لگا ہوا
 ایک مڑے میسار ہے جو تین درجوں میں بنایا گیا ہے جیسے گنبد صقلیہ کے کلیساؤں کے اوپر نظر
 آتے ہیں۔ اسلامی فن تعمیر کی تاریخ میں گنبد کا ارتقاء حد درجہ اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن مغربی تعمیر
 کاری پر اسلامی تعمیر کاری کی اس خصوصیت نے کچھ زیادہ اثر نہیں ڈالا ہے۔ اس لئے ہم اس مختصر سے
 جائزے میں اسے نظر انداز کرتے ہیں۔ کچھ ایسے ہی مدحوہ کی بنا پر ہم یہاں اس لاجواب خصوصیت
 پر بحث نہیں کریں گے جو قلمی آرائش کہلاتی ہے مسلمان جہاں کہیں بھی گئے ہیں، قلمی آرائش ان
 کے ساتھ ساتھ ہر جگہ پہنچی ہے اور ہندوستان سے لیکر اسپین تک یہ ان کی تعمیر کاری کا امتیازی
 نشان بن گئی ہے غالباً یہ قلمی آرائش عراقی (مسیحیائی) پیداوار ہے اور مستند طور پر پہلی بار
 یہ صلت الجیوشی کے میسار پر نمودار ہوئی ہے۔ پھر یہ جامع الاقمر کے پیش رشا پر نظر آتی ہے۔
 یہاں یہ تزئین کے لئے استعمال کی گئی ہے۔ یہاں ایسی محرابیں بھی ہیں جنہیں گھونگے کے خول سے
 بنا کر تراشا گیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی محراب یقیناً نشاۃ ثانیہ کی جانی پہچانی صدف نا
 محراب کی پیش رو ہے پیش رخ کے سرے پر اس کے اطراف کو فی خط میں ایک تزئینی کتبہ چلا گیا ہے۔
 اس مسجد کی قاہرہ کی مسجدوں میں جو اور تفصیلات ملتی ہیں ان میں آرے کے دانٹوں جیسے گھڑ گج
 بھی ہیں یہ چیز بھی غالباً عراق (مسیحیائی) ہی سے لی گئی ہے۔ اس حد بندی نے بھی دینس کے
 کون اور دوسرے لوگوں کے محلوں کے معماروں کو کافی متاثر کیا ہوگا۔

تیرہویں صدی کے بعد سے ہیں تمام علاقوں میں اسلامی فن تعمیر کے آثار بہت ملتے ہیں، ان علاقوں کی فہرست میں ہندوستان اور ترکی کو شامل اور صقلیہ کو اس سے خارج کرنا چاہیے، اسپین میں اہم مملات ہیں جو الحمراء اور القصر کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ نصرانی چتے چتے کی نازک ترمیم کے لحاظ سے بہت اہم ہیں اسپین میں بعد کے اسلامی دور میں جو عمارتیں بنی ہیں وہ درجہ اول کی نہیں ہیں قاہرہ میں شاہزادہ تک نفیس ترین مسجدوں اور مقبروں کا ایک سلسلہ ملتا ہے۔ شاہزادہ میں ترکوں نے اس شہر پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد سے جو چند مسجدیں ہیں ان کے لئے عثمانی ترکوں کی طرز اختیار کر لی گئی۔ اناطولیہ کے علاقے میں قرینہ اور بروسہ کے مقاموں پر تقریباً ۱۲۰۰ء سے لیکر ۱۵۳۰ء تک نہایت دلچسپ مثالوں کا ایک سلسلہ ملتا ہے ۱۵۳۰ء میں قسطنطنیہ ترکی کا دار الحکومت بن گیا۔ اس تاریخ کے بعد سے عثمانی تعمیر کار قاہرہ اور دمشق جیسے دور دست علاقوں میں تک عمارتیں بناتے وقت بازنطینی عمارتوں سے بہت سی چیزیں نہایت آزادی کے ساتھ مستعار لینے لگے۔ ایران ترکستان اور ہندوستان میں بعد کے دوروں کی اسلامی عمارتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ موجود ہے اور ہندوستان میں عالیہ زمانوں تک بھی ان ہی تعمیری روایتوں کو اپنے پیش نظر رکھا گیا ہے، اسلامی تعمیر کاری کے بعد کے پانچ اہم مکاتیب میں واضح مقامی خصوصیات ایک دوسرے میں امتیاز پیدا کرتے ہیں۔ یہ پانچ مکاتیب حسب ذیل ہیں: شامی مصری مکتب، اندلس کا اسلامی مکتب، ایرانی مکتب، عثمانی ترکوں کا مکتب اور ہندوستانی مکتب۔ ان مکتبوں کے یہ باہمی اختلافات ایک حد تک قابل حصول تعمیری سلسلے کا نتیجہ ہیں۔ لیکن بڑی حد تک ان اختلافات کی بنیاد تعمیری روایتوں پر رکھی ہے۔

قرون وسطیٰ میں مسجد کے نقشے کے ارتقار میں بڑا تنوع نظر آتا ہے بعض ملکوں میں اب بھی جامع مسجدیں بنتی رہیں۔ مقبرہ کے ساتھ مسجد بنانے کا شوق بہت مقبول ہوا۔ اس فہرست

میں مدرسہ یعنی صلیبِ نمادِ مسیح اور مسجد بھی آجاتی ہے جس کا نقش بارہویں صدی میں ایجاد ہوا۔ گنبدِ اسلامی تعمیر کاری کا ایک محبوب نشان بن گیا۔ قاہرہ میں اس کی شکل اونچی سی ہوتی تھی ایران اور ترکستان میں پھولے ہوئے یا بیضوی گنبد زیادہ پسند کئے جاتے تھے اور مصر قسطنطنیہ کے مسجدوں میں دئے ہوئے بازِ نبطی گنبد بنائے جاتے تھے۔ مصر کے سنگی گنبدوں کو باہر کی طرف مندرہویں صدی میں لیس نامونوں سے بچایا جاتا تھا۔ ایران میں گنبد تاناک کا شی کاری سے مزین کئے جاتے تھے۔ ان گنبدوں کو قلعی آرائش میں بنے ہوئے گنبد کے گردی حصے ہمارے تھے۔ بے شبہ قلعی آرائش ہر جگہ استعمال ہوتی تھی۔ اکثر تو یہ آرائش ضرورت سے زیادہ ہوتی تھی۔ کبھی ٹوپو قلعی آرائش چھت سے اسی طرح آویزاں کی جاتی تھی جس طرح کہ ہماری پنکھا نما انگریزی لارڈ چھتوں میں آویزے ہوتے ہیں۔ ایک طرف اگر اسلامی گنبدوں نے مغرب کے نشاۃ ثانیہ کے گنبدوں کو بہت کم متاثر کیا ہے تو دوسری طرف یہ بہت ممکن نظر آتا ہے کہ دلکش طرز کے اسلامی میناروں نے اور خاص کر چودہویں اور پندرہویں صدی کی قاہرہ کی عمارتوں میں پائے جانے والے میناروں نے نشاۃ ثانیہ میں اطالیہ کے گھنٹہ گھر (Campanile) اور ایسے ہی شہر تعمیر کار کرسٹوفر فون (C. Loren) کے بنائے ہوئے شہر کے بعض نفیس نیکیے میناروں کو متاثر کیا ہوگا۔ بے شبہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد تک اسلامی تعمیر کاروں نے گنبد اور مینار کو الیک دوسرے کے مقابل بنانے کے امکانات محسوس کر لئے تھے، بالکل ایسے ہی جیسے کرسٹوفران نے آگے چل کر سینٹ پال کے کلیسا میں گنبد اور میناروں کو نہایت مؤثر انداز میں ایک دوسرے کے مقابل استعمال کیا۔ لارڈان کے قدرے بے ڈول سے استوانہ میناروں اور عثمانی ترکوں کے محبوب پنسل نما طرز کے میناروں کو اپنے وطنوں کے باہر نہیں بھی حسن قبول حاصل نہیں ہوا۔

جیسے جیسے اسلامی تعمیر کاری آگے بڑھتی گئی مدور گھڑنگلی کمانوں اور نیکی گھڑنگلی کمانوں کی

حسن قبول برقرار رہا۔ نیم مدور یا معمولی نیکیلی یاد و مرکڑوں والی کان جس کی سطح جست کا خاؤ سیدھے خطوط میں تبدیل ہو جاتا ہے، زیادہ تر اپنے وطن میں اور باہر کہیں کہیں استعمال ہوتی رہی۔ یہ کان کسی قدر ہماری ٹیوڈز (جھلکے) کان سے ملتی جلتی ہے۔ کثیر رنگ یا کثیر نعلی کانیں عام ہو گئیں اور خستی ڈاٹ کے جھتوں اور خستی ڈاٹوں کی شکل میں سطح کی تزئین کے لئے استعمال کی جانے لگیں۔ گھر گم میں کئی شاخیں نکالی جانے لگیں یا انھیں دندانہ نما بنایا جانے لگا۔ گھر کیوں کے موکوں میں پتھر کا کٹاؤ کام کیا جاتا رہا یا ان میں جالیاں لگائی جاتی رہیں یہ کام یا تو پتھر میں ہوتا یا سنگستر میں۔ ان میں بھرے رنگ کے شیشے لگائے جاتے تھے اور غالباً اس سے پہلے لگائے جاتے تھے جبکہ مغربی ملکوں میں رنگین شیشوں کا رواج ہوا۔ سطح کی زیبائش کے لئے تزئینی کتبے لگائے جاتے تھے جو یا تو سنگستر میں ڈھالے جاتے تھے یا لکڑی کے اندر کندہ ہوتے تھے اور انکے بیچ بیچ میں ہندسی شکلیں دی جاتی تھیں کیونکہ اسلامی دینیات کی رو سے جانداروں کی شکلیں بنانے کی اجازت نہ تھی۔ کندہ کاری میں نمایاں ابھرواں کام مصر کی اسلامی عمارتوں میں کہیں کہیں دکھائی دیتا ہے حالانکہ ہندوستان میں ایسا کام بہت دکھائی دیتا ہے، نہایت نازک ہندسی سطحی نمونوں کے آزادانہ استعمال سے اس کو موثر بنایا جاتا ہے۔ یہ ہندسی نمونے پتھر سنگستر میں کندہ ہونے کی بہ نسبت گودے ہوئے سے ہوتے ہیں۔ اور آگے مشرق میں خاص کوہستان اور ترکستان میں جہاں ایڑٹ عام تعمیری مسالہ ہے، روغنی ٹائیلوں سے بہت زیادہ کام لیا گیا ہے۔ ایک عربی ٹیک ان ٹائیلوں کے لئے ہندسی اور بے جان چیزوں کی شکلوں کے نمونے ہی زیادہ پسند کئے جاتے رہے پھر زیادہ فطری انداز اختیار کیا گیا اور گل بوٹوں کے بنانے کا رواج ہوا۔ انگریزی زبان میں (Arabesque) (گل بوٹے) کی اصطلاح جو انگلستان میں کم ابھرواں کام کے لئے ملکہ الزبتھ کے زمانے سے اب تک استعمال ہوتی چلی آرہی ہے، اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ اس بارے میں ہم کسی نہ کسی طرح قرون وسطیٰ کے عربوں کے ضرور احسان

مندیں۔ تزیین کی ایک اور صورت جو قاہرہ میں عام ہے لیکن اور دوسرے مقاموں پر اتنی عام نہیں، ہلکے اور گہرے رنگ کے پتھروں کا چنائل کے افقی دوروں میں یکے بعد دیگرے استعمال کرنا ہے اس رواج کی اصل رو مایا باز نطینہ سے منسوب کی جاسکتی ہے جہاں پتھر کی دیواروں میں خشتی جھلنا چنائل کے دور وقفے وقفے سے استعمال کئے گئے ہیں۔ لیکن یہ بات ابھی مشتبہ ہی ہے اسی طرح پیسا (Pisa) جینوا، سینا (Sena) فلانس اور اطالیہ کے دوسرے شہروں میں سنگ مرمر کی عمارتوں کے دہاری دار روکار غالباً قاہرہ ہی سے لئے گئے ہیں، کیونکہ قرون وسطیٰ کے دوران میں قاہرہ سے ان شہروں کے گہرے تبادلی تعلقات قائم تھے ایسے ہی اور گئے (Auzoume) کے قصرے پیو (Sepe) اور ہمارے وطن کے شہر نارتھ ہامپٹن (Northampton) کے سینٹ پیٹر کلیسا میں مختلف رنگوں کے پتھروں کی تعمیر کاری نظر آتی ہے۔ (جاری)

۱۔ ان تمام محنتوں کے لئے میری کتاب مصر اور فلسطین میں اسلامی فن تعمیر کا رسواں باب اسلامی تزیین کاری کی ماہیت ملاحظہ ہو۔

جامعہ عربیہ اعزاز العلوم کے سالانہ اجلاس کا انعقاد

جامعہ عربیہ اعزاز العلوم قصبہ ویٹ ضلع غازی آباد (یوپی) ۱۸ مئی ۱۹۸۸ء کو سالانہ جلسے کا انعقاد کیا گیا تمام ملک کے محدثین اور عالم دین نے شرکت فرمائی خاص طور پر حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے والد مولانا عبدالعلیم فاروقی ندوی نے اپنی بصیرت افروز دو گھنٹہ کی تقریر میں مطالب کیا مفتی قاری شوکت علی صاحب مہتمم جامعہ عربیہ اعزاز العلوم نے اعلیٰ انعام کر کے اس کو باغ و بہار بنا دیا خوشی کا بتا ہے کہ قبلہ والد حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ کی جگہ مجھے ہر پر و گرام میں شرکت کے لئے دعوت دیتے ہیں مجھے مدرسہ کی ترقیات دیکھ کر خوشی ہوئی ہے قاری شوکت علی صاحب قابل مبارکباد ہیں۔

مستطاب

وحدتِ ادیان

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز، کراچی یونیورسٹی، پاکستان

وحدتِ ادیان کی دعوت ایک مکروہ چال ہے !

ان مذکورہ بالا اعتقادی اصولوں اور شرعی حقائق کے پیش نظر "وحدتِ ادیان" کی دعوت اور ان ادیان میں قرب پیدا کرنے اور پھر انہیں ایک دین بنانے کی دعوت دراصل ایک فعلِ خبیث ہے اور دشمنانِ اسلام کی ایک مکروہ چال ہے اس دعوت و فکر کا مقصد حق و باطل کے امتیاز کو ختم کر کے انہیں خلطِ مسلط کرنا ہے اور اس طرح اسلام جو ایک سماجِ مذہب اور بلشتِ مصطفیٰ (علیہ السلام) کے بعد سے واحد سماجِ مذہب اور واحد قابلِ اتباع و واجبِ تعظیم مذہب قرار پایا ہے اس کو نقصان پہنچانے کی یہ ایک گہری سازش ہے۔ یہ ایک طرح کی کفر کی ہم ہی نہیں بلکہ اندر ہی اندر اسلام کے خلاف (گوریلا) جنگ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس چال سے مسلمانوں کو خبردار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَلَیْسَ الذِّنُّونَ

یَقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدَّوْكُمْ عَنْ دِیْنِكُمْ اِنْ اَسْتَطَاعُوا (۱۲)

اور وہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ تمہیں تمہارے دین سے لوٹا دیں گے اگر اس کی استطاعت پائیں (لڑائی کے معنی لازمی طور پر یہی نہیں کہ دو بدو لڑا جائے اور اسلحہ کا استعمال ہو بلکہ جنگ کے اور بھی بہت سے انداز ہیں دوست بن کر اور دوستی کی دعوت دیکر دھوکہ دینا اور دوستی کے لباوے میں دشمنی کرنا اور

جڑ میں کاٹنا یہ یہود و نصاریٰ کی پرانی عادت رہی ہے۔ اب بھی یہی کیا جا رہا ہے کہ وحدتِ ادیان کا خوشنما نعرہ لگا کر دراصل اسلام کو کمزور اور ختم کرنا مقصود ہے۔

التَّوْبَةُ الْعِزَّتُ لَہِ اہل اسلام کو طاعت کی ایسی چالوں سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا
 دُواوَلْتَكْفُرُوْنَ کما کفروا فتنکونون سوا (۱۵) وہ دل سے چاہتے ہیں
 کہ تم بھی کفر کا ارتکاب کرو جیسے انھوں نے کفر کیا تاکہ تم سب برابر ہو جاؤ (اب اس آیت
 کو بحیثیت کی روشنی میں "وحدتِ ادیان" کے اس نعرہ اور دعوت پر غور کیجئے کہ کیا ان کی یہ سازش
 نہیں کہ وہ اہل اسلام کو بھی اپنے ساتھ ملا کر اپنے جیسا کر لیں اور سب کو برابر درجہ حاصل
 ہو جائے۔ اب اس دعوت کے نتیجہ میں سب مسلمان تو ہوں گے نہیں۔ ہاں البتہ جو انہیں
 حق پر اور سچے مذہب پر قائم ملنے لگا وہ انہی جیسا (کافر) ہو جائے گا اور یہی اس کی
 ہال ہے۔

اس دعوت کا مقصد شہادتوں کا زیاں اور جہاد کی نفی ہے:

اس دعوت گناہ کا مقصد اسلام اور کفر کے مابین قائم فرق و امتیاز کو ختم کرنا ہے
 اور معروف و منکر کا فرق مٹانا ہے اس طرح مسلم و کافر کے مابین قائم ایک اڑ اور حد
 کو ختم کرنا ہے چنانچہ اس کے نتیجہ میں جہاد اور اللہ کے دین حق کی سر بلندی کی خاطر پیش
 کی جانے والی شہادتوں کا خاتمہ مطلوب ہے اور اللہ کی سر زمین میں اللہ کا نام بلند کرنے
 والوں کو ایک مکروہ حیلہ کے ذریعہ جہاد سے روکنا اور منع کرنا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا
 حکم ہر دور کے لئے اور قیامت تک کے لئے اہل اسلام کو یہ ہے کہ: قَاتِلُوا الَّذِیْنَ
 لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْآخِرِ وَلَا یَحْزِنُوْنَ مَا صَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ
 وَلَا یَدْرِیْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اَوْتُوْا الْکِتَابَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ

یہ دھم سا فروت (۱۷) (جنگ کروان سے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور اس چیز کو حرام نہیں سمجھتے جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا اور دین حق کو قبول نہیں کرتے وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں کتاب دی گئی (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں ذلیل و خوار ہو کر)۔

اب بتائیے بھلا شراب نوش اور خنزیر خور، زانی و لوطی لوگوں کے ساتھ "وحدت ادیان" کے کسی معاہدہ میں معاملہ میں شریک ہوا جاسکتا ہے؟ وہ جن کے نزدیک ہم جنس پرستی سمیت ہر وہ کام جائز ہو جسے عوام اور پارلیمنٹ جائز اور حلال قرار دے دیں اگرچہ اللہ نے اسے حرام قرار دیا ہو ایسے لوگوں کے ساتھ "وحدت ادیان" کی پیٹنگیں بڑھانا سر کفر و ارتداد ہے۔ انہیں تو نہ چاؤ کھانے زیر دست رکھنے اور ان سے جنگ کرتے رہنے کا حکم ہے نہ کہ ان کی دعوت و وحدت ادیان پر لبیک کہنے اور ان سے دوستی گانٹھنے کا۔

ارشاد باری ایسے مشرکوں کے بارے میں یوں ہے۔ **وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ** (۱۷) (جنگ کرو مکاشرکوں سے جیسے وہ جنگ کرتے ہیں تم سب سے اور جان لو کہ اللہ ہر ہیزگاروں کے ساتھ ہے)۔

اس دعوت پر لبیک کہنا ارتداد ہے!

"وحدت ادیان" کی دعوت اگر کوئی مسلمان پیش کرے یا اس پر فریب نعرہ کا پروپیگنڈہ اور اس مقصد کے لئے کام کرے تو وہ مرتد شمار ہوگا اور اسلام سے اس کا تعلق ختم تصور ہوگا کیونکہ یہ دعوت اسلام کے نبی اوی اعتقادی اصولوں سے متصادم ہے۔ ایسی دعوت کا داعی گویا اللہ کے ساتھ کفر کرنے کی دعوت دے رہا ہے اور قرآن کی حقانیت کو باطل کر رہا ہے اسی طرح وہ قرآن کے اس حکم کے خلاف کام کر رہا ہے جس میں سابقہ ادیان و مذاہب اور کتب کو منسوخ قرار دیا گیا۔ چنانچہ یہ ایک قابل مذمت

اقدام ہوگا اور ایسا اقدام کرنے والا دلہ شرمیہ، قرآن و سنت اور اجماع کے بموجب مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔

قابل غور امور:

مذکورہ بالا آٹھ ضروری باتوں کی روشنی میں اہل اسلام کو درج ذیل امور پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

● کوئی بھی مسلمان جو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی در رسول سمجھتا ہو اسے "وحدت ادیان" کی مکروہ دعوت دینا، اس کے لئے کام کرنا اس پر پسندیدگی کا اظہار کرنا اور مسلمانوں میں اس کا پردہ پیگندہ کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح اس دعوت گناہ کی خاطر کسی قسم کی کانفرنس منعقد کرنا، میمنارز اور اجتماعات کرنا یا ان میں شریک ہونا بھی گناہ ہے۔

● کسی مسلمان کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ تورات و انجیل (بائبل) کی الگ سے طباعت کرے چہ جائے کہ وہ قرآن کریم کے ساتھ ملا کر ان کو چھاپے، شائع کرے اور ایک ہی جلد میں تینوں کو جمع کر کے ان کی طباعت و اشاعت کا اہتمام کرے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو یہ اس کی گمراہی اور دین سے دوری متصور ہوگی کیونکہ کوئی مسلمان حق اور باطل کو یکجا کرنے کی جرات و جسارت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ان کتابوں کو جمع کر کے اکٹھے شائع کرنا عین حق (قرآن) اور تحریف شدہ و منسوخ شدہ حق (تورات و انجیل) کو جمع کرنا ہوگا جو کہ ناجائز اور باعث گناہ ہے۔

● کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ مسجد چرچ اور یہودی ٹمپل اکٹھے بنائے یا بنانے میں شریک ہو کیونکہ ایسا کرنا دراصل دیگر دو مذہب کو سچا جانتے ہوئے ان کی عبادت گاہ بنانے اور تعمیر کرنے میں شریک ہونا ہے۔ یہ ایک مادی فکر اور گمراہ کن اعتقاد ہے کہ

کے سوا نہ کوئی دوسرا دین اصل حالت میں باقی ہے اور نہ بچا ہے بلکہ تمام ادیان و ملتیں
 قرآن کے آجانے کے بعد منسوخ قرار پا چکیں اور اب کسی کو بھی اپنی مرفی کا دین اختیار
 کرنے کی اجازت نہیں بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق سب کو دین اسلام و دین مصطفیٰ کو
 قبول کرنا اور اس کو اختیار کرنا لازم ہے اور جو کوئی اس سے انحراف کرے گا وہ اللہ کا
 باغی ہوگا کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے ۔ ومن یتبع غیرہ فلا یدعنا فیما ینصرون
 (کہ جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کرنا چاہے تو یہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا)
 اسی طرح چرچوں یا یہودی عبادت گاہوں کو اللہ کا گھر کہنا بھی جائز نہیں کہ ان میں
 اب اللہ کے حکم کے مطابق عبادت نہیں کی جاتی بلکہ اپنی خواہش نفس کے مطابق عبادت
 ہیں۔ کیونکہ اللہ کا آخری حکم تو یہ ہے کہ عبادت قرآن کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق
 کی جائیں اور وہی عبادت معتبر اور عند اللہ مقبول بھی ہوں گی جو اس کے آخری حکم کے
 مطابق ہوں۔ اہل اللہ کی روشنائی میں دیکھ لیے کہ چرچ اور پٹیل میں ہونے والی عبادت
 کی حیثیت کیا رہی جاتی ہے اور جب وہ عبادت، عبادت نہیں رہیں تو اس کے لئے
 بنائے جانے اور تعمیر کئے جانے والے عبادت خانے "بیوت اللہ" اللہ کے گھر کہلانے
 کے مستحق کیوں کر ہوں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ اب ان عبادت خانوں میں اللہ کی عبادت
 نہیں بلکہ کفر ہو رہا ہے سو یہ "بیوت کفر" کفر گاہیں کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں۔
 شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے مجموع الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ یسعت الیسع واکتفائش
 بیوت اللہ (۱۸) یعنی یہودی عبادت خانے اور چرچ اللہ کے گھر نہیں ہیں۔

انکی دعوت دی جائے، انکی دعوت پر لبیک نہ کہا جائے :

کافروں کو دعوت اسلام دینا عموماً اور اہل کتاب کو دعوت اسلام دینا خصوصاً از روئے نصوص قطعیہ صریحہ مسلمانوں پر واجب ہے۔ مگر اس دعوت کا انداز حکیمانہ ہونا ضروری ہے البتہ دعوت اسلام کے حکیمانہ انداز میں اس بات کا خیال ضروری ہے کہ اپنے اصول و ضوابط میں سے کسی سے بھی دستبرداری نہیں کی جائے گی بلکہ دعوت دین کا انداز ایسا ہو کہ دوسرے

۱۹۸۱ء اور اگر دو قائل نہ بھی ہو تو کم از کم حجت تمام ہو جائے تاکہ اس

۱۹۸۱ء اور اگر دو قائل نہ بھی ہو تو کم از کم حجت تمام ہو جائے تاکہ اس

۱۹۸۱ء اور اگر دو قائل نہ بھی ہو تو کم از کم حجت تمام ہو جائے تاکہ اس

۱۹۸۱ء اور اگر دو قائل نہ بھی ہو تو کم از کم حجت تمام ہو جائے تاکہ اس

۱۹۸۱ء اور اگر دو قائل نہ بھی ہو تو کم از کم حجت تمام ہو جائے تاکہ اس

۱۹۸۱ء اور اگر دو قائل نہ بھی ہو تو کم از کم حجت تمام ہو جائے تاکہ اس

۱۹۸۱ء اور اگر دو قائل نہ بھی ہو تو کم از کم حجت تمام ہو جائے تاکہ اس

۱۹۸۱ء اور اگر دو قائل نہ بھی ہو تو کم از کم حجت تمام ہو جائے تاکہ اس

۱۹۸۱ء اور اگر دو قائل نہ بھی ہو تو کم از کم حجت تمام ہو جائے تاکہ اس

۱۹۸۱ء اور اگر دو قائل نہ بھی ہو تو کم از کم حجت تمام ہو جائے تاکہ اس

۱۹۸۱ء اور اگر دو قائل نہ بھی ہو تو کم از کم حجت تمام ہو جائے تاکہ اس

۱۹۸۱ء اور اگر دو قائل نہ بھی ہو تو کم از کم حجت تمام ہو جائے تاکہ اس

تینوں مذہب (اسلام، یہودیت اور عیسائیت) سب سے ہیں اور دنیا میں روئے زمین پر
 آباد لوگ جس مذہب کو چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔ یہ کھلی گمراہی ہے۔ کیونکہ اب اسلام
 کے سوا نہ کوئی دوسرا دین اصل حالت میں باقی ہے اور نہ سچا ہے بلکہ تمام ادیان و توحش
 قرآن کے آجانے کے بعد منسوخ قرار پا چکیں اور اب کسی کو بھی اپنی مرضی کا دین اختیار
 کرنے کی اجازت نہیں بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق سب کو دین اسلام دینِ مصطفیٰ کو
 قبول کرنا اور اس کو اختیار کرنا لازم ہے اور جو کوئی اس سے انحراف کرے گا وہ اللہ کا
 باغی ہوگا کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے۔ وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ ذَلِكَ سَلَامٌ دِينَ فَلَئِنْ يَقْبَلَ مِنْهُ
 (کہ جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کرنا چاہے تو یہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا)
 اسی طرح چرچوں یا یہودی عبادت گاہوں کو اللہ کا گھر کہنا بھی جائز نہیں کہ ان میں
 اب اللہ کے حکم کے مطابق عبادت نہیں کی جاتی بلکہ اپنی خواہش نفس کے مطابق عبادت
 ہیں۔ کیونکہ اللہ کا آخری حکم تو یہ ہے کہ عبادت قرآن کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق
 کی جائیں اور وہی عبادت معتبر اور عند اللہ مقبول بھی ہوں گی جو اس کے آخری حکم کے
 مطابق ہوں۔ اس اصول کی روشنی میں دیکھ لیجئے کہ چرچ اور ٹمپل میں ہونے والی عبادت
 کی حیثیت کیا رہی جاتی ہے اور جب وہ عبادت، عبادان نہیں رہیں تو اس کے لئے
 بنائے جانے اور تعمیر کئے جانے والے عبادت خانے "بیوت اللہ" اللہ کے گھر کہلانے
 کے مستحق کیوں کر ہوں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ اب ان عبادت خانوں میں اللہ کی عبادت
 نہیں بلکہ کفر ہو رہا ہے سو یہ "بیوت کفر" کفر گاہیں کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے مجموع الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ بیست البیوع والکلتائ
 بیوت اللہ (۱۸) یعنی یہودی عبادت خانے اور چرچ اللہ کے گھر نہیں ہیں۔

میں دھکیلنے کے مترادف ہے القدر رب العزت نے اس سلسلہ میں کیا عمدہ بات فرمائی ہے۔
ارشاد ہے **وَاحْذَرْهُمْ اِنَّ يَفْتَنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَا نَزَلَ اللّٰهُ اَيْدِكَ (۲۱) (ان)**
سے بچتے رہیے کہیں وہ آپ کو اس کے کچھ حصہ سے پھیر نہ دیں جو اللہ نے آپ کی طرف
نازل کیا ہے۔

اس قدر ہوشیار اور خبردار کی جانے والی قوم بھی اگر یہود و ہنود کی سازش کا شکار
ہو کر "وحدت ادیان" کے پرفریب نعرہ کا شکار ہو جائے تو اس کی بدنہی کے سوا اور کیا کہا
جاسکتا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ "وحدت ادیان" کے غلاف میں لپیٹے ہوئے اس مکر وہ فتنہ کا
سید باب کرنے کی خاطر علماء و مبلغین اپنی تمام تر توانیاں صرف کرتے ہوئے یہود و نصاریٰ
کی اس سازش کو ناکام بنا دیں۔

انبیاء علیہم السلام پر یا نبیل کے الزامات :

وہ تعریف شدہ تورات و انجیل جسے یہودی عیسائی کتاب مقدس سمجھ کر اب تک سینے سے
لگائے ہوئے ہیں اور "وحدت ادیان" کے لبائے میں جسے قرآن کے مساوی قرار دینے اور
قرآن کے ساتھ شائع کرنے کی سازش ہو رہی ہے اس کے چند اقتباسات نقل کرنا فائدہ
سے خالی نہ ہوگا تاکہ اہل اسلام کو صورت حال کی نزاکت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی کتاب مقدس کیا کہتی
ہے ملاحظہ فرمائیے۔

انجیل (عہد نامہ قدیم) کی کتاب سلاطین کے باب ۱۱ کا آغاز اس طرح ہو رہا ہے۔

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

میرزا جلال سیرا صفہانی کے غیر مطبوعہ قطعات

ڈاکٹر وحید الدین، ایم۔ ایس۔ یونیورسٹی بٹرودا، گجرات

میرزا جلال سیرا ایران کا عہد صفوی کا ایک اہم اور نازک خیال شاعر ہے اسیر کا شمار سب ہندی کے نامور شعراء میں ہوتا ہے۔ ابوطالب کلیم اور صائب تبریزی اسیر کو اس طرح خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

میرزای ما جلال الدین بس است از سخن سبجاں طلب کار سخن
(کلیم ۱)

راستی طبعش استاد من است کج فہم بر فرق دستار سخن
خوشا کسی کہ چو صائب زما جہان سخن
تتبع سخن میرزا جلال کند
(صائب ۲)

اسیر ایران کے سادات خاندان سے تعلق رکھتا تھا اس کے والد میرزا مومن (صفہان کے رہنے والے تھے۔ جلال اسیر کی تاریخ پیدائش کے متعلق قطعی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے لیکن گنج سخن کے مصنف ذبیح اللہ صفانے جلال اسیر کی تاریخ پیدائش ۱۰۲۹ ہجری لکھی ہے^(۱) جو درست معلوم نہیں ہوتی اس لئے کہ جلال اسیر شاہ عباس اول کا داماد تھا اور شاہ عباس اول کا دور سلطنت ۱۰۳۸-۹۸۹ ہجری تھا۔ اسیر شہر مقدس کاستولی تھا اور شاہ عباس نے اپنی چھٹی بیوی کی شادی اسیر سے کی تھی جس کی وفات شاہ عباس کے زمانے میں

ہی ہو گئی تھی۔ (۴)

ایسر میرزا فصیح ہروی کا شاگرد تھا اپنے استاد کا ذکر کرتے ہوئے صائب کو بحیثیت شاعر اپنے سے برتر تسلیم کرتا ہے :

باوجود آنکہ استادم فصیحی بود ایسر^(۵)

مصرع صائب تو اندیک کتاب من شود

تمام تذکرہ نگار جلال ایسر کو نازک خیالی کا نمائندہ شاعر تسلیم کرتے ہیں جلال ایسر کے ہم عمر شعراء میں ابو طالب کلیم، طائب آمولی، نظیری نیشاپوری، صائب تبریزی، حکیم شرف الدین، شغائی، والہ ہروی، فصیح ہروی اور ملا حسن فیض کاشانی شامل تھے، ذلال خوانساری، عوشاہ عباس اولیٰ کا ملک الشعراء جلال ایسر کا شاگرد تھا۔ (۶)

ایک عام خیال یہ ہے کہ جلال ایسر کی وفات ۳۰ سال کی عمر میں ہو گئی تھی۔ ایسر کی کلیات کافی ضخیم ہے اس سے اس کی پیر کوئی اور قادر الکلامی کا پتہ چلتا ہے۔ کلیات میں قصائد، قطعات، مثنویات، غزلیات، مخمسات اور رباعیات شامل ہیں۔ اب تک کی تحقیق کے مطابق جلال ایسر نے شریں میں کچھ نہیں لکھا تھا۔

کلیات جلال ایسر ۱۲۹ ہجری میں منشی نولکشور نے چھاپی تھی جو نامکمل ہے اس کے ہندوستان، پاکستان یا ایران میں اسکی کلیات یا دیوان آج تک راقم کی اطلاع کے مطابق چھپا نہیں ہے۔ مذکورہ کے مطابق گو جلال ایسر ہندوستان کبھی نہیں آیا لیکن ہندوستان کی ہر بڑی لائبریری میں اس کی کلیات یا دیوان کے نسخے موجود ہیں جس سے اس کی ہندوستان میں شہرت اور مقبولیت کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً خدائش اور بنٹل پبلک لائبریری پٹنہ، ملا فیروز لائبریری بمبئی، آصفیہ لائبریری حیدرآباد، عریک بکشرن انسٹی ٹیوٹ ٹونک، راجتھان، ہندوستان کے علاوہ برٹش میوزیم، انڈیا آفس لائبریری، کیمبرج یونیورسٹی لائبریری وغیرہ۔

راقم کے پاس بھی کلیات جلال ایسر کا ایک خطی نسخہ موجود ہے اس نسخہ میں کاتب کا نام درج نہیں ہے اس پر مختلف مہر ہیں جو ناخواندہ ہیں لیکن اسی صفحہ پر مہر کے ساتھ سن ۱۱۲۹ ہجری لکھا ہے اور نسخہ کے آخر میں کاتب نے نسخہ کی کتابت مکمل ہونے پر ذیل عبارت درج کی ہے

”تمت تمام شد بعون اللہ تعالیٰ دیوان مرزا جلال ایسر بتاریخ عرہ شہر ذی القعدہ ۱۱۲۹“

اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ اس نسخہ کی کتابت غالباً ذی قعدہ ۱۱۲۹ ہجری میں مکمل ہوئی ہوگی اس نسخہ میں کل تین سو صفحات ہیں۔ کلام کی تعداد اس طرح ہے۔

قصائد	۵۲
قطعات	۱۲
مشنویات	۳
غزلیات	۱۵۴۲ (مکمل وغیر مکمل)
مخمسات	۱۷
اور رباعیات	۹۲

نو لکھنور کے مطبوعہ نسخہ اور ذاتی نسخہ کا جب مقابلہ کیا گیا تو پتہ چلا کہ کافی تعداد غزلیات اور رباعیات اور قطعات کی ایسی ہے جو نو لکھنور کے مطبوعہ کے نسخہ میں شامل نہیں ہے ذیل ہیں جلال ایسر کے آٹھ غیر مطبوعہ قطعات درج کئے جاتے ہیں۔

قطعات

خاک راہ تو نو بہار چمن	نقش پای تو یاد سگار چمن
ای خیالت گل ہمیشہ بہار	تا خزاں از تو میگسار چمن
چہ قدر بوی گل گلاب کند	گر شوی بے خبر دوچار چمن
کہ بہ بیند چنیں عرفناکت	نبسم گل شود غبار چمن

در کین گاه زخم کاری ما تیغ بر کف نشسته خار چمن
چه ی است اینکه میدهد ساقی در چمن میکشم خسار چمن
دختر از بباغ می آید
ناله هاب دماغ کی آید

صبح عید (از) کرشمه های می است مرده سافر گشتان هوای می است
سایه برگ برگ گل شاداب چیده هر گوشه شیشه های می است
سایه بید خضرستان است عیش جاوید خونبهای می است
باده از داغ لاله نوش کنیند دست پیمانه در خنای می است
که برافراخت قد که در گکشن قسم گل بنواک پای می است
آفت عقل و هوش ماساقی
نگه کرم آشناساقی

شده ام عرق بحر نیل گناه مومیم چو خامه نامه سیاه
گم گشت باریک گشت معصیت کوه خم گردد از گرانی گاه
گرفته عالمی شود با مال گز بهم شر کشم سپاه گناه
نفسی ماکشیده ام از دل دیو در شیشه کرده ام صید آه
آه ازین کرده های توبه گذران داده زین گفته های خجلت گاه
عضو عظم ز روی هم خجل اند دست دل جرم و جان چشم دوم نگاه
میکند کفر نیک ازین اسلام وای من لاله الا الله
چکرم با چنین تبه کاری گریه نیارم بدرگه تو پناه
بهر رحمی زخم غلامم کن
بهر لطف غلامم غلامم کن

زاد تو کعبه جهان باد	جان بیداد تو عهد قربان باد
کافران است در دلم که میرس	مؤمنم ست پید مژگان باد
زیه سیر میکنم بیدار رخت	شبم کل شریک طوفان باد
لادو گل چه میکند عاشق	بی تو گلزار در بسیا باد
سنبلی یزرازم افشایند	خواب آسودگی پیرشان باد
رفتم از خویشتن بیاورنی	عالم بیخودی گلستان باد
خار در دل شکسته خاطر من	مدح پیرای شاه مردان باد

قبله آسمان ولی الله

فارس لامکان ولی الله

در شنای علی و عمرانی	مور لفظم کند سلیمانی
میکند بمحو گل درین گلشن	جبریل سخن پر افشانی
کام بخش که از زلال کفش	کشتی خاک گشته طوفانی
شهریاری که از بهار دلش	برگ سبز است ابر نیانی
میکند ذوالفقار خونریزش	گردن شرک را گریبانی
غضبش موج بحر قهاری	کرمش لطف عام یزدانی
بارگاه تو کعبه اول	استان تو قبله ثانی
چه سراید کسی که در چمن	عذیب است وی ربانی
هر چه میخوای از تویی آید	از خداوند از خدا دانی

ای وکیل خدا همینست بس

دست قدرت در استیانت بس

میکتم مدحِ حیدر کرار	نفسم دام آفتاب شکار
ابر نیسان شدم چه کم دارم	صفحه گلزار و خامه گوهر بار
عالم آئینہ دار عرفانش	میتوان دید از در و دیوار
دو جهان مطلق است در شانش	از گل و خار میچکد افسار
بعد مردن نمیکتم خاموش	از شنایش زبان شمع مزار
گر رود خاک تربتم برباد	مدحش انشاکنم بخط منبار
میکتم پر گل از شنای علی	دامن سبزہ تا بحیب بہار
چه بگویم نمی توان گفتن	چکتم نیست طاقت گفتار

رحمت حق کلید احاش

پایہ عرش چوب در باش

ای ثنایت کلید باغ بہشت	پر گل از مدحت دماغ بہشت
گر نباشد فروغ عرفانت	کی دہد روشنی چراغ بہشت
تا نباشد غبار یکرانت	کہ دہد خضر را سراغ بہشت
در دم حسرت زمیں بوست	کنج زندان و سیر باغ بہشت

ای رضای دلت رضای خدای

مدعای تو مدعای خدای

مدح شدہ کردہ ام بہار سخن	میزنم داد اعتبار سخن
خامہ ام جای نقطہ می ریزد	گل خورشید در کنار سخن
بسکہ شوق شناگری دارد	می چکد مستی از خمار سخن
گوش روحانیان برقص آمد	زمین گرانمایہ گوار سخن

خجلمت سوخت داورا مددی گھرچہ جان یکتم نشار سخن
 بسکہ زہر خجالتم نو شید تلخ محر دید روزگار سخن
 بی زبان گشتہ ام زبانم بخش (۷)
 نسخہ عمر جاودانم بخش

جلال ایسر کی مطبوعہ کلیات میں نو قطعات ہیں۔ ذاتی خطوط میں کل چودہ قطعات ہیں جن میں سے آٹھ غیر مطبوعہ ہیں۔

ان دونوں کلیات میں تمام قطعات میں سے ایک قطعہ استناد یعنی نصیح ہروی کی تعریف میں لکھا ہے۔ تین قطعات شاہ صفی کی تعریف اور اسکی فتح وغیرہ کے سلسلہ میں ہیں ان قطعات میں تاریخ بھی کہی ہے۔ چوتھا قطعہ بھی غالباً شاہ صفی کے لئے ہے کیونکہ اس میں بادشاہ وقت کا نام نہیں ہے اس لئے صرف اندازہ سے ہی کام لیا جاسکتا ہے اس میں شاہ وقت کو نصیحت اور مدد کی درخواست ہے۔ دو قطعات بہاریہ ہیں اور ایک قطعہ حمد باری تعالیٰ میں ہے باقی قطعات میں تین قطعات حضرت علی کی مدح میں دو قطعات شاہ خراسان کی مدح میں، میں باقی ماندہ قطعات روزمرہ کی زندگی سے مطلق ہیں۔ تین قطعات مطبوعہ نسخہ میں ایسے ہیں جو ذاتی خطی نسخہ میں نہیں ہیں۔

جلال ایسر نے قطعات سادہ اور آسان زبان میں لکھے ہیں خاص طور سے وہ قطعات جو حمد باری تعالیٰ اور ائمہ حضرات کی تعریف میں ہیں۔ اوپر دیئے ہوئے قطعہ میں جو اس نے حمد باری تعالیٰ میں لکھا ہے جلال ایسر کو اپنے گناہوں کی زیادتی کا کس قدر احساس ہے اور ان گناہوں کی معافی کا طلب گار بھی ہے۔ کتنے آسان اور سادہ انداز میں لکھا ہے اور اسی طرح جب ائمہ حضرات کی مدح کرتا ہے تو ان کی بزرگی اور برتری کے احساس کے ساتھ ان کی مدح میں گم ہو جاتا ہے جس سے اس کے جذبات و احساسات کی فکاسی ہوتی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ کلیات جلال اسیر کا تنقیدی مطالعہ کرا جائے اور اسکو تدوین کر کے شائع کیا جائے۔

منابع

- (۱) مولانا میر غلام علی آزاد بلگرامی، مائثر الکلام (سر و آزاد) تبصیح، عبداللہ خاں (فصل دوم) لاہور، ۱۹۱۳ء صفحہ ۵۳
 - (۲) ایضاً۔
 - (۳) جلد سوم، تہران، ۱۳۴۰ شمسی، صفحہ ۱۰۲
 - (۴) نصر اللہ فلسفی، زندگانی شاہ عباس اول، جلد دوم، تہران، ۱۳۴۷ شمسی، صفحہ ۲۰۲۔
 - (۵) کلیات میرزا جلال اسیر، منشی نو کشور پریس، لکھنؤ، ۱۲۹۷ ہجری، صفحہ ۸۸-۲۸۷۔
 - (۶) امیر شیر علی خاں لودھی، تذکرہ مرآۃ النیال، ۱۳۲۳ ہجری، بمبئی، صفحہ ۷۷۔
 - (۷) کلیات میرزا جلال اسیر، نسخہ خطی، زاتی۔
- (بقیہ: وحدت ادیان) —

”اور سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے یعنی موآبی، عورتی، ادومی، صیدانی اور حتی عورتوں سے محبت کرنے لگا۔ سلیمان انہیں کے عشق کا دم بھرنے لگا۔“ (۲۲) — گویا انجیل حرف کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام اولوالعزم پیغمبر متلاً نے عشقِ زناں ہوا (معاذ اللہ) اس سے بڑا الزام کسی پیغمبر پر کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن اہل کتاب نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بعض انبیاء پر اعلانیہ زنا کی تہمت بھی عائد کی۔ حضرت لوط علیہ السلام پر تہمتِ زنا ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔ (نقل کفر کفر نہ باشد) (جاری)

تبصرہ

نام کتاب : "منع الصالحات عن حضور الجماعات"
 مؤلف : شیخ طریقت عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحب انصاری دامت برکاتہم
 قیمت : مندرج نہیں ہے۔

ملنے کا پتہ : جامعہ عربیہ نور الاسلام، شاہ پیگریٹ میرٹھ شہر (یوپی)
 مذکورہ بالا کتاب، ملت اسلامیہ کے لئے دینی جذبہ سے ایک اہم دینی موضوع پر شائع
 کی گئی ہے۔

مساجد میں عورتوں کا جانا درست ہے یا نہیں؟ یہ ایک اہم مسئلہ آجکل ملت اسلامیہ میں
 بہت زور پکڑے ہوئے تھا اس مسئلہ کی اہمیت و نزاکت کا خیال کرتے ہوئے ملت اسلامیہ
 کے ایک درد مند عالم دین حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحب انصاری ہستم جامعہ عربیہ نور الاسلام
 شاہ پیگریٹ میرٹھ شہر نے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ٹھوس و مدلل دلائل
 پیش کئے ہیں جس سے عام مسلمان کی بھی سمجھ میں یہ بات بیٹھ جائے کہ "مسجدیں خانہ خدایں اور
 یہ صرف عبادت کے لئے ہیں۔ بندہ خدا، خدا کی بندگی میں فنا فی اللہ ہے ایسے میں کوئی صنیف
 نازک اپنے حق و جمال و آرائش کے ساتھ مسجد میں داخل ہوتا ہے اور عبادتِ الہی میں متغرق
 بندہ کی نظر اس کے حق و جمال پر اتفاق سے پڑ جائے تو عبادتِ الہی میں خلل واقع ہونا قدرتی بات
 ہے اور یہی بات خواتین کے خانہ خدایں میں داخلہ میں مانع ہے۔

یہ اہم مسئلہ کی بات، عام مسلمانوں کی فہم و سمجھ میں لانے کے لئے کتاب منع الصالحات عن
 حضور الجماعات شائع کی گئی ہے جو اس مسئلہ کے حل کے لئے تیر بہدف ثابت ہوگی۔

عامۃ المسلمین سے ہر طرح کا افتراق و انتشار مٹا دینا ہی فاضل مؤلف کا نیک اور اصل مقصد ہے اس لئے انہوں نے مسئلہ مذکورہ پر عالم اسلام کے بالاتفاق ثقہ عالم و مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک پرانی و مشہور تالیف صلوٰۃ الصالحات بھی اپنی اسی کتاب میں من و عن شانئے کر کے اس میں مزید جان و لدی ہے جس سے سونے پہ سہاگہ کا کام ہوگا۔ اس سے عام قاری کو کتاب مذکورہ کے مطالعہ میں دلچسپی و رغبت بھی پیدا ہوگی۔ سچ تو یہ ہے کہ ”منع الصالحات عن حضور الجماعات“ جیسی اہم و ضروری کتاب تالیف شائع کر کے ملت اسلامیہ کی بڑی ہی قابلِ قدر اور لائق تحسین خدمت انجام دی گئی ہے جسکے لئے کتاب کے مؤلف شیخ طریقت عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاری دامت برکاتہم خلیفہ اجل حضرت حکیم الاسلام و مہتمم جامعہ عربیہ نور الاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ (شہر یوپی) تمام عالم اسلام کی طرف سے شکریہ و مبارکباد کے بجا طور پر مستحق ہیں۔ اللہ رب العزت کتاب منع الصالحات عن حضور الجماعات شائع کرنے کے ذریعہ جذبہ قبولیت کا شرف بخشے۔ مسلمانوں کے لئے حصولِ صلوٰۃ و واقعیت اور موجبِ اجر و ثواب ہے اس کتاب کی خریداری۔ بہشتی زیور اور تعلیم الاسلام کی طرح خدا کرے اس کتاب کی عام مسلمانوں میں اس قدر شہرت ہو کہ یہ کتاب منع الصالحات عن حضور الجماعات ہر مسلمان گھر کی زینت بن جائے۔

(ادارہ)

یوپی تعلیمی نصاب کی چند اہم کتب

تاریخ ملت جلد اول (نبی عربی)	قاضی زین العابدین	غیر مجلد ۲۵ روپے	مجلد ۳۵ روپے
تاریخ ملت جلد دوم (خلافت راشدہ)	”	غیر مجلد ۵۰ روپے	مجلد ۶۰ روپے
تاریخ ملت جلد سوم (خلافت بنی امیہ)	”	غیر مجلد ۵۰ روپے	مجلد ۶۰ روپے
تاریخ ملت جلد ہفتم (خلافت عثمانیہ)	مفتی انتظام اللہ شہبازی	غیر مجلد ۵۰ روپے	

آخرین اسلامیہ جمہوریہ ایران

۱۹۷۹ء میں ایران میں حضرت امام آیت اللہ خمینی کے اسلامی انقلاب نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا اور آج تمام دنیا میں ایران کے اندرونی اسلامی خوشگوار حالات نے تمام دنیا کے لوگوں کے دلوں میں اسلامی انقلاب اور اسلامی تعلیمات کے لئے اچھے خیالات پیدا کر دیئے ہیں۔ ہندوستان کے علماء کرام کے ایران سے قدیم تاریخی لسانی علمی و دینی رشتے قائم ہیں۔ ہندوستان کے علماء اسلام خصوصاً دیوبند کے اکابرین نے ہمیشہ ہی ایران کے حالات سے دلچسپی لی ہے اور ایران کا سفر کر کے ایران کے حالات و واقعات کا مشاہدہ کیا ہے۔ ادارہ ندوۃ المصنفین کے بانی اور عالم اسلام کی عظیم و مقتدر رہمتی قبلہ آبا جان مفکر ملت حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ نے ایران میں اسلامی انقلاب کی آمد کے فوراً بعد خصوصی دعوت پر حضرت امام خمینی سے خاص ملاقات کر کے انھیں مبارک باد دی تھی۔ جسے امام خمینیؒ نے بڑی ہی لگن دلچسپی اور شکر یہ کے الفاظوں کے ساتھ قبول کیا۔

خدا کا شکر ہے کہ حضرت مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانیؒ کے وصال کے بعد محقر صاحبزادہ اور ندوۃ المصنفین کے ڈائریکٹر رسالہ ”برہان“ کے مدیر مفتی عمید الرحمن عثمانی کا رابطہ و تعلق ایرانی کلچر ماؤس سے برابر ہے۔ نئی دہلی میں قائم ایران کلچر ماؤس بڑی لگن دیا انداز اور خلوص کے ساتھ ہندو ایران تعلقات کو مستحکم بنائے ہوئے ہے۔ فارسی زبان کو ہندوستان میں تک پہنچانے میں اسکی محنت قابلِ داد ہے۔

نئی دہلی میں اسلامی جمہوریہ ایران کے سفیر محترم عزت مآب جناب محمود موسوی نے جس طرح

دستاویزی مملکت موجود ہیں جن کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس زبان نے انسان قدروں کو فروغ دینے میں نمایاں خدمت انجام دی ہے۔ پروفیسر ظہیر دہلوی نے کہا کہ دنیا کے تمام ادیبوں کی زبان اس بات سے پوری طرح متفق ہیں کہ وقت کی رفتار کے ساتھ زبان و ادب میں تبدیلی آتی ہے اور اس بار آموزشی پروگرام کا مقصد ہندوستانی فارسی اساتذہ کو فارسی میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے آگاہ رکھنا ہے۔

پروفیسر ظہیر دہلوی کی تقریر کے بعد اسلامی جمہوریہ ایران کے سفیر خیر محمد عزت آب جناب نے ایک مختصر مگر جامع اور غور طلب تقریر فرمائی۔ انہوں نے اس بات کو طرف اشارہ کیا کہ زبان کو سیاسی مقاصد کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور زبان مثبت اور منفی دونوں طریقوں سے کنٹرول کر سکتی ہے۔ فارسی زبان برصغیر ہند میں تقریباً ۸۰ سال سے زیادہ عرصہ پر مشتمل درخشاں تاریخ کی حامل ہے لہذا اس زبان کے ماہرین کو چاہیے کہ وہ اس بات کا تحقیقی مطالعہ کریں کہ فارسی زبان نے اس طویل مدت کے دوران مثبت کردار ادا کیا ہے یا منفی کردار کی حامل رہی ہے۔

سفیر محترم کی تقریر کے بعد اقتصادی مجلس کے جہان خصوصی جناب ڈاکٹر عبدالوحید نے تقریر فرمائی۔ انہوں نے فارسی زبان کی شیرینی و دلکشی کا ذکر کرتے ہوئے اس بات پر مسرت ظاہر کی کہ ہندوستانی فارسی اساتذہ کو زبان و ادب کے نئے رجحانات سے روشناس کرنے کے لئے اس قسم کے ثقافتی پروگرام کا انعقاد ہر سال کیا جاتا ہے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ زبان و ادب میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کی آگاہی کے ساتھ ہی ساتھ اس بات کی بھی کوشش کی جانی چاہیے کہ نئے وسائل تربیت کو بھی بروئے کار لایا جائے کہ پروگرام اور زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہو سکے۔

پروگرام کے آخری حصہ میں محترمہ کبیراوتساین نے صدر آئی خطبہ ارشاد فرمایا انہوں

اسلامی جمہوریہ ایران اور ہندوستان کے درمیان رابطہ و تعلق خوشگوار بنایا ہوا ہے وہ ان کی مساعی جیلہ کا نتیجہ ہے۔ اور وہ اس کے لئے ہندوستانی عوام علماء کرام دانش مندان حضرات کی طرف سے شکریہ و مبارکباد کے سوا اور پرستی ہیں۔ ہندو ایران خوشگوار تعلقات زندہ باد۔ ہندوستانی عوام اور جمہوریہ اسلامی ایران کے عظیم پائندہ باد۔

فارسی اساتذہ کی باز آموزی پروگرام کا اختتامیہ اجلاس

مورخہ ۲۱ جون ۱۹۹۸ء ہمدرد یونیورسٹی کنونشن سینٹر میں کل ہند فارسی اساتذہ کی باز آموزی پر مشتمل پندرہ روزہ پروگرام کا اختتامیہ اجلاس منعقد ہوا جس میں اندازاً گاندھی اوپن یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر عبد الوحید خاندانہ بر حیثیت ہمان خصوصی اور انڈیا انٹرنیشنل سینٹر کی صدر محترمہ کیلا و تیا این نے صدر جلسہ کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔ ان کے علاوہ نئی دہلی میں مقیم اسلامی جمہوریہ ایران کے سفیر عزت مآب جناب محمد موسوی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی و ہمدرد یونیورسٹی کے اعزازی چانسلر جناب عبد المجید نے اپنی موجودگی سے اختتامیہ اجلاس کی رونق میں اضافہ کر دیا۔ اختتامیہ اجلاس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران کے قائم مقام کچل کا و نسلر جناب ڈاکٹر محمد رضا باقری نے اپنی مختصر تقریر میں حکیم عبد المجید صاحب آل انڈیا انجمن فارسی اساتذہ اور ایران کے شریفانہ ہونے پر اساتذہ کا شکریہ ادا کیا چکے تعاون کی وجہ سے یہ باز آموزی پروگرام کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں اس پروگرام کے دوران بڑھائے گئے درسی پروگرام اور اوقات کلاس پر مشتمل ایک تفصیلی رپورٹ بھی پیش کی اس کے بعد آل انڈیا فارسی اساتذہ ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری پروفیسر عبدالودود اظہر دہلوی نے حاضرین مجلس سے خطاب کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں فارسی زبان کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ درحقیقت فارسی زبان و ادب کی تقریباً ہزار سالہ تاریخ کے

دستاویزی مدللک موجود ہیں جن کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس زبان نے انسانِ قدوس کو فروغ دینے میں نمایاں خدمت انجام دی ہے۔ پروفیسر (ظہر دہلوی) نے کہا کہ دنیا کے تمام ماہرین زبان اس بات سے پوری طرح متفق ہیں کہ وقت کی رفتار کے ساتھ زبان و ادب میں تبدیلی یقینی ہے اور اس باز آموزی پروگرام کا مقصد ہندوستانی فارسی اساتذہ کو فارسی زبان و ادب میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے آگاہ رکھنا ہے۔

پروفیسر (ظہر دہلوی) کی تقریر کے بعد اسلامی جمہوریہ ایران کے سفیر محترم عزت آباد جناب محمود موسوی نے ایک مختصر مگر جامع اور غور طلب تقریر فرمائی۔ انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ زبان کو سیاسی مقاصد کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور زبان مثبت اور منفی دونوں طرح کے کردار ادا کر سکتی ہے۔ فارسی زبان برصغیر ہند میں تقریباً ۸۰۰ سال سے زیادہ عرصہ پر مشتمل درخشاں تاریخ کی حامل ہے لہذا اس زبان کے ماہرین کو چاہیئے کہ وہ اس بات کا تحقیقی مطالعہ کریں کہ فارسی زبان نے اس طویل مدت کے دوران مثبت کردار ادا کیا ہے یا منفی کردار کی حامل رہی ہے۔

سفیر محترم کی تقریر کے بعد اختتامیہ اجلاس کے مہمان خصوصی جناب ڈاکٹر عبد الوجید نے تقریر فرمائی۔ انہوں نے فارسی زبان کی شیرینی و دلکشی کا ذکر کرتے ہوئے اس بات پر مسرت ظاہر کی کہ ہندوستانی فارسی اساتذہ کو زبان و ادب کے نئے رجحانات سے روشناس کرنے کے لئے اس قسم کے ثقافتی پروگرام کا انعقاد ہر سال کیا جاتا ہے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ زبان و ادب میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کی آگاہی کے ساتھ ہی ساتھ اس بات کی بھی کوشش کی جانی چاہیئے کہ نئے وسائل تربیت کو بھی بروئے کار لایا جائے کہ پروگرام اور زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہو سکے۔

پروگرام کے آخری حصہ میں محترمہ کپیلا و تساین نے صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا انہوں

اسلامی جمہوریہ ایران اور ہندوستان کے درمیان رابطہ و تعلق خوشگوار بنایا ہوا ہے وہ ان کی سیاسی جیلہ کا نتیجہ ہے۔ اور وہ اس کے لئے ہندوستانی عوام علماء کرام دانش مندان حضرات کی طرف سے شکریہ و مبارکباد کے سوا اور بہر مستحق ہیں۔ ہندو ایران خوشگوار تعلقات زندہ باد۔ ہندوستانی عوام اور جمہوریہ اسلامی ایران کے عوام پاکستانہ باد۔

فارسی اساتذہ کی باز آموزی پروگرام کا اختتامیہ اجلاس

موضوع ۲۱ جون ۱۹۹۵ء ہمدرد یونیورسٹی کنونشن سینٹر میں کل ہند فارسی اساتذہ کی باز آموزی پر مشتمل ہندو روزہ پروگرام کا اختتامیہ اجلاس منعقد ہوا جس میں اندرا گاندھی اوپن یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر عبد الوحید خاں نے بہ حیثیت مہمان خصوصی اور انڈیا انٹرنیشنل سینٹر کی صدر محترمہ کیسیلاوتسیا نے صدر مجلس کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔ ان کے علاوہ نئی دہلی میں مقیم اسلامی جمہوریہ ایران کے سفیر عزت مآب جناب محمد موسوی اور علیگڑھ مسلم یونیورسٹی و ہمدرد یونیورسٹی کے اعزازی چانسلر جناب عبد المجید نے اپنی موجودگی سے اختتامیہ اجلاس کی رونق میں اضافہ کر دیا۔

اختتامیہ اجلاس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران کے قائم مقام کچل کاؤنسلر جناب ڈاکٹر محمد رضا باقری نے اپنی مختصر تقریر میں حکیم عبد المجید صاحب آل اندیا انجمن فارسی اساتذہ اور ایران کے شریف لائے ہوئے اساتذہ کا شکریہ ادا کیا جس کے تعاون کی وجہ سے یہ باز آموزی پروگرام کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں اس پروگرام کے دوران بڑھائے گئے درسی پروگرام اور اوقات کلاس پر مشتمل ایک تفصیلی رپورٹ بھی پیش کی اس کے بعد آل اندیا فارسی اساتذہ ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری پروفیسر عبدالودود اظہر دہلوی نے حاضرین مجلس سے خطاب کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں فارسی زبان کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ درحقیقت فارسی زبان و ادب کی تقریباً ہزار سالہ تاریخ کے

دستاویزی ملاک موجود ہیں جن کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس زبان نے انسانِ قدروں کو فروغ دینے میں نمایاں خدمت انجام دی ہے۔ ہروفیسر اظہر دہلوی نے کہا کہ دنیا کے تمام ماہرین زبان اس بات سے پوری طرح متفق ہیں کہ وقت کی رفتار کے ساتھ زبان و ادب میں تبدیلی یقینی ہے اور اس باز آموزی پروگرام کا مقصد ہندوستانی فارسی اساتذہ کو فارسی زبان و ادب میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے آگاہ رکھتا ہے۔

ہروفیسر اظہر دہلوی کی تقریر کے بعد اسلامی جمہوریہ ایران کے سفیر محترم عزت مآب جناب محمد موسوی نے ایک مختصر مگر جامع اور غور طلب تقریر فرمائی۔ انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ زبان کو سیاسی مقاصد کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور زبان مثبت اور منفی دونوں طرح کے کردار ادا کر سکتی ہے۔ فارسی زبان برصغیر ہند میں تقریباً ۸۰۰ سال سے زیادہ عرصہ پریشان درخشاں تاریخ کی حامل ہے لہذا اس زبان کے ماہرین کو چاہیئے کہ وہ اس بات کا تحقیقی مطالعہ کریں کہ فارسی زبان نے اس طویل مدت کے دوران مثبت کردار ادا کیا ہے یا منفی کردار کی حامل رہی ہے۔

سفیر محترم کی تقریر کے بعد احتیاسیہ اجلاس کے مہمان خصوصی جناب ڈاکٹر عبدالوحید نے تقریر فرمائی۔ انہوں نے فارسی زبان کی شیرینی و دلکشی کا ذکر کرتے ہوئے اس بات پر مسرت ظاہر کی کہ ہندوستانی فارسی اساتذہ کو زبان و ادب کے نئے رجحانات سے روشناس کرنے کے لئے اس قسم کے ثقافتی پروگرام کا انعقاد ہر سال کیا جاتا ہے۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ زبان و ادب میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کی آگاہی کے ساتھ ہی ساتھ اس بات کی بھی کوشش کی جانی چاہیئے کہ نئے وسائل تربیت کو بھی بروئے کار لایا جائے کہ پروگرام اور زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہو سکے۔

پروگرام کے آخری حصہ میں محترمہ کپیلاوتساین نے صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا انہوں

نے فارسی زبان کی دلکشی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگرچہ میں فارسی زبان سے واقف نہیں ہوں لیکن فارسی ادب سے ہمیشہ متاثر رہی ہوں۔ انہوں نے اپنی تقریر میں مولانا روم کی عرفانی تعلیمات اور فارسی زبان کے ذریعہ ہندوستان صوفیاء کو گرام کے پیغام انسانی دوستی کی بھرپور ستائش کی اور فرمایا کہ ہندوستانی علماء و دانشوروں نے فارسی زبان و ادب کی نمایاں خدمت انجام دی ہے۔ انہوں نے کہا کہ فارسی زبان کے طویل ماضی کی ایک درخشاں تاریخ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے لہذا مستقبل میں جو تعلیمی پروگرام مرتب کئے جائیں اس میں فارسی اور دیگر کلاسیکی زبانوں کو ان کا جائز حق ملنا چاہیئے۔ انہوں نے ملک کے مختلف علاقوں میں محفوظ گزراؤں فارسی سہ ماہیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تنہا مدراس کی لائبریری میں فارسی کے ۵۵ ہزار مخطوطات موجود ہیں اور اس عظیم ثقافتی میراث کی حفاظت لازمی ہے۔

اختتامیہ اجلاس کے آخری مرحلہ میں باز آموزی پروگرام میں شریک اساتذہ نے اپنے محترم ایرانی اساتذہ کی خدمت میں ہدیہ بھی پیش کیا۔

واضح رہے کہ فارسی زبان و ادب کی باز آموزی کے اس پروگرام میں ہندوستان کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے تقریباً ۱۰ ہندوین نے شرکت فرمائی۔ ایرانی استاد فریور راستگو نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ ہندوستانی فارسی اساتذہ زبان میں اچھی بہارت کے حامل ہیں لہذا آئندہ باز آموزی پروگرام میں فارسی ادب کو خصوصی اہمیت دی جانی چاہیئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سرپرست اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی

عالمگیر حکیم عبدالحمید صاحب چانسر جامعہ ہمدردی دہلی و علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مجلس ادارت اعزازی

سید افتخار حسین
ڈاکٹر سعید الدین نقوی
محمود سعید بلانی
ڈاکٹر جوہر عباسی

برہان

نگران اعلیٰ

حضرت مولانا حکیم محمد زماں مبینی

شمارہ ۸

اگست ۹۸ء

جلد ۱۲۳

دفعہ ۱

شمارے

۱

۲ نظرات عید الرحمن عثمانی

مغربی فن تعمیر پر اسلامی فن تعمیر کے اثرات (مقطع ۵)

۴ (ترجمہ: جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم۔ اے)

۹ وحدتِ ادیان ڈاکٹر فوار احمد شاہ تھانہ کراچی یونیورسٹی پاکستان

۱۳ قطعات و فائِ غالب

عبدالمرووف خاں (ایم اے بھٹری) اُردو کی کلاں (راج)

ماحول پر قابو کس طرح حاصل کیا جائے؟ (مقطع ۷)

۳۱ جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی (لندن) بیرسٹریٹ لا

جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر کا پیسہ

منیجر ماہنامہ برہان

4136 - اردو بازار جامع مسجد دہلی۔ 110006 فون نمبر 3262815

زیر تعاون

فی پرچہ: ۶ روپے

سالانہ: ۷۲ روپے

کمپیوٹر کتابت

CREATIVE VISION

محمد الرحمن عثمانی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے خواجہ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

نظرات

۱۵ اگست کی تاریخ ہر سال آتی ہے اور آتی رہے گی۔ یہ تاریخ ہندوستان اور ہندوستانی عوام کے لئے ہر لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے۔ اس تاریخ میں ہندوستان پر ہندوستانیوں کی حکومت دوبارہ قائم ہوئی تھی ایک عرصہ تک ہندوستان انگریز سامراج کی غلامی کے پھندے میں جکڑا ہوا تھا اور اس غلامی کے خلاف ایک طویل جدوجہد عمل میں لائی گئی، ہزاروں ہندوستان اپنے ملک کی غلامی سے نجات کے لئے انگریز سامراج سے لڑائی لڑتے ہوئے موت سے ہمنما رہے۔ ہندوستان کے نامور علماء کرام نے آزادی کے لئے جنگ کا اعلان کیا ملک کو غلامی سے مکمل طور پر چھٹکارا دلانے کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دیں، پھانسی کے تختے پر ہستے ہوئے چل گئے ان کی قربانیوں کی بدولت یہ ملک آزاد ہوا۔

۱۵ اگست کی تاریخ اپنی اسی آزادی ملنے کی یادگار تاریخ ہے۔ جس میں ہم اپنے ملک کی فلاح و بہبود کی لئے نئے نئے پلان بناتے ہیں اپنے ملک کی ترقی و کامیابی کے لئے فکر و تدبیر تلاش کرتے ہیں اور ہمارے ملک کے حکمران عوام و خواص کے سامنے ملک و عوام کی خدمت و ترقی کے پروگراموں کا اعلان کرتے ہیں۔ اور ۱۵ اگست ۱۹۸۰ء کی تاریخ مزید اہمیت کی یوں حامل ہو گئی ہے کہ اس تاریخ کو اس جماعت کے رہنما وزیر اعظم ۱۵ اگست کو لال قلعہ سے ہندوستانی عوام کو خطاب کریں گے جو ملک کی آزادی کے بعد عالم وجود میں آئی تھی اور جس کا پہلا نام جن سنگھ تھا! اور دوسرا نام

بھارتیہ جنتا پارٹی ہے۔ اور جس نے اپنے قیام کے روزاول سے حزب اختلاف کے فرائض انجام دیئے تھے۔ حکومت پر بحیثیت حزب اختلاف کے ہمیشہ ہی تنقید کرنے میں پیش پیش رہی ہے۔ آج یہ جماعت حزب اختلاف کی کرسی سے چھلانگ لگا کر حکمران جماعت کی کرسی پر برہان ہے۔ اس وجہ سے اس بار کی ۱۵ اگست ۱۹۹۵ء کی تاریخ نہ صرف اہم بلکہ دلچسپ بھی ہو گئی ہے۔

بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومت کو مرکز میں قیام کے چار مہینے پورے ہو چکے ہیں۔ اور اب چاروں طرف نظر دوڑا کر ہم ملک کے حالات کا جب جائزہ لیتے ہیں۔ تو ہمیں ہر طرف یاس و ناامید ہی دکھائی دیتی ہے۔ ہنگامی اور وہ بھی کمزور ہنگامی نے عوام الناس کا کچھ مزہ نکال دیا ہے۔ اٹا دال چاول دودھ دہی سمیڑی گوشت یہ سب چیزیں زبردستی ہنگامی کی وجہ سے عام لوگوں کی پہنچ سے دور بہت دور ہوتی جا رہی ہیں۔ ایک بار جبکہ جناب اٹل بھاری باجپئی حزب اختلاف کی بیٹیوں پر بیٹھا کرتے تھے اس وقت انھوں نے ہنگامی کا روزنا روتے ہوئے کہا تھا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت قریب آ رہا ہے جب لوگ تھیلوں میں بھر کر نوٹ لے جایا کریں گے اور اس کے عوض میں جو بھی سامان خورد و نوش خرید کر لائیں گے وہ چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں لے کر گھر آیا کریں گے۔ ایسا معلوم دیتا ہے کہ وہ وقت (خدا کرے نہ آئے) آنے والا دکھائی دے رہا ہے۔ جہاں علوم ہنگامی کی مار سے بہ حال ہیں وہاں پانی اور بجلی کی آئے دن قلت نے بھی انکا جینا دیکھ کر دیا ہے۔ — حکمران طبقہ اسے صرف اخبارات کی من گھڑت خبریں بتا کر اپنا دامن بچانے کی کوشش کرتا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عوام کی ان تکالیف سے حکمران طبقہ اپنے کو نادائق بنائے ہوئے ہے۔ یہ مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ اگر ہنگامی اور پانی و بجلی کی قلت سے وہ حکمران طبقہ ابھی تک غافل ہے جو خود ایک عرصہ تک حزب اختلاف کے بیٹوں سے

حکومت پر اس سلسلے میں نکتہ چینی کرتا رہا ہے تو بڑے ہی تعجب کی بات ہے۔ اور اس سے عوام کی مایوسی میں قدرتی اضافہ ہونا ہے۔ ابھی حال ہی میں ٹی وی چینل پر آپ کی عدالت میں دہلی کے چیف منسٹر جناب صاحب سنگھ درمانے جب یہ بات کہی کہ دہلی میں مہنگائی اور پانی و بجلی کی قلت صرف اخبارات ہی بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں تو آپ کی عدالت کے جج نے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے انھیں مشورہ دیا کہ وہ عوام کے مسائل جاننے اور سمجھنے اور ان کی تکالیف کا جائزہ لینے کے لئے ہر ہفتہ کسی نہ کسی علاقہ میں جا کر بھیس بدل کر گھر ماکریں جب ہی انھیں حقیقت حال کا پتہ ہوگا۔ حکمران طبقہ کے لوگوں کو ہمارا بھی یہی مشورہ ہے کہ وہ اپنے اپنے طور پر خود علاقوں میں اچانک جائیں اور گھومیں اور عوام کے مسائل کا جائزہ لیں اور پھر ان کا تدارک کر نیکی طرف مستعد عمل ہو جائیں۔ یہ ہی ملک کی اور اسکے عوام کی صحیح مسنوں میں خدمت ہوگی ملک اور عوام کی خدمت ہی سب سے بڑی عبادت ہے۔ یہ بات انھیں ہر وقت اور ہر حال میں ذہن نشین کر لینی چاہیے۔ جب ہی ملک و عوام کو ان سب کٹھن تکالیف و مشکلات اور مہنگائی کی مار سے نجات نصیب ہوگی۔ اسی کے ساتھ عوام کی بھی خود کی ذمہ داری ہے کہ وہ مہنگائی کو کم کرنے میں اپنی ذمہ داری کو بھی فراموش نہ کرے اور ملک میں آئے دن تشدد و خون ریزی کے واقعات، اغوار کے افسوسناک واقعات، کئے تدارک کے لئے بھی عوام کو خود کو نشان ہونے کی ضرورت ہے عوام اپنے کو بھی ذمہ دار سمجھیں اور ملک میں امن و امان کی ہر طرح بحالی اور قتل و غارت گری کے واقعات اور بچوں کو اغوار ہونے سے بچانے کے لئے ملک کے عوام اپنی آئینی ذمہ داریوں سے بھی خبردار رہیں۔ یہ وقت و حالات کی مانگ و ضرورت ہیں۔

ٹائمز آف انڈیا گروپ کے اخبارات سے یہ بیان کر ملت اسلامیہ کو یقیناً خوشی و مسرت

ہوگی کہ اسپین میں پانچ سو سال بعد پھر اسلام کی واپسی ہونی شروع ہوگئی ہے۔ ہندی روزنامہ نو بھارت ٹائمز نے دہلی نے ۲ اگست ۱۹۹۸ء کی اشاعت میں ایک خبر شائع کی ہے جس کا عنوان ہے: "اسپین میں پانچ سو سال بعد پھر اسلام کی واپسی" اس خبر کے تحت اس نے شائع کیا ہے۔

"اسپین میں مسلم حکومت کے خاتمہ کے ۵۰۰ سال بعد پھر ملک میں اسلام کی واپسی ہو رہی ہے۔" آل منڈو "روزنامہ اخبار کے مطابق پچھلے آٹھ سالوں میں یہاں مسلم لوگوں کی آبادی بڑھ کر دو گنی ہوگئی ہے۔ اور تیسویں زیادہ مسجدیں قائم ہوگئی ہیں ۱۹۹۷ء میں ہی وہاں ۲۵ نئے اسلامی جماعتوں کا رجسٹریشن ہوا ہے۔ اسپین میں سرکاری اندازے کے مطابق مسلم آبادی تین لاکھ ہے لیکن کچھ لوگوں کا اندازہ ہے کہ یہ تعداد پانچ لاکھ ہو سکتی ہے۔ اسپین کے سب ہی علاقوں میں مسجدیں تعمیر ہو چکی ہیں۔ اور ان کی کل تعداد بڑھ کر دو سو ہوگئی ہے۔ افسران کا کہنا ہے کہ قریب سو اسلامی جماعتوں کا سرکاری طور پر رجسٹریشن ہوا ہے۔ لیکن ان کی حقیقی تعداد اس سے دو گنا زیادہ ہے۔ اندلس کا گرنیڈا شہر ایک بار پھر اسلام کا مرکز بننا چاہا ہے۔ یہ وہی شہر ہے جو ۱۴۹۲ء میں مسلم اسپین پر عیسائی حملہ کے دوران سب سے آخر میں ان کے ہاتھوں میں گیا تھا۔ قریب دو ہزار مسلم گھروں والے اس شہر کی گلیوں میں مسلم تہذیب و تمدن کے پھیلاؤ اور اس کی تبلیغ کا نظارہ ہونے لگا ہے گلیوں میں کافی خواتین برقعہ پہنے نظر آتی ہیں اور دائرہ والے لوگ ٹہلتے ملتے ہیں جو مسلمانوں کی خاص پہچان ہے۔ شہر میں عطر کی دوکانیں ہیں اور فرنیچر کے کارخانے ہیں ان کا رو باروں میں زیادہ تر مسلم طبقہ کے لوگ لگے ہوئے ہیں۔ اسپین میں قریب تین ہزار سے لے کر پانچ ہزار تک لوگوں نے اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام مذہب قبول کیا ہے۔" یہ دیکھ کر خوش آئند بات ہے اللہ کرے وہ وقت بھی ہمیں دیکھنا نصیب ہو جائے جب تاریخ اپنے کو دہراتے ہوئے پورا اسپین مسلم اسپین بن جائے۔

باجو میں اور آخری قسط

مغربی فنِ تعمیر پر اسلامی فنِ تعمیر کے اثرات

انہا - مارٹن ایس برگس

ترجمہ: جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم۔ اے

اسلامی فنِ تعمیر کے اس جائزے کے دوران جن مختلف نقاط کا ذکر ہوا ان سب کو پیشِ نظر رکھئے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مجموعی حیثیت سے مغربی دنیا نے اسلام سے تعمیر کاری میں جو قرض لیا ہے وہ حقیقی اور واقعی ہے صرف فوجی تعمیر کاری ہی کے میدان میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ صلیبی ماربوں نے (جنہوں نے ارضِ مقدس میں بہت سے نفیس کلیسا اور قلعے اپنی یادگار چھوڑے ہیں) قلعہ بندی کے فن میں بہت سی چیزیں اپنے دشمن مسلمانوں سے سیکھی تھیں اور خود مسلمانوں نے اس سلسلہ میں آرمینی سنگ راجوں کی مہارت سے فائدہ اٹھایا تھا۔

آرمینیا اور شام کی سنگی اور ایران کی خشتی قبل اسلام عمارتوں سے (ایران کی ان سے قبل اسلام خشتی عمارتوں کے بارے میں اب علماء میں یہ خیال عام ہو تا جا رہا ہے کہ ہم نے قرونِ وسطیٰ میں لداؤ جھتیں بنانے کا طریقہ ان ہی عمارتوں سے لیا ہے) ہم نے جو کچھ لیا ہے اس قرض کو منہا کر دیا جائے تب بھی ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ شام اور دوسرے ملکوں کی اسلامی عمارتوں میں جو تکنیکی کمان استعمال کی گئی ہے وہ مسلمانوں ہی کی ایجاد ہے۔ درجہ انخنا والی تکنیکی کمان قریب قریب یقین کی حد تک اور ٹیوڈر کمان ممکن ہے دونوں کا ایک ایسی ہی اصل سے تعلق رکھتی ہیں، کئی نعلوں اور کئی نعل دار یا کثیر برگی کمانو

کا استعمال بھی اسی ذریعہ سے آیا ہے۔ اسی طرح غالباً سطحوں کی تزیینی نمونے اور ممکن ہے درجہ پھول میں سلاخوں کے ذریعہ تزیین بھی یہیں سے لی گئی ہے۔ گل بوٹوں کے تختے ابتدائی مسجدوں میں پتھر یا سنگستر میں بنی ہوئی ہندسی شکلوں کی جالیوں سے لے گئے ہیں یا یہ ممکن ہے

کہ یہ چیز اولیٰ آگ کے قبل اسلام اور اسلام کے بعد اسلام اور مسیحیہ اور عیسائی اور ہندو اور جین اور سکھ اور

ہو چکی تھی۔ بعض اوقات رنگین شیشوں کی ایجاد کا سہرا مشرق کے سر بلندھا جاتا ہے لیکن یہ بات اب تک ثابت نہیں ہوئی ہے، پایوں کے گوشوں میں دیوار سے لگا کر دھرے دینا جسے گو تھک جھٹوں کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ آٹھویں یا نویں صدی کی ایک اسلامی ایجاد ہے۔ تزیینی اور جمال دار گھر گنج عراق (مسو پٹیمیا) سے قاہرہ منتقل ہوئے یہاں سے یہ اطالیہ منتقل ہوئے اور آگے چل کر گو تھک فن تعمیر کی ایک خصوصیت بن گئے۔ بعد کی گو تھک عمارتوں میں منبت کاری میں بنے ہوئے کتبے جو تزیین کے لئے استعمال کئے گئے ہیں نویں صدی کی جامع ابن طولون کی نقل میں بنائے گئے ہیں لیکن فرانس کے جنوبی علاقوں پر مسلمانوں کے اقتدار کے دوران میں کوئی رسم خط میں لکھے ہوئے کتبہ فرانس تک پہنچ چکے تھے۔

۱۰ یعنی ماہر نظرانی منبت کار گاؤ فرے ڈس (AUFREUDUS) کے منبت کار جوبی دروازے جو لے پوی (LE PUY) کے کلیسا کی ایک چھوٹی سی کان میں لگے ہوئے ہیں اور دوسرا منبت کار دروازہ لاوونے شیلیاک (LAVOUTECHILAC) میں لگا ہوا ہے۔ وسط منظر آج کے اوپری حصہ میں تزیینی پیٹروں اور بعض ابتدائی رنگین شیشوں کے درجہوں کی اصل کے بارے میں پروفیسر لٹالے (L'ETHALE) نے اسی خیال ظاہر کیا ہے ملاحظہ ہو رینگٹن میگزین میں

The Development of ornament from

Plus Ling Ton Magazine Vol 5 X/4 X/2, 1922

اور انگلستان تک میں تزیین کی بعض نادار مثالوں میں عربی اثر کی غمازی ہو رہی ہے
 دھاری دار روکار تھامس سے آئے ہوں گے۔ ایسے ہی نشاۃ ثانیہ کے گھنٹہ گھر۔ اور نشاۃ
 ثانیہ کی صدف نما محرابیں بھی آپس سے آئی ہوں گی۔ عربی و مشربیہ یا چھوٹی جالیاں جو
 مکان کے زنانے حصے کو چھپانے یا مسجد میں آدھ کے طور پر استعمال ہوتی تھیں ان کی
 انگلستان کی دھاتی جالیوں میں نقل کی گئی ہے۔ گل بوٹوں کی ہلکی مہنت کاری کے
 ذریعہ عمارت کی سطحوں کی تزیین یا ماہی پشت جال کے ذریعہ دیواروں کا سجانا اور
 زینت کے لئے ہندو سی شکلوں کا استعمال ان سب چیزوں کے لئے ہم مسلمانوں قوموں
 کے ممنون احسان ہیں یہی تو ہیں ہمارے علم ہند کا بہت بڑا ماخذ یا ذریعہ رہی ہیں۔
 اوپر جو باتیں بیان ہوئیں وہ موٹی موٹی سی باتیں تھیں لیکن صلیبی لڑائیوں کے
 دوران میں اور زیادہ پر امن طریقہ پر قرون وسطیٰ کے آخری زمانے میں مشرق اور
 مغرب کے قریبی ربط نے تعمیر کاری پر اور بھی اثرات طوالتے ہوئے ہیں جن کا اس سرسری
 جائزے میں ذکر نہ ہو سکا۔ اسپین میں اسلامی تعمیر کاری کی روایات نشاۃ ثانیہ کے
 آخری عہد تک برقرار رہیں اور یہی رائیٹس اسپین کے گو تھک تعمیر کاری کے
 بہت سی گتھوں اور عجیب و غریب چیزوں کا حل پیش کرنے میں مدد دیتی ہیں آخر
 میں یہ بات بھی دھیان میں رکھی جائے کہ اب بھی بعض دور دراز ملکوں میں اسلامی
 تعمیر کاری سے کام لیا جا رہا ہے جہاں وہ ایک ہزار سال سے بھی زیادہ زمانے سے
 پھلتی پھولتی چلی آ رہی ہے۔ ختم شد

تیسری اور آخری قسط

وحدتِ ادیان

ڈاکٹر احمد ستار، کراچی یونیورسٹی (پاکستان)

” اور لوط صفر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں، کیونکہ اسے صفر میں بستے ڈر لگا اور وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بوڑھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے اور ہم اپنے باپ کو ملے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تاکہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں۔ سو انہوں نے اسی رات اپنے باپ کو ملے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی اور آج رات بھی اس کو ملے پلائیں اور تو بھی جا کر اس سے ہم آغوش ہوتا کہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں سو اس رات بھی انہوں نے اپنے باپ کو ملے پلائی اور چھوٹی گئی اور اس سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ کب وہ لیٹی اور کب اٹھ گئی۔ سولوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں اور بڑی کے ایک بیٹا ہوا اور اس کا نام مواب رکھا۔ وہی موابیوں کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں اور چھوٹی کے بھی ایک بیٹا ہوا اور اس نے اس کا نام بن عی رکھا وہی بنی عیون

کا باپ ہے جو آج تک موجود ہیں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) (۲۳)

اس طرح عیسائیوں نے اللہ کے ایک پاک پیغمبر پر تہمت لگانے کی ناپاک جسارت کی اور صرف یہی نہیں انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے پر الزام لگایا کہ اس نے اپنے باپ کی بیوی سے زنا کیا اور باپ نے اسے کچھ نہ کہا۔

انجیلِ عرف کی کتاب پیدائش باب ۳۵ میں ہے ۔

(۲۴)

"روبن نے جا کر اپنے باپ کی حرم بلہام سے مباشرت کی اور اسرائیل کو یہ معلوم ہو گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر بھی تہمت زنا لگائی گئی، سفر سموئیل ثانی باب ۱۱ میں ایک قصہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام ظہر کے بعد اپنے بستر سے اٹھے اور شاہی محل کی چھت پر بٹھلنے لگا اتفاقاً ان کی نگاہ ایک عورت پر پڑی جو غسل کر رہی تھی اور بڑی خوبصورت تھی داؤد نے کسی آدمی کو بھیج کر اس عورت کی نسبت معلوم کرایا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ "اوریا" کی بیوی یت سلع ہے۔ پھر داؤد نے آدمیوں کو بھیج کر اس عورت کو پکڑ والیا اور اس کے ساتھ صحبت کی پھر وہ اپنے گھر واپس چلی گئی اور اسے حمل رہ گیا۔ (۲۵)

متذکرہ بالا بیانات عیسائیوں کی مشہور کتاب مقدس انجیل (مخرف) میں موجود ہیں قرآن کریم نے ان تمام الزامات سے ان انبیاء کرام کو بری قرار دیتے ہوئے ان کی شان بیان کی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر لگنے والے الزامات بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔

۲۳ - عہد نامہ قدیم، کتاب پیدائش، باب ۱۹، آیت ۳۷

۲۴ - عہد نامہ قدیم، کتاب پیدائش، باب ۳۵، آیت ۲۲

۲۵ - عہد نامہ قدیم، سفر سموئیل ثانی باب ۱۱

قرآن اور عصمتِ انبیاء: بعض انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بائبل کے بیانات آپ نے پڑھے اب دیکھئے قرآن کریم نے

انبیاء علیہم السلام کی عصمت کی گواہی کس طرح دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اپنے ان برگزیدہ بندوں پر عائد ہونے والے الزامات کی قطعی کھولنے کے لئے کس قدر عمدہ کلمات میں ان کی شان بیان کی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ فَضْلًا (۲۶) (اور بے شک ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑا فضل عطا کیا)

وَإِذْ كَرِهْنَا دَاوُدَ وَآلَهُ إِذْ كَانُوا كَافِرِينَ (۲۷) (اور یاد کیجئے ہمارے حکامت پر بندے داؤد کو وہ بے شک بہت رجوع کرنے والے تھے)

يَا دَاوُدَ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ (۲۸) (اے داؤد بے شک ہم نے آپ کو زمین میں اپنا نائب بنایا)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: "وَهَبْنَا لَهُ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ نِعَمَ الْعِبَادِ إِنَّهُ أَوَّابٌ" (۲۹) (اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا وہ کیا ہی اچھا بندہ ہے بے شک وہ ہماری طرف بہت رجوع کرنے والا ہے)

حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: "وَإِذْ نَادَىٰ هَارُونَ أَخَاهُ لُوطُ عَلِيمًا هَلْ يَأْمُرُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُفْسِقِينَ" (۳۰) (اور یاد کیجئے ہمارے حکامت پر بندے داؤد کو وہ کیا ہی اچھا بندہ ہے بے شک وہ ہماری طرف بہت رجوع کرنے والا ہے)

۲۶۔ سورۃ سبا، آیت ۱۰

(۲۷) سورۃ ص، ۱۸

۲۸۔ سورۃ ص، ۲۶

۲۹۔ سورۃ ص، ۳۰

ادخلنا لا نرى رحمتنا انه من الصالحين (۳۰)

(اور ہم نے لوط کو حکم اور علم عطا کیا اور اس بستی سے ان کو نجات دی جس کے باشندے ناپاک کام کرتے تھے بے شک وہ بدترین قوم تھے نافرمانی کرنے والے اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا بے شک وہ صالحین میں سے تھے۔

سورة الشعراء میں فرمایا:

كذبت قوم لوط المرسلين اذ قال لهم ائوهم لوط الا تقوت ا انى لكم رسول امين (۳۱) قوم لوط کے لوگوں نے رسولوں کو بھٹلایا جب ان کے ہم قبیلہ لوط نے ان سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے؟ بے شک میں تمہارے لئے امانت والا رسول ہوں۔

سورة الصافات میں ارشاد ہوا: وان لوطا من المرسلين اذ نجينا واهله اجمعين (۳۲) بے شک لوط پیغمبروں میں سے ہیں جب ہم نے انہیں اور ان کے سب گھر والوں کو نجات دی) حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا۔

واذكر عبدنا ابراهيم واسحق ويعقوب اولي الابدی والا بمار انا اخلفناهم بخالصه ذكوى الدار والهم عندنا من المصطفين (۳۳) (اور یاد کیجئے ہمارے بندوں ابراہیم واسحاق اور یعقوب، قوت

۳۰۔ سورة الانبياء / ۷۴

۳۱۔ سورة الشعراء / ۱۶۰

۳۲۔ سورة الصافات / ۱۳۳

۳۳۔ سورة ص / ۴۵۰

نہد بصیرت والوں کو بے شک ہم نے ان کو مرگمردہ کیا ایک استیازی
 سے بہرہ آرت کے گھر کی دوست اور بیٹے کی دوستی جاری بارگاہ میں
 پروردگار پسندیدہ بندوں میں سے ہے۔

مستحبہ بالا آیات مبارکات کے مطالعہ کے بعد اہل ایمان خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ
 کیا ایک ایسے کتاب کے ساتھ ملایا جاسکتا ہے جس میں انبیاء کی عظمت و شان کی
 باتیں ہوں اور جس کے مندرجہ بالا فقرے ہوں اور ہر شک بھی نہ ہو یقیناً بابل
 اور قرآن کی ایک ہی جلد میں اس امت کا اہتمام حق و باطل کو یکجا کرنے اور باطل کو
 حق کا درجہ دینے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو دشمن کی اس نئی چال سے
 بچنے کی بصیرت نصیب فرمائے۔ (آمین)

گل رعنا

(اسم سراج لال رعنا کی)

مرد و عورتوں کو دلکش و دلربا کرنے کے مقاصد سے سفرات تفریح و تفریح آبادی
 کے لئے جگہ پرانہ آبادی اور سفرات تفریح و تفریح کے لئے جگہ پرانہ آبادی
 کا اظہار کیا ہے۔

جگر مراد آبادی رعنا صاحب کو ایک فطری شاعر کہہ کر خطاب
 کرتے تھے۔

صفحات : ۲۳۲

قیمت مجلد : ۲۵ روپے

قطعاتِ وفاتِ غالب

جمہورِ معروف خاں (ایم۔ اے، سٹری) اُردوئی کلاں (راج)

ڈاکٹرِ گیان چند جین صاحب نے اپنے کسی مقالے میں تحریر فرمایا تھا کہ اردو ادیب ہیں کام کرنے والوں کے لئے نئے موضوعات کا فقدان نہیں۔ ایک موضوعِ غالب کی وفات کے قطعاتِ تاریخ کو یکجا کرنا بھی ہے۔ لیکن جیسا کہ مولانا الطاف حسین حالی (م ۱۹۱۴) نے لکھا ہے کہ، ”اُن (غالب) کی وفات کی تاریخیں جو مدت تک ہندوستان کے اردو اخباروں میں چھپتی رہیں وہ گنتی اور شمار سے باہر ہیں“ اس لئے اس موضوع کا کما حقہ حق وہی اسکالر ادا کر سکتا ہے جو بلند ہمت اور وسائل سے بے نیاز ہو؟ اور جو ملک کے تحقیقی اداروں اور جامعات کے کتب خانوں تک سفر کر سکے ہیں۔ جہاں اُس عہد (۱۸۶۹ء کی ۱۵ فروری کے بعد سے کم از کم دسمبر ۱۸۷۰ء تک) کے اردو اخبارات کی فائلیں موجود ہیں۔ یہ کام کسی بھی ریسرچ اسکالر کے لئے سرمایہٴ افتخار ثابت ہوگا۔ راقم دورِ افتادہ و بے بضاعت کی رسائی بڑے اظہاروں تک اب ممکن نہیں۔ تاہم میرے ذاتی مدد و ذخیرے کی مدد سے وفاتِ غالب کے چند قطعات پیش کر رہا ہوں۔ اگر کسی اسکالر کے کام آسکے۔ تو زہدے نصیب۔

مرزا اسد اللہ خان غالب المعروف بہ میرزا نوشہ، الناطب بہ نجم الدولہ دیر الملک اسد اللہ خان

لے یادگارِ غالب ص ۱۰۰ غالب انسٹیٹیوٹ نئی دہلی ۱۹۸۶ء

بہار نظام جنگ شب ہشتم ماہ رجب ۱۲۱۲ ہجری بمقابلہ ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء کو شہر آگرہ میں پیدا ہوئے۔ اپنی ولادت کا قطعہ سال کسی دنت خود ہی کہا۔

غالب پورنا ساربی فرجام نصیب ہم بیم عدد وارد، ہم ذوق حبیب
تاریخ ولادت من از عالم قدس ہم شورش شوق "آمد و ہم لفظ" غریب" ۱۲۱۲ھ

یعنی "شورش شوق" اور لفظ "غریب" سے مادے حاصل کئے۔ دوسری تاریخ ولادت اردو میں مرزا حیدر علی برکھی صاحب عالم مارہروی صاحب سے غالب کی مراسلت رہتی تھی۔ ایک دفعہ عالم صاحب نے مرزا غالب سے پوچھا کہ آپ کی ولادت کس سنہ میں ہوئی، اور یہ بھی اطلاع دیا کہ میری ولادت لفظ "تاریخ" سے نکلتی ہے، جس کے عدد ۱۲۱۱ ہوتے ہیں۔ مرزا نے جواب میں یہ شعر بھیجا۔

ہاتف غیب سن کے یہ چیخا

ان کی تاریخ میرا "تاریخ" ۱۲۱۲ھ

مرزا نے شاعری کی ابتداء ۱۸۷۸ء میں کی۔ شروع میں اسد تخلص اختیار کیا۔ مگر میرا مانی اسد کا درج ذیل شعر سنکر:

اسد اس جفا پر بتوں سے و خاک مرے شیر شاہی رحمت خدا کی ہے
اپنا تخلص (اسد) کر دیا اور تقریباً ۱۸۱۹ء میں غالب تخلص رکھ لیا، پھر بھی اسد

۲ ایضاً ص ۹ نیز دیوان غالب کا لنٹہ گپتا رخصت ۱۰۲ مرتبہ کال داس گپتا رخصت کا پبلشرز بمبئی ترمیم و اضافہ کے ساتھ ۱۵ فروری ۱۹۹۵ء

۳ کلمات غالب فارسی ۱: ۲۲۲۔ ۲ دیوان غالب لنٹہ رخصت ۵، بحوالہ مکتبہ انجمن

۵ سخی شعراء ص ۲۱ عبدالغفور نساج

تخلص بھی روا رکھا۔ ۱۲۷۷ھ میں اپنی وفات کا قطعہ بھی خود ہی لکھا:

من کہ باشم کہجا و دلاں باشم چون نظیری نہ ماند و طالبِ مُرد
ور بہ پرسندد کہراہ سال مرد غالب، بگو کہ "غالبِ مُرد" ۱۲۷۷ھ

(یعنی کیا ہستی ہے کہ ہمیشہ زندہ رہوں۔ جب بڑے بڑے نامی شاعر نظیری اور طالب باقی نہ رہے۔ اور اگر لوگ پوچھیں کہ غالب کس سال میں مر گیا (توجواب دو کہ) غالب مُرد کے عدد نکال لو۔ یعنی ۱۲۷۷ھ) یہ قطعہ ۱۲۷۷ھ میں لکھا تھا مگر ۱۲۷۷ھ میں وفات نہ ہوئی تو اس بارے میں میر جمہدی مجروح کو لکھتے ہیں، "میاں ۱۲۷۷ھ کی بات غلط نہ تھی مگر میں نے وہ بائے عام میں مرنا اپنے لائق نہ سمجھا واقعی اس میں میری کسر شان تھی بعد رفعِ فساد ہوا سمجھ لیا جائے گا" ۷۷

۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۷ء میں کسی نے غالب کے انتقال کی افواہ اڑادی۔ افواہ سنکر انکے نادیدہ شاگرد محمد حبیب اللہ دکن کا جید راہبادی سے رہا نہیں گیا اور انہوں نے ایک بہترین قطعہ تاریخ (فارسی) سپردِ قریاس کیا!

گزشت از جہاں آں جہاں سخن کہ می گفتش عرفی و طالب است

خود گفت سالتن ریاضِ جنان

کراں تا کراں مسکنِ غالب است ۷ ۱۲۸۳ھ

دیعنی وہ جہاں سخن جیساں جہاں سے گزر گیا، جس کو میں عرفی اور طالب کہتا ہوں۔

۶ اردو معنی ص ۲۷۰ ناشر رام نرائن لال آرٹس کمار، الہ آباد ۱۹۹۰ء

۷ غالب کے خطوط مرتبہ خلیق انجم ۲/۵۳۰

۸ ماہنامہ آجکل نئی دہلی دسمبر ۱۹۹۱ء ص ۱۲۔

دعوت عقل نے اس کا سالِ وفات کا مادہ "ریاضی جنان" بتلایا جو اس کنارے سے اس کنارے تک غالب کا مسکن ہے (قطعہ کا حل ملاحظہ فرمایا جائے۔

یعنی ریاض جنان کے ایک کنارے (پی) سے دوسرے کنارے (بی) تک "غالب" کا مسکن ہے۔ ۱- ۲۰ + ۵۰ + ۱۰۳۳ = ۱۲۸۳ھ۔ اس نوعیت کا دمایہ قطعہ تاریخ گوئی کے لئے محرم میں شاید ہی مطالعہ میں آئے۔ اگرچہ اس صنعت میں سطح ستارہ گروہ (۱۱۱۱ھ) کی بھی ایک تاریخ ملتی ہے، جو ذکار کے ذہن میں ضرور رہی ہوگی۔ بہر حال یہ افواہ غلط ثابت ہوئی۔

۱۲۸۳ھ میں غالب کی سماعت کمزور ہو گئی تھی۔ سید آل محمد مارہروی نے اس واقعہ کی بابت یہ قطعہ کہا:

کان ہرے میرزا نوشہ کے آہ بیٹھے بیٹھے یک بیک کیونکر ہوئے

دوستو تاریخ اوس کی غیب سے

یوں سنی میں نے کہ غالب کتر ہوئے، ۱۲۸۴ھ (گز بمعنی بہار ہوتا)

مورخ نے "ہویہ" کے (۳۱) عدد شمار کئے ہیں، غالب انتقال سے تین ماہ پیشتر سے نوشی سے تائب ہو گئے تھے۔ اس واقعہ کی تاریخ خود کہی۔ قطعہ مبسوط ہے لہذا صرف تین شعر پیش ہیں:-

ہر شب بقدح یہ نختہ بادہٴ گلquam آئے زدوسی سال مرا قاعدہ (ایں بود

در غرہٴ شعبان جو زمن بادہٴ گرفتند خود غالب بثر مردہٴ نشانی ز سین بود

روشش بدر آرا از مہ شعبان کہ دیں جا

مقصود من از خضر جہ البتہ میں بود ۱۲۸۵ھ

۱۶۴ میلاد نورالانوار آ رہ ۱۲۹۹ھ

”غالب پڑمردہ“ مادہ ہے جس کے عدد ۱۲۹ ہوتے ہیں بیشش بدسار کہتے ہوئے
(۶) عدد کا تخریج کر کے مطلوبہ سال ۱۲۸۵ء حاصل کیا گیا ہے۔ اس یگانہ روزگار شاعر
کی یہ آخری نگارش ہے۔

ڈکڑ لیقعدہ ۱۲۸۵ھ / ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کو یہ شہرہ آفاق شاعر خدا کو پیارا ہوا۔ آہ
غالب بمر (۱۲۸۵ھ) مادہ ہے، جس پر بہت سے شعرا کو توار دہوا۔ غالب کے شاگرد
بال مکند بے صبر نے اسی مادہ کو لوں منظوم کیا :

ہماں میرزا غالب اور ستارہ من ہماں آفریں ہماں چو آفر سپرد
پیر سیدم از دل سنی رحلتش بنالید و گفت : آہ غالب بمر دہ ۱۲۸۵ھ
(اُن میرے استاد میرزا غالب نے آفر اپنی جان، ہماں آفریں کے سپرو کردی رتب)
میں نے دل سے ان کا سنہ رحلت بوجھا تو رو دیا اور کہا۔ آہ غالب مر گیا۔
میروز بر نور کھنوی نے بھی اسی مادہ سے سال پیدا کیا۔

لئے سال اکاں شاعر بے نظیر فلک زدند آہ غالب بمر دہ ۱۲۸۵ھ
جناب محمد بخش فہم بلالونی نے فارسی میں یہ قطعہ کہا :
خزاں دیدہ شد گلشن نظم و نثر چو غالب ز باغ جہاں رخت بُرد

۱۰ غالب کا ایک مشاق شاگرد بال مکند بے صبر دجیات اور انتخاب تصانیف (از کالی داس گپتا
نفاص ۱۲ و ۱۳) ساکاپ پبلشرز پرائیویٹ لمیٹڈ ممبئی ۱۹۹۲ء
۱۱ تاریخ نمبر نگار جولائی ۱۹۶۳ء نیز تاریخ لطیف ص ۵۰
۱۲ کلیات غالب (فارسی) مرتبہ امیر حسن نورانی ص ۷۶ ناشر راجہ رام کمار بکڈپو مطبع
منشی نول کشور کھنؤ ۱۹۶۸ء

محکم باقی غیب از ہر سال بگفتا بن آہ غالب ہمدرد ۱۲۸۵ھ
جب ۲ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ کو غالب کی موت واقع ہوئی تو ذکا حیدر آبادی نے
اردو میں ورنج ذیل نالی قطعہ دس عدد کے تذخلے سے کہا:

میرے استاد معنوی غالب	جس کا ہر لفظ معنی اجماع نہ
وعدہ لاسفریک لہ کی قسم	ہر ایک فن سخن میں تھا بے نیاز
ایسی قسمت کہاں جو میں کرتا	پردہ چشم طرب با انداز
ہاں سنا ہے کہ اُس کے تھے کردار	جیسے گفتار حافظ شیراز
کیا عجب ہے جو حرمِ متدے سے	بخش دے بھی کریم نکتہ نواز
ہند کا انور سی و سعد سی تھا	متفق اس پہ ہیں سخن پرداز
خود ہی فرما گیا ہے یہ مقطع	پیش بینی کا دیکھنا انداز

”اس اللہ خاں تمام ہوا“ ۱۲۷۵ء وادریغا وہ زند شاہد باز“ (۱۰)
پہلے مصرع سے تا بہ آخر شعر سالِ تاویخ کا ہے جلوہ طراز

غیب دانی صفت خدا کی ہے
اک عدد کی کمی میں تھا یہ راز ۱۲۸۵ھ

مادہ اٹھویں شعر یعنی مقطع غالب کا پہلا مصرع ہے، جس کی کل قیمت ۱۲۷۵ء ہوتی ہے
لیکن نویں مصرع کی رو سے مقطع کے آخری لفظ ”باز“ کے دس عدد کا تذخلہ کرتے ہوئے

۱۲ تاریخ گویان پدایوں از ڈاکٹر صداقت اللہ خاں ص ۱۰۱ مطبوعہ ۱۹۹۵ء
۱۳ ماہنامہ آج کل نئی دہلی دسمبر ۱۹۹۱ء صفحہ ۱۲۔

۱۲۸۵ھ حاصل کئے گئے ہیں۔ قاری "اک عدد کی کمی انج سے کسی وہم میں مبتلا نہ ہوں کہ پھر تہذیب "باز" کے دس عدد کا کیوں کیا گیا۔ دراصل یہاں "اک" (ایک) سے مراد صرف "احد" نہیں بلکہ ہر ایک عدد خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اپنے آپ میں ایک عدد ہی ہوتا ہے تاریخ گو "دس عدد کی کمی میں تھا یہ راز" بھی کہہ سکتا تھا لیکن اس سے نہ صرف شعر بلکہ مکمل قطعہ کا حسن ختم ہو کر رہ جاتا اس لئے اک عدد کی کمی کہا " عدد میں جو نزاکت ہے وہ دس عدد میں نہیں۔ اس سے تاریخ بے مزہ ہو کر رہ جاتی۔

خواجہ الطاف حسین حالی نے غالب کی رحلت پر نہایت پُر اثر مرثیہ کہا، جس میں غالب ہی کے ایک مشہور مصرع سے تاریخ برآمد کی:

غالب نے جبکہ روضۂ رضوان کی راہ لے رہا ہے ہر لب پہ آہ سرد تھی ہر دل میں درد تھا
اُس دین کچھ اہل شہر کی افسردگی نہ بوجھ : دنیا سے دل ہر اپنے پرانے کا سرد تھا
حالی کہ جھکود عوی تمکین و ضبط ہے : دیکھا تو دل پہ ہاتھ تھا اور رنگ زرتھا
تھا گو وہ اک سخنور ہندوستان نژاد : عرفی و انور سی کا مگر ہم نہر دستھا
اس قافلہ میں آئے ملا گو وہ سب کے بعد : اگلوں کے ساتھ ساتھ مگر وہ نور دستھا
ہم اور صبح و شام یہ اندازہ جاں گزرا : دل تھا کہ فکر سال میں بیصرفہ گرد تھا
ناگاہ دی یہ غالب مرحوم نے صدائے سچ ہے کہ خواجہ رہنمائی میں فرو تھا

تاریخ ہم نکال چکے پڑھ بغیر فکر ۱۵۱۱

"حق مغفرت کرے عجب آزاد مر تھا" ۲۷۹۴ = ۱۲۸۵ھ

یہ تاریخ غالب مرحوم ہی کی غزل کے ایک مصرع سے نکالی گئی ہے۔ ان کی غزل کا

مقطع ہے:

یہ لاش بے کفن اسدی خستہ تن کی ہے حق مغفرت کرے عجب آزاد مر تھا۔

مصرعہ اخیر کے اعداد ۲۷۶۶ ہوتے ہیں جب ان میں سے لفظ "تاریخ" کے (۱۲۱۱) عدد ساقط کر دیں جس کا قرینہ "نکال چکے" میں اور "فکر" کے (۳۰۰) عدد کا اخراج کریں جس کی وضاحت "پڑھ بیڑ" میں موجود ہے، تو ان کا میزان (۱۲۱۱ + ۳۰۰) ۱۵۱۱ ہوا۔ اسے ۲۷۶۶ میں سے خارج کیا تو ۱۲۸۵ باقی رہے اور یہی غالب کا سال وفات ہے تاریخ کی مختصر صورت یہ ہوئی ۲۷۶۶ - (۱۲۱۱ + ۳۰۰) = ۱۲۸۵ء۔

بال سکند بے صبر نے اپنے استاد کی وفات پر دو سرقطعہ بزبانِ اردو کہہ کر زندانِ عقیدت پیش کیا، جو چار اشعار پر مشتمل بہترین شغفی مرثیہ ہے:

اسد اللہ خاں وہ غالب آہ جس سے اہل کلام تھے مغلوب
جب سدھارے بسوے خلدیہ سغن اُن کے اَلَم میں سینہ کوب
اُس پر سغن کے اختر کا مجھ کو سالِ غروب تھا مطلوب

کہا عیسیٰ نے از سرِ حسرت
"ہوا آفتابِ ہند غروب" ۱۸۶۱ء و ۱۸۶۹ء

منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی نے اردو میں دو قطعات تاریخ کہے:
مرگیا غالب جو لاثانی تھا ہند میں لے گیا دنیا سے دھ سے حسرتیں کیا کیادینے
فکر میں اے سحر میں بیٹھا ہوا تھا ناگہاں
یہ ندا آئی فلک سے: ولے دا ویلا در بقی ۱۲۸۵ھ
تحر کے دوسرے قلعے کا میں صرف شعر تاریخ شعر ہی دستیاب ہو سکا۔ یہ قطعہ تین

۱۵ غالب کا ایک مشاق شاگرد۔ بال سکند بے صبر میں ۱۲ و ۲۶

۱۶ تاریخ گویان بدایوں میں ۳۷

شعر پر مشتمل ہے۔

ہے تحریر مصرعہ کے لب پر جاری ”دنیا سے آج چل دیا غالب بھی“ ۱۲۳۷ (کذا)

اس تاریخ کا مادہ نسخ ہے۔ درست صورت یہ ہونی چاہیئے :

”دنیا سے آج چل بسا غالب بھی“ ۱۲۸۵ھ

سید آل محمد ماسروری نے مندرجہ ذیل قطعہ تماریح اردو میں یوں کہا :

جناب میرزا نوشہ مدافسوس ہوئے دایہ فنا سے رگہرا آج

لکھو اے آل محمد سال منقوط

کہ ”رشدک حاقط و طالب مرا آج“ ۱۲۸۵ھ

مذکورہ مادہ صنعت بمعجم میں ہے جس کے حروف منقوط یہ ہیں : ز، ش، ف، ظ، اب

ج۔ ان حرفوں کے اعداد کا میزان ۱۲۸۵ ہوتا ہے، اور مورخ کو یہی بحر سنیہ مطلوب تھا۔

دیوان غالب کا پانچواں ایڈیشن مطبع مفید عام اگرہ سے ۱۲۸۵ھ میں وفات

غالب کے فوری بعد شائع ہوا۔ سالک نے دونوں واقعات کی بہت خوبصورت اتفاقی

تاریخ کہی :

”آج ہی سال طبع سال وفات“ ۱۲۸۵ھ ”آج اون کا سخن تمام ہوا“ ۱۲۸۵ھ

سالک صاحب نے معلوم نہیں کس دریا کے غم میں غوطہ زن ہو کر مادہ کہا تھا کہ جس کے

ہر ایک حرف سے ہزار ہا حسرتیں برس رہی ہیں۔ آج اون کا سخن تمام ہوا۔!! ذرا دھیے لپیٹیں پڑھا

جائے : آج !! اون !! کا !!

۱۷ تاریخ لطیف ص ۴۹

۱۸ دیوان تواریخ ص ۳۹ مطبع نور الانوار ارہ ۱۲۹۹ھ

۱۹ ماہنامہ نیا دور نصف صدی نمبر وگشتی بابت مارچ تا مئی ۱۹۹۶ء صفحہ ۳۷۔

سالک صاحب نے معلوم نہیں کس دریائے غم میں غوطہ زن ہو کر مادہ کہا تھا کہ جس کے ہر ایک حرف سے ہزار ہا حسرتیں برس رہی ہیں۔ آج اون کا سخن تام ہوا !!! ذرا دیکھ لیجئے میں پڑھا جائے: آج !!! اون !! کا --- !!!

جناب سید سعید حسن مسعود صاحب نے بحری و عیسوی سنہ میں دو قطعات لکھے ہیں:

نامور نکتہ رس خدائے سخن شاعر باوقار مصدرِ علم

بہند مسعود سال بحری میں

ہوئی تاریخ "سوت" منظرِ علم " ۱۲۸۵ھ

دوسرا قطعہ یہ ہے:

جل بسے آج میرزا غالب چھا گیا ملک پروبالِ غم

موت کا انکی سانچہ عظیم اک جہاں کو ہوا کمالِ غم

ہے یہ مسعود عیسوی سن میں

"محترم نیک ذات" سالِ غم ۱۸۶۹ء

مذکورہ دونوں قطعات بہت بعد میں لکھے گئے ہیں جو بے تک اور عمومی نوعیت کے

مائل ہیں۔

سید محمد علی جوہی مراد آبادی نے بزیادت یک عدد مندرجہ ذیل قطعہ کہا جو نالی اور ناقص الفاظ

مادہ کا حامل ہے:

حادثہ وہ ہوا ہے غالب کا جس سے مغموم خاص و عام ہوئے

پس غالب یہ سال ہاتھ آیا ۲

"اسید اللہ خاں تمام ہوئے ۱۲۸۴: ۱۲۸۶ھ

"پس غالب سے مراد یہاں "غالب" کا آخری حرف بائے مودہ ہے جس کے دوسرے مثال

اعداد مادہ کے ہیں۔ جبکہ معنی قریب یہ ہیں کہ غالب کی رحلت کے بعد یہ تاریخ ہاتھ آئی۔

باقی دو قطعات بزبان فارسی ہیں اور دونوں ۱۲۸۶ھ کے قمر۔

نواب نیاز احمد خاں ہوش بریلوی نے دو اشعار پر مشتمل قطعہ موزوں کیا جس کا تاریخی بیت

ہے:- کہا ہاتھ نے ہوش "اب ہوئے وہ

اسد یشہ سخن سخی" ۱۲۸۵ھ

جو یہاں کا فارسی زبان میں کہا ہوا ایک قطعہ یہ ہے:-

غالب چوں ازیں جہان گزراں شد داخل خلد ہر ملک گفت

تاریخ وفات اور جو

"تاج ہر شاعران" فلک گفت ۱۲۸۶ھ

(غالب جب اس جہاں فانی سے گئے تو ہر ایک فرشتے نے کہا کہ وہ داخل خلد ہو گئے، اور جو

سے فلک نے ان کی تاریخ وفات "تاج ہر شاعران" یعنی شاعروں کے سر کا تاج بھی -)

جو یہاں کی تاریخیں لگ بھگ دو ماہ کے تفاوت سے ہیں:

سید محمد علی جوہا نے فارسی کے دوسرے قطعہ میں غالب، شیفتہ، مظفر خاں گرم اور رجب

علی بیگ سرور کے انتقال پر کہا جو گویا صنعت اتفاقی میں بطرز معلیٰ، جسے ہم یہاں صرف

۲۲ خیابان تاریخ (سرود غیبی) ص ۸۲ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۱۲۹۲ھ

۲۳ تاریخ لطیف ص ۵۰

۲۴ خیابان تاریخ ص ۵۱

غالب کے سبب لکھتے ہیں:

غالب و شیفتہ و گرم و بسرور	دیکھ سال ز گیتی رفتند
چوں سخن در ہمہ گیتی مشہور	آن ہمہ در ہمہ اصناف سخن
بہر ایں چار حریف مسطور	سال تاریخ اگر می خواہی
گیر ازیں ہر ہمہ نام مغفور	اول و اوسط و ثانی و سوم

باز ترکیب بدہ ۳۱ بشنوی

مژدہ مغفرت شاں "ز غفور" ۱۳۸۶ھ

جو یانے چوتھے شعر میں وضاحت کر دی ہے کہ ان چاروں شعرا کے تخلص کے حرف اول یعنی غالب کے "غ" شیفتہ کے تخلص کے حرف درمیانی (اوسط) یعنی "ف" گرم کے تخلص کے حرف ثانی یعنی "ر" اور سرور کے تخلص کے حرف سوم یعنی "و" کو ترتیب دے کر مادہ بنایا جائے تو وہ لفظ "غفور" ہوگا جس کے عدد ۱۳۸۶ ہوتے ہیں۔ لیکن سرور کے علاوہ شیفتہ کا سال وفات صحیح طور پر معلوم نہیں باقی گرم و غالب کے سال وفات ۱۳۸۵ھ ہیں۔

اس "ر شکب جانی و ثانی سعدی" کی رحلت پر سید آل محمد مارہروی نے درج ذیل نازنی مرثیہ کہا:

آشکارا معانی سعدی	جیف رفت آنکہ از کلاش بود
طالعش ہمنانی سعدی	در میا دین نظم و نثرش داد
یافت شیریں بیانی سعدی	ہر کسہ یوان او مطالعہ کرد
حق او ہمزبانی سعدی	بود در بند بند مرگ حزین

ابرنسان کلب در سلکش ! داشت گوهر فشانی سعدی
 سعدی او زنده بودی او بسخن ساختی میسر بانی سعدی
 محبت پُر افادتش دادی یاد از مکتب دانی سعدی
 مستمع را ز خواندن شعرش لذت شعر خوانی سعدی
 از جراح فکریش تقابل داشت پیریش با جوانی سعدی
 بود ذات بلاغت آب اتش در زمانه نشانی سعدی

گفت آل محمدش تاریخ

" رشک جامی و ثانی سق^{۲۶}دی " ۱۲۸۵ھ

سید آل محمد صاحب ہی کا دو اشعار کا ایک دوسرا قطعہ ہے جو عیسوی سنہ میں برآمد کیا ہے !

غالب کہ بشعر فارسی در عهدش نفاظ او بود و صفناش لافظ (کذا)

تاریخ مسیحی پئے سال نقلش

از آل محمد است؛ "خمسہ حافظ" ۱۸۶۹ء

ڈیٹی غفور نساخ کے قطعہ کا تاریخی شعر ہے !

نساخ من کہ جستم تاریخ انتقالش گفتا سروش غیبی " بین الکمال غالب " ۱۲۸۵ھ

منفی محمد غلام سرور لاہوری نے جو یا کی طرح غالب کی وفات کے قطعہ کا مادہ ایک عدد کی زیادتی سے برآمد کیا ہے :

چوں غالب شہنشاہ ملک سخن ز دنیا بیام فلک خیمہ زد

۲۶ گبینہ سوری (گنج تاریخ) ص ۲۱۷ مطبعہ نامی نو کشور کھنؤ ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء

۲۷ دیوان تواریخ ص ۱۷۱ - ۱۷۰ و ص ۸۵

۲۸ تاریخ لطیف ص ۵۰ -

رقم کرد سرور بتاریخ او

کہ رفت از جہاں گنج عرفان اسد ۱۲۸۶ھ

شاہ غلامی کی عظیم آبادی (م ۱۳۰۲ھ) نے ذیل کا مرثیہ نظم کیا:

مرزا نوشہ جناب غالب	در تن سخنوری یگانہ
از اہل سخن برود دلہا	در شعر بطرز جاو دانہ
کیفیت نثر او پیگویم	دارد انداز دہرانہ
باشد بکلام او عجب لطف	معشوقانہ و عاشقانہ
از کشور ہند تا بفارس	زد کس کمال خسروانہ
در وجد آرد قلوب باکان	تولش در قالب ترانہ
ستانہ کلام او بخشد	کیف و شکر بے شبانہ
ابن اشعارم بمدحت او	نمود گفتار شاعرانہ
ہر آنچہ کہ گفت ایم یاران	باشد قول محققانہ
ہمگذاشتہ خاک پاک دہلی	در شوق بہشت جاودانہ

سال آن بے نظیر تہی

گو "بود نظیری زمانہ" ۱۲۸۵ھ

ولہ

غالب نام آور کہ گرفت

از قلم خود کار سیف

رحلت کرد و سانش گفتہ

"جیف جناب غالب جیف" ۱۲۸۵ھ

۱۹ کنز تواریخ ص ۲-۳۱ حدیثش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ ۱۹۸۲ء

۲۰ حوالہ سابق ص ۳۲۔

حاتم علی مہر کے قطعہ کا حامل تاریخِ شعر ہے :-

گفت ہاتھ پئے تاریخِ اے مہر
تجنناں غالب نامی آمد^{۳۱} ۱۳۸۵ھ
سید آل محمد بلگرامی ثم مارہروی نے صفتِ زبر و بینہ میں بڑا عمدہ قطعہ کہا جو
اتفاق ہے :-

سے شاعر را زوال آمد بیک سالی	کہ ہند از شعر شاں چوں اصفہاں بود
یکے آن غالب استادِ بسا نین	کہ او خود پیر و شعر او جو اں بود
دوم زانہا سرور استادِ اردو	کہ شعر او سرورِ افزائے جاں بود
سوم شاعرِ خلیلِ مرثیہ گو	کہ در ملکِ سخن صاحبِ قرآن بود
ہمہ عالم، ز نوبتِ ایں سہ شاعر	پروا نہ فریاد از شور و فغان بود
ز بُر با بینہ از بہر تاریخ	فراہم شد زوالِ شاعران بود ^{۳۲}
ولیکن باز بُر با بینہ ہم	سرخزن و بکا شامل باں بود ^{۳۳}

(یعنی تین شاعروں پر ایک ہی سال میں زوال آیا مراد وفات ہوئی، جو کہ اپنے =

اشعار سے ہندوستان کو اصفہان کی مانند بنائے ہوئے تھے۔ اُن میں ایک غالب تھے جو فارسی وارادہ کے استاد تھے جو اگرچہ خود پیر تھے مگر ان کی شاعری جوان۔ ان میں سے دوسرے حبیبی بیگ سرور استادِ اردو تھے جنکے اشعار کا سرور جاں فرزا تھا تیسرے شاعر مرثیہ گوے خلیل تھے جو اعلیمِ سخن کے صاحبِ قرآن تھے۔ ان تینوں شاعروں کی وفات سے تمام عالم فریاد اور شور و فغان سے بھر ہو گیا۔ مجھے برائے سالِ صفتِ زبر و بینہ میں مادہ "زوالِ شاعران بود" (ظاہر و کازوال تھا) فراہم ہوا لیکن زبر و بینہ ہی میں سرخزن و بکا (ح، ب) شامل مادہ کرنے پر)

مذکورہ تاریخ میں زیر دینہ کے التزام کے سبب مطلوبہ سند برآمد کرنے کا معاملہ ذیل پر جمیدہ ہو گیا ہے۔ اس لئے ذیل کی سطروں میں اس کا حل پیش ہے:

زوال شاعران بود + ح ب

زوال	شاعران	بود	ح ب
زیر دینہ: نوا	شین الف عین و الف ذون	با و او دل	حایا

۸ + ۱۳ + ۱۱۱ + ۴۰۱ + (۳۳۳) + ۳۶۰ + ۱۱۱ + ۱۳۰ + ۲۰۱ + ۱۱۱ + ۱۰۶ + (۲۱۹) + ۳۲ + ۳۵ + (۵) + ۳۰۱ + (۱۲) کل میزان = ۵۱۲۸۵۔

۵۲-۵۳ء میں حکومت ہند نے غالب کا مزار تعمیر کروایا۔ ابوالفضل صاحب حضرت مجازات جوش ملیحانی نے قطعہ تاریخ تعمیر کیا جس کے پہلے شعر کے پہلے مصرع میں غالب کا سال وفات بھی قوری طور پر برآمد کیا ہے:-

وہ تھا بارہ سو پچاسی جیسی جب ہوا دفن یہ شیریں گفتار
کی حکومت نے بھی قدر افزائی مقبرہ کمر دیا اس کا تیار

سال تاریخ یہ لکھ دے جوش

”آئیے دیکھئے غالب کا مزار“ ۱۲۴۲ھ

اس رشک طالب و عرفی و حافظی و سدوسی و جانی کے مزار واقع دہلی میں انکے چہیتہ شاگرد میر محمدی جروح کا یہ حسرت اندوز و تلخ کندہ ہے۔

کل حسرت و انوس میں میں بادل محزون

تھا تربت استاد پہ بیٹھا ہوا غمناک

۳۲ مکتوبات جوش ملیحانی بنام رضا از کایدس گپتا رضا ص ۹۹ حاشیہ نمبر ۱ اول پبلیکیشنز

بینی اگست ۱۹۸۰ء باراول

ماتم علی مہر کے قطعہ کا حامل تاریخ شعر ہے :-

گفت ہا تنہ پئے تاریخ اے مہر ^{۳۱} بچناں غالب نامی آمد ۱۲۸۵ء
سیال محمد بلگرامی ثم مارہروی نے صفت زبر و بینہ میں بڑا عمدہ قطعہ کہا جو
اتفاقی ہے :-

سہ شاعر را زوال آمد بیک سالی	کہ ہند از شعر شاں چوں اصفہاں بود
یکے آن غالب استاد بسا نین	کہ او خود پیر و شعراد جوان بود
دوم زانہا سرور استاد اردو	کہ شعر او سرور افزاں جاں بود
سوم شاعر خلیل مرثیہ گو	کہ در ملک سخن صاحب قرآن بود
ہمہ عالم، زوت ایں سہ شاعر	پُر از فریاد از شور و فغاں بود
زُبر با بینہ از بہر تاریخ	فراہم شدہ زوال شاعران بود ^{۳۲}
ولیکن بازُبر با بینہ ہم	سر حزن و بکا شامل باں بود ^{۱۲۸۵}

(یعنی تین شاعروں پر ایک ہی سال میں زوال آیا مراد وفات ہوئی، جو کہ اپنے =

اشعار سے ہندوستان کو اصفہان کی مانند ہلکے ہوئے تھے۔ اُن میں ایک غالب تھے جو فارسی و اردو کے استاد تھے، جو اگرچہ خود پیر تھے مگر ان کی شاعری جوان۔ ان میں سے دوسرے حبیب علی بیگ سرور استاد اردو تھے جنکے اشعار کا سرور جاں افزا تھا۔ تیسرے شاعر مرثیہ گوے خلیل تھے جو اعلیم سخن کے صاحبِ قرآن تھے۔ ان تینوں شاعروں کی وفات سے تمام عالم فریاد اور شور و فغاں سے پُر ہو گیا۔ مجھے برائے سال صفت زبر و بینہ میں مادہ "زوال شاعران بود" (شاعروں کا زوال تھا) فراہم ہوا لیکن زبر و بینہ ہی میں سر حزن و بکا (ح، ب) شامل مادہ کرنے پر

مذکورہ تاریخ میں زیر دینہ کے التزام کے سبب مطلوبہ سہ ہر آمد کرنے کا معاملہ ذیل پیچیدہ ہو گیا ہے۔ اس لئے ذیل کی سطروں میں اس کا حل پیش ہے:

زوال شاعران بود + حب

زوال	شاعران	بود	حب
زیر دینہ: نوا	شین الف عین و الف فون	با و او دل	حایا

اعداد: ۸ + ۱۳ + ۱۱ + ۴۱ + (۳۳) + ۳۶۰ + ۱۱ + ۱۳۰ + ۲۰۱ + ۱۱ + ۱۱ + ۱۶ + (۱۹) + ۳۴ + ۳۰ + ۳۵ + (۵) + ۳۰ + ۱۰۳
کل میزان: ۵۱۲۸۵۔

۵۳-۱۹۵۲ء میں حکومت ہند نے غالب کا مزار تعمیر کروایا۔ ابوالفضل صاحب حضرت بھرام جوش مسلمان نے قطعہ تاریخ تعمیر کیا جس کے پہلے شعر کے پہلے مصرع میں غالب کا سال وفات بھی فوری طور پر ہر آمد کیا ہے:-

وہ تھا بارہ سو پچاسی ہجری جب ہوا دفن یہ شیریں گفتار

کی حکومت نے بھی قدر افزائی مقبول کر دیا اس کا تیار

سال تاریخ یہ لکھ دے اے جوش

”آئیے دیکھئے غالب کا مزار“ ۱۳۶۲ھ

اس رشک طالبِ دعرنی و حافظِ سعدی و جامی کے مزار واقع دہلی میں انکے چہیتے

شاگرد میر مہدی جرجہ کا یہ حسرتِ اندوزِ قلعہ کندہ ہے۔

کل حسرت و افسوس میں میں بادلِ موزوں

تھا تربتِ استاد پہ بیٹھا ہوا غمناک

۳۲۔ مکتوبات جوش مسلمان بنام رضا از کاید اس گپتارضا ص ۹۹ حاشیہ نمبر ۱، اول پبلیکیشن

بہمنی اگست ۱۹۸۰ء باراول

ہاتھ نہ کھاتا گنج معانی ہے نہ حال ہے ۱۲۸۵

امید ہے کہ کوئی نوجوان اسکا لراس سلسلہ کو آگے بڑھانے کی طرف متوجہ ہوگا۔ غالب کے ایک شعر پر اپنی بات ختم کرتا ہوں:

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب اب عناصر میں اعتدال کہاں
راقم الحروف قطعاتِ وفاتِ غالب پر سر دست کچھ زیادہ کو بھی نہیں سکتا تاج پر
کیا ہے اس کے لئے بس یہی کہہ سکتا ہوں:

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیں
کرے قفس میں فراہم شخصِ اشیاں کے لئے

۳۲ سطر معانی (۱۳۱۶ھ) معروف بہ دیوانِ مجروح ص ۲۳۹، سرفراز پریس بقی قرآن علی

دہلی ۱۳۱۶ھ

امام غزالی کا فلسفہ مذہب و اخلاق

تالیف: سید حسین قادری شوریہ ایم اے عثمانیہ یونیورسٹی

امام غزالی کے فلسفہ مذہب و اخلاق پر مفصل و جامع کتاب، اپنے معانی و مباحث کی جامعیت، حسن ترتیب اور عام معلومات کے لحاظ سے بہترین مجموعہ۔

قیمت جلد ۱۰۰/- روپے

غیر جلد ۷۵/- روپے

ماحول پر قابو کس طرح حاصل کیا جائے؟

(جناب ڈاکٹر میروال الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی (ننک) پڑھائی)

قسط ۱

باز گردو سوئے اداس سایہ باز

یہ دیوار افگند سایہ دراز

سوئے مآئید ندایا ہارا صدا

یہ ہیں کوہ مست و فعل مآندا

قرآن عظیم کی تعلیم یہ ہے کہ کائنات میں ایک لامتناہی حکمت، رحمت و کرم کے ساتھ مہر و
نس ہے اور زندگی کے ہر قدم پر ہادی رہبری کرنے پر آمادہ ہے۔ اگر ہم اس پر بھروسہ
کریں اور اعتقاد کے طریقوں سے واقف ہو کر اس کے دامن میں چنگل ماریں! ہمیں کائنات
میں بے یار و مددگار بے ولی و نصیر نہیں چھوڑا گیا ہے، ساری زندگی 'لطف حق' شامل حال
رہتا ہے، زندگی حق تعالیٰ کی نعمت و فضل سے مملو ہو جاتی ہے، الطینانِ قلب و جمیعت
خاطر نصیب ہوتی ہے، اگر ہم رضائے حق کے تابع ہو جائیں اور حق تعالیٰ کو کافی سمجھ کر
سارے کام ان کے سپرد کر دیں۔

حق تعالیٰ ہمیں سلامتی و نجات کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَاوَابِ
السَّلَامِ اِنْ تَمْرُوْنَ اِيْنَ كَا مِيَابَ كُنَّا يَدْعُوْنَ اِيْنَ جَنَّةٍ جَنَّةٍ رَّحْمَةً لِّكُمْ اِنْ تَعْلَمُوْنَ
زُوْهٍ هِيَ . اِنَّ اللّٰهَ لَكَنُ ذُوْ فَضْلٍ عَلٰى الْاَنَامِ (بقرہ ۲۱۷) وہ ہمارے صنف و کمزوری سے
واقف ہیں، وہ ہمارا بوجھ ہلکا کرنا چاہتے ہیں۔ يَسِّرْ يَدُ اللّٰهِ اَنْ يَّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخَلَقَ
اَلْاِنْسَانَ ضَعِيْفًا (النساء ۷۵) حق تعالیٰ ہمیں برتر ترین مسرت عطا کرنا چاہتے ہیں، اور اس
سرور سے ہمارے قلب کو ملو کرنا چاہتے ہیں جس کا خود ہمیں اندازہ نہیں۔ فَلَا تَقْلَقْمْ مِّنْ فَنَاسٍ

دیکھا جو مجھے فکر میں تاریخ کی مجروح

ہاتھ لے کھا، گنج معانی ہے تہ خاکؒ ۱۳۸۵ھ

امید ہے کہ کوئی نوجوان اسکا لرا اس سلسلہ کو آگے بڑھانے کی طرف متوجہ ہوگا۔ غالب کی ایک شعر پر اپنی بات ختم کرتا ہوں:

مضحل ہو گئے قوی غالب اب مناصر میں اعتدال کہاں
راقم الحروف قطعاتِ وفاتِ غالب پر سردست کچھ زیادہ کر بھی نہیں سکتا تھا جو کچھ
کیا ہے اس کے لئے بس یہی کہہ سکتا ہوں:

شال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیں
کرے قفس میں فراہم خسِ آشتیاں کے لئے

۳۳ مظہر معانی (۱۳۱۶ھ) معروف بہ دیوانِ مجروح ص ۲۳۹، سر فراز پریس بستی قرآن علی

دہلی ۱۳۱۶ھ

امام غزالی کا فلسفہ مذہب و اخلاق

تالیف: سید حسین قادری شوری ایم اے عثمانیہ یونیورسٹی

امام غزالی کے فلسفہ مذہب و اخلاق پر مفصل و جامع کتاب، اپنے معانی و مباحث کی جامعیت، حسن ترتیب اور عام معلومات کے لحاظ سے بہترین مجموعہ۔

قیمت جلد ۱۰۰/- روپے

غیر جلد ۷۵/- روپے

ماحول پر قابو کس طرح حاصل کیا جائے؟

(جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی (لنڈن) پڑھاریٹ)

قسط ۱

گرچہ دیوار انگلند سایہ دراز باز گرد سوئے او اُس سایہ باز
 ایں جہلی کو ماست و فصل ماندا سوئے ما آید ندا ہا را صدا
 قرآن عظیم کی تعلیم یہ ہے کہ کائنات میں ایک لامتناہی حکمت، رحمت و کرم کے ساتھ مروج
 عمل ہے اور زندگی کے ہر قدم پر ہماری رہبری کرنے پر آمادہ ہے۔ اگر ہم اس پر بھروسہ
 کریں اور اعتقاد کے طریقوں سے واقف ہو کر اس کے دامن میں جنگل ماریں! ہمیں کائنات
 میں بے یار و مددگار رہنے والی، و نصیر نہیں چھوڑا گیا ہے، ساری زندگی 'لطف حق' شامل حال
 رہتا ہے، زندگی حق تعالیٰ کی نعمت و فضل سے مملو ہو جاتی ہے، الطمینانِ قلب و جمعیت
 خاطر نصیب ہوتی ہے، اگر ہم رضائے حق کے تابع ہو جائیں اور حق تعالیٰ کو کافی سمجھ کر
 سارے کام ان کے سپرد کر دیں۔

حق تعالیٰ ہمیں سلامتی و نجات کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ
 السَّلَامِ اِنْ تَهْتَدُوا فِيْهَا اِنَّكُمْ لَمِنْ السَّالِمِيْنَ (سورہ ابراہیم ۳۲) وہ ہمارے ضعف و کمزوری سے
 واقف ہیں، وہ ہمارا ہر جھٹکا کرنا چاہتے ہیں۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَلَا تَتَّقُوْنَ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ
 لَیَّخْبِرُكُمْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (سورہ بقرہ ۱۷۷) حق تعالیٰ ہمیں بہترین مسرت عطا کرنا چاہتے ہیں، اور اس
 سرور سے ہمارے قلب کو مملو کرنا چاہتے ہیں جس کا خود ہمیں اندازہ نہیں۔ فَلَا تَقْلُبُوْا اَنْفُسَكُمْ

مَا أَخْفَى لَهُمْ مِنْ قِسْرَةٍ زُرَّاهُمَا كَأَنَّا نُفَاكِلُونَ دَسِيقَهُ (۲۴) آنکھوں کی ٹھنکی
کا جو سامان خزانہ غیب میں موجود ہے اس کی کسی کو خبر نہیں۔

دنیا میں ہر جگہ ایک کامل الہی نظم موجود ہے، جس میں توافق و ہم آہنگی بھی ہے اور سرور
سیکشنہ بھی! حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ہماری زندگی اس نظم الہی کے دائرہ میں بسر ہو اور زمین پر
رہ کر بھی ہم جنت کی خوشبو سونگھتے رہیں۔ قَوْلَ الَّذِي يَصْلَىٰ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم
مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ سَاجِدًا (الاحزاب ۶۷) حق تعالیٰ اور
اس کے فرشتے مومن پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں، حق تعالیٰ انھیں تاریکیوں سے نکال کر
نور کی طرف لے جاتے ہیں اور وہ مومن پر بہت مہربان ہیں!

اسی زندگی میں ہمیں یہ نعمت مل سکتی ہے اور حق تعالیٰ ہی ہیں اس کو عطا کر سکتے ہیں۔
وَعَابَكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ الْهَادِیْنَ! اگر ہم حق تعالیٰ پر کامل بھروسہ کریں تو ہماری مثال اس
درخت کی سی ہو جاتی ہے جو پانی کے چشمے کے بازو آگاہ ہے، ہر وقت روحانی قوت و حیات
کے سردی چشموں سے ہیں تازگی پہنچتی رہتی ہے۔

صد جو عالم در نظر پیدا کند
(روحی)
چونکہ چشمت را بخود بینا کند

اگر ہماری آنکھیں حق تعالیٰ کے مشاہدہ کے لئے کھل جائیں اور ہم ہدایت و نظم الہی
کے دائرہ میں اپنی زندگی بسر کریں تو ہماری ساری خارجی مشکلیں حل ہو جاتی ہیں یا
غائب ہو جاتی ہیں!

گر جہاں پُر برف گرد و سر بسر
(روحی)
تاب خور بگذاردش از یک نظر

اس عقیدہ یا ایمان کی مضبوط چٹان پر کھڑے ہو کر زندگی کے کچھ قدیم دستور اصول ہم سے
سنو اور زندگی کے تجربات، حالاً یا ماحول میں ان سے کام لے کر زندگی گریہ ہم نہ رہے گی، خندہ یکدم
ہو جائے گی! (جاری)

سرپرست اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی

عالیشان حکیم عبدالحمید صاحب چانسلر جامعہ ہمدردی دہلی و علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مجلس ادارت اعزازی

سید افتخار حسین
ڈاکٹر معین الدین بٹائی
محمود سعید بلالی
ڈاکٹر جوہر قاضی

برنشان

نگران اعلیٰ

محترم مولانا حکیم حمزہ حسن

شمارہ ۳

ستمبر ۱۹۹۸ء

جلد: ۱۳۳

ہمکاری

شمارے

اہم

- * نظرات عمید الرحمن عثمانی — ۲
- * قبلہ اباجان رحمۃ اللہ علیہ صاحبزادہ عمید الرحمن عثمانی — ۷
- * قطعات وفات شعرائے اردو (قسط نمبر ۱)
- * ماحول پر قابو کس طرح حاصل کیا جائے؟ عبدالرئوف خان ایم، اے ہسٹری، اوڈی کلان (راج) — ۱۳
- * جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی — ۲۹
- (لندن، بیرسٹرائٹ لا)

جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر کا پیٹہ

منیجر ماہنامہ برہان

4136 - ہمدرد بازار جامع مسجد دہلی - 110006 * فون نمبر 3262815

زیر تعاون

فی پرچہ: ۹ روپے

سالانہ: ۷۲ روپے

کمپیوٹر کتابت

CREATIVE VISION

میدار رحمن عثمانی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے خواجہ پریس، دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

نظرات

موجودہ مسلم معاشرے میں برائیاں اس قدر گھر گھر گئی ہیں کہ ہر طرف اندھرا ہی اندھیرا دکھائی دیتا ہے ایسے تاریک ماحول میں روشنی کی ہلکی سی کرن بھی کہیں نظر آتی ہے تو دل و دماغ میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ جاتا قدرتی بات ہے۔ مشہور خبر رساں انجمنی ڈاسٹرنے کینیا کے مسلمانوں سے متعلق ایک خبر شائع کی ہے جو اس طرح ہے۔

”کینیا میں ایک مسجد میں عبادت کرنے گئے مسلم نوجوانوں نے خواب میں بھی شاید نہ سوچا ہوگا کہ واپس لوٹتے وقت وہ کیلے نہیں ہوں گے بلکہ انکے ساتھ انکی بیویاں بھی ہوں گی اور ساتھ میں ہنسی مون کے لئے دھن بھی ملے گا۔ کینیا کے ”ایمٹ افریقن اسٹینڈرڈ“ میں شائع شدہ خبر کے مطابق نیروبی سے تین سو تیس کیلومیٹر مشرق میں واقع ایک مسجد کے امام نے پوچھا کہ کیا یہاں حاضرین میں غیر شادی شدہ نوجوان ہیں؟ امام صاحب کی بات سنتے ہی اسی وقت چالیس نوجوان آگے بڑھ آئے۔ اس کے بعد بیس جوڑوں کا نکاح پڑھایا گیا نکاح کے بعد امام نے ہنسی مون کے لئے بیس بیس ہزار شیلنگ بھی دیئے۔ امام نے بعد میں اخبار والوں کو بتلایا کہ یہ نکاح شہر میں اخلاق سوز حرکات کے سد باب کے لئے کرائے گئے۔“

جس نیوز انجمنی نے یہ خبر شائع کی ہے اس پر یہودی لابی کا قبضہ ہے اس لئے اس نے اس خبر کو مفحکہ خیز انداز میں اس لئے دیا کہ مسلم معاشرے کی کوئی بھی اچھی خبر اپنی اصلیت سے نہ چھپنے پائے جس سے اسلام اور مذہب اسلام کے ماننے والوں کا سر بلند ہو اس لئے اس نے یورپی ممالک میں موجود بے شمار خرابیوں پر پردہ ڈالنے رکھنے کے ارادے سے اس اچھی خبر کو بھی برائی کے انداز میں شائع کیا ہے چونکہ مسلمانوں کی اپنی کوئی نیوز انجمنیاں نہیں ہیں۔

اس لئے اخبارات میں جو بھی خبریں شائع ہوتی ہیں وہ یہود و نصاریٰ کی نیوز ایجنسیاں ہی شائع کرتی ہیں اسلام اور مسلمانوں سے متعلق جو بھی اچھی خبریں ہوتی ہیں وہ اپنی اصلی صورت میں نہیں بلکہ ان دشمنان اسلام نیوز ایجنسیوں کی بدولت مسخ شدہ ہو کر ہی شائع ہوتی ہیں۔ کینیڈا کے شہر نیروبی میں غریب مسلمان جوڑوں کی شادیاں سنت نبوی صلعم کے مطابق مسجد میں بالکل سادگی کے ساتھ انجام پذیر ہوئیں اس خبر سے مسلم معاشرہ کی سربلندی ظاہر ہوتی ہے جو یہود و نصاریٰ کے لئے ناقابل برداشت ہے اس لئے وہ اس خبر میں اپنا شیطان صفت ذہنیت کی مٹاؤٹ کرنے سے باز نہیں آئے۔ کینیڈا کی مسجد میں بیس مسلمان جوڑوں کی سادگی کے نکاح خوانی کی خبر ایک اہم خبر ہے۔ جس سے مسلم معاشرہ کی نیک نامی اور عزت و وقار میں انشاء اللہ اضافہ ہی ہوگا۔ ایسی ہی ایک خوشی و مسرت سے بھرپور خبر ہندوستان کے دارالحکومت دہلی کے ہے اور جس میں ہندوستانی مسلمانوں خصوصاً دہلی کے مسلمانوں کی رواداری، شرافت، انسانیت، خدا ترسی، فرض شناسی، ہمت و ایثار اور جذبہ ہمدردی ملت کی موجود جھلک موجود ہے۔

بات ۲۸ جون ۱۹۹۸ء کی ہے خدمتِ خلق کے کاموں میں مصروف و نہنگ دہلی کی ایک معروف شخصیت حاجی اختر سعید دہلوی ہے اپنے ذرائع اور حق و استحقاق سے انتظام و بندوبست کر کے دو مسلمان یتیم لڑکیوں کی شادی دو مسلمان لڑکوں کے ساتھ کرنے کی تاریخ طے کرتے ہیں۔ یتیم بچوں کے لئے جہیز کا سامان بھی اچھا خاصہ جلدی جلدی جو ہو سکا اکٹھا کیا گیا اس کے ساتھ یہ بھی سوچا گیا کہ شادی کے بعد بھی ان بچیوں کے نصیب میں جو ہوگا وہ دیا جائے گا۔ تاریخ مقررہ پر دونوں لڑکے شادی کے لئے برات لیکر آئے۔ مین نکاح سے چند لمحے پہلے جہیز پر نگاہ ڈالنے کے بعد لڑکوں کے کسی عزیز نے اسکو ٹرکی فرمائش کر دی۔ جیسے ہی اس فرمائش کی خبر یتیم لڑکیوں کی شادی کرنے والے

حاجی اختر سعید کے کانوں تک پہنچی وہ ہٹکا بٹکا ہی رہ گئے۔ فوراً ہی انہوں نے نکاح خوانی کے لئے قاضی صاحب کو کہا کہ نکاح مست۔ پڑھائیے اور دونوں لڑکیوں کو جو دوہا بنے ہوئے تھے کہا کہ اٹھو اور نکل جاؤ یہاں سے کیا نکاح پڑھوانے آئے ہو یا سودا کرنے کے لئے آئے ہو، کیا تم مسلمان کہنے کے حقدار ہو اطاعت رسول کے دعویدار بننے ہو اور عمل و کردار سے شیطان بنے ہوئے ہو۔ اچھا ہوا تم نے اپنی ذہنیت نکاح سے پہلے ہی ظاہر کر دی ورنہ تو یہ دونوں معصوم بچیاں تم درندوں کے ظلم و ستم اور شیطانی کردار کی شکار تمام زندگی ہی ہوتی رہتیں۔ خیریت اسی میں ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ تم کو پولیس کے سپرد کرنا پڑے گا۔ دونوں لڑکے بڑی بے عزتی کے ساتھ بھگا دیئے گئے۔ اب ان معصوم یتیم بچیوں کے لئے اندھیرا ہی اندھیرا سامنے تھا۔ لیکن نہیں خدا کی عنایت و فضل اور کرم و انعام کی بارش ان یتیم بچیوں پر اس طرح ہوتی ہے کہ حاجی اختر سعید کے دوست و احباب جو ان یتیم بچیوں کی شادی کے انتظامات میں مصروف و مستغرق تھے ان میں سے ایک پر حاجی اختر سعید کی توجہ مرکوز ہوئی وہ تھے علمی ذوق کے حامل شاعر و شاعری کے شوقین سوئی والا نگلی کوتاناہ میں سیما ایکسپورٹ کے مالک محمد مختار خاں صاحب حاجی اختر سعید نے ان سے کہا کہ اپنے کسی لڑکے کو تیار کرو شادی کے لئے۔ پیکر ایتلا اور مجسم شرافت و انسانیت اللہ کے اس نیک بندے محمد مختار خاں نے ذرا بھی چون و چرا نہ کیا بغیر اپنے لڑکے محمد اختر کو فوراً پیش کر دیا۔ اور دوسری لڑکی کے لئے ایک دوسرا لڑکا محمد آصف خود بخود ازراہ انسانیت تیار ہو گیا۔ فوراً ہی ان دونوں لڑکوں سے دونوں یتیم لڑکیوں کا نکاح پڑھوا دیا گیا۔ دونوں یتیم لڑکیوں کی رخصتی بڑی شان کے ساتھ ہوئی دونوں لڑکے اپنی اپنی دلہن کو عزت و وقار کے ساتھ اپنے اپنے گھر لے گئے۔ آج یہ دونوں لڑکیاں معزز خاندان میں اپنے قابل و ہونہار شوہروں کے ساتھ سکون و راحت

آرام و اطمینان کے ساتھ خوش و مسرت آئین زندگی بسر کر رہی ہیں یہی سنت نبوی
 صلعم پر عملی طور پر چلنے کی عظیم الشان مثال، اسے ہم ایک مثالی شادی کہیں گے۔ اور
 آفرین ہے ان حضرات پر جنہوں نے اپنے نوجوان لڑکوں کے لئے ہنسی خوشی ایسی شاندار
 کرنے کی حامی بھری۔ نہ کوئی فضول کی رسم نہ کوئی دھوم دھام سے برات چڑھانا اور نہ
 کوئی اپنے لڑکوں کی قابلیت و صلاحیت اور اپنے مال و اسباب پر اتر اہٹ دکھانا، ہر
 مسلمان کو اس "مثالی شادی" سے سبق لینے کی ضرورت ہے۔ محمد مختار خاں اور ان کے
 گھر کی خواتین کہہ سکتی تھیں کہ ہمارے لڑکے اس قدر گھرے ہوئے تھوٹے ہی ہیں کہ
 ایسی یتیم بچیوں سے شادی کریں؟ اس قسم کی کسی بات کو بھی زبان پر لانا انہوں نے گناہ
 کیسیرہ سمجھا۔ بلکہ انہوں نے اپنے لڑکوں کی شادی ان یتیم بچوں سے کرنا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ
 کا اپنے لڑکوں پر انعام و اکرام ہی گروانا۔ اس مثالی شادی کی جس قدر بھی شہرت
 کی جائے کم ہی ہے وہ اس لئے کہ ہمارے معاشرے میں شادی بیاہ کے تعلق سے جو
 خلطِ رسم و رواج اور گندگی کا عنصر گھس آیا ہے اس سے اس کی تلافی ہی ہوگی اور
 اس طرح تمام عالم میں ملت اسلامیہ کی واہ و اواہ ہوگی اسلامی تعلیمات اور سیرت
 رسول صلعم کی خود بخود تبلیغ و نشر و اشاعت ہو کر رہیگی۔ دوسرے اکثر مسلمان اس
 وقت دنیاوی عیش و اسباب کے حصول میں لگے ہوئے ہیں انہیں معلوم نہیں کہ مسلمانوں
 کے علمِ مسلمانوں کے مذہب، مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کو اکھاڑ پھینٹنے کے لئے مسلم
 دشمن طاقتیں آج آپس میں گچی شکر ہیں اور وہ ایک ایسے خفیہ خطرناک پروگرام کے تحت
 اسلام اور مسلمانوں پر ضربِ شدید لگانے کے فراق میں نشانہ تلنے بیٹھی ہوئی ہیں
 جو مسلمانوں کی ہستی و وجود ہی کو ختم کر ڈالے۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے ناپاک
 منصوبے ہر جہت سے اس قدر طاقتور ہیں کہ اگر مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا کرم و فضل نہ

ہو تو مفت مسلمانہ کا وجود کب کا کفر کی طاقت درمیان سے ختم ہو چکا ہوتا۔ اس موقع پر ہم کو مسلم قوم کی ان بڑائیوں کو ٹٹول کر ان کے سدباب کے لئے رعبور و فکر کرنیکی ضرورت ہے۔

قرآن کریم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اچھائیوں کی تلقین کریں اور برائیوں سے روکیں۔ قرآن میں یہ ہدایت محض ایک طرف غیبی نصیحت کی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ وہ اسکو امت مسلمہ کا زلفہ بزرگ ہے۔ اور اس عمل کو مسلمانوں کے لئے وجہ امتیاز قرار دیتا ہے۔ کُنْمُ خَيْرَ اَمَةٍ اُخْرَىٰ مِمَّا سَلِمْتُمْ مَعَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران: ۱۱۰)

قرآنی تعلیم کا مقصد انسان کو ایک ایسا مثالی انسان بنانا ہے جو خیر و فلاح کا نمونہ ہو اور جس کا وجود اپنے ہم جنسوں کے علاوہ کائنات کے ہر وجود بلکہ ہر شے کے لئے رحمت و راحت ہو۔ جس روز مسلمان اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کے مطابق ہر ہر موڑ پر اپنی زندگی کو ڈھال لیں گے اسی روز سے مسلمانوں کا عروج بھر شروع ہو جائے گا اور تمام عالم میں سلام کا بول بالا ہو کر رہے گا۔ شرط ہے کہ زندگی کے چھوٹے چھوٹے مسئلوں میں، کاروبار میں، رہن سہن میں، پہلنے پھرنے میں، بولنے چالنے میں، معاملات اور لین دین میں اسلامی تعلیمات پر مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا ہو جائے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ تو ری ہے نہ ناری ہے

مسلمانوں پر آج پوری ذمہ داری آن پڑی ہے کہ وہ امت محمدیہ کے ناطے معاشرہ اور ماحول میں پھیلی ہوئی تمام برائیوں کے خاتمے کیلئے اپنی زندگی کو مثالی نیک عمل و کردار کے سانچے میں ڈھالیں اور ہر انسان کو باور کر لے کہ آج بنی نوع انسانی کی پریشانیوں کے مشکلات اور الجھے مسائل کا حل صرف اور صرف اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں ہی ہے۔

کیوں اندھیروں میں بھٹکتا پھر رہا ہے آدمی

روشنی رکھی ہوئی ہے آج بھی جزدانوں میں

قبلہ اباجان رحمت اللہ علیہ

اسرا قلم: صاحبزادہ عید الرحمن عثمانی

آج علی الصبح تلاوت قرآن پاک پڑھ کر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک دم قبلہ اباجان حضرت مفکر ملت مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ کی یاد آئی اور اس قدر آئی کہ میں ماضی کی یادوں کو کھونٹا اور ان یادوں میں قبلہ اباجان کا سراپا شفقت بھر سلوک نظروں کے سامنے آ گیا۔

مفکر ملت حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ؟ بہت بڑے عالم تھے مفکر تھے مدبر تھے اور زبردست متقی و پرہیزگار تھے ان کا تمدن و تقویٰ صالحیت ضرب المثل تھے دین و مذہب کے سلسلے میں کسی بھی طرح اور کسی بھی حیثیت سے وہ کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے تھے لیکن اس کے باوجود ان میں تمام انسانوں سے بلا لحاظ مذہب و ملت رواداری اور محبت اور حسن و سلوک کے جوہر نمایاں دیکھنے میں ملتے تھے۔ وہ اسلامی علوم و فنون اور عربی زبان و ادب پر گہری نظر و واقفیت رکھتے تھے مگر اس کے باوجود ان میں اپنے علم پر تکبر و پند نہ تھا۔ ہر ایک سے چلبے وہ عالم ہو یا جاہل و ان پڑھ خندہ پیشانی اور اپنے کو چھوٹا و کم سمجھتے ہوئے ملتے تھے مخاطب و مقابل کی عزت و تکریم کا خیال وہ ہر وقت مقدم رکھتے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ میرے علم و معلومات کے مطابق ان کا کوئی بھی مخالف و دشمن نہ تھا۔ یہ بات دو ہے کہ بعض حضرات نے اپنے ذاتی یا وقتی مفادات کے پیش نظر حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ کو نظر انداز یا فراموش کرنے میں اپنا نفع سمجھا لیکن اپنے کردار و عمل اور حسن سلوک سے

حضرت مفتی صاحبؒ نے ان کو اپنی ناپسندیدگی کا احساس نہ ہونے دیا جس سے خود بخود ان مفاد پختوں نے اپنے ضمیر کے اندر جھانک کر دیکھا تو اپنے ہی کو مجرم سمجھا اور اس طرح ان کے دل و دماغ میں حضرت مفتی صاحبؒ کے بارے میں نیک و حسن ظن ہی پروان چڑھا رہا۔

حضرت مفتی صاحبؒ میں ہلاکی ذہانت تھی وہ ملت کا بڑے بڑا اور پچیدہ سے پچیدہ مسئلہ بھی اس خبط سے سلجھا دیا کرتے تھے کہ وہ مسئلہ اپنے آپ میں کوئی مسئلہ ہی نہیں رہتا تھا۔ ملت اسلامیہ ان پر جتنا بھی ناز کمرے کم ہی ہے۔ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے معائب و مشکلات نہیں اس قدر اضافہ ہوا کہ اگر امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام، سیدنا الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ، مجاہد ملت حضرت مولانا حفص الرحمن سیوہاروی اور مفکر ملت حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ اپنی شب و روز محنت و لگن، دور اندیشی سے ان معائب و مشکلات کے تدارک کے لیے کمر بستہ اور مستعد عمل نہ ہوتے تو نہ معلوم ہندوستانی مسلمان تاریخ کے کس موڑ پر آج یا کئے جاتے۔ ملک و ملت کے ان مخلص اور درد مند راہنماؤں نے برادران وطن سے تحریک آزادی میں اپنی زبردست قربانیوں کا صلہ کبھی نہیں مانگا انہوں نے خود داری اور وقار کے ساتھ ان راہنماؤں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسلمانان ہند کے تمام مسائل خوش اسلوبی سے انجام دیے جن کے ساتھ وہ جنگ آزادی میں ان کے شانہ بشانہ ان سے کہیں زیادہ آزادی ہند کے لیے جدوجہد کرتے ہوئے قربانیاں پیش کر چکے تھے اور اس کا حال انھیں معلوم تھا۔ اس لیے ہندوستانی مسلمان بڑی حد تک ان راہنماؤں کے سایہ راہنمائی میں اپنے کو مکمل طور پر محفوظ سمجھتے رہے ہیں۔ اور آزاد ہندوستان میں باوجود پاکستان کے وجود ان کے عزت و توقیر کے ساتھ اپنے جائز حقوق منواتے ہوئے مسلمان موجود ہیں اور انشاء اللہ ہمیشہ موجود رہیں گے۔

مفکر ملت حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ نے ۱۹۳۸ء میں دہلی میں ادارہ ندوۃ المصنفین قائم کیا جس کا مقصد ہندوستان میں علوم اسلامیہ شریعہ عربیہ کی اشاعت کرنا تھا۔ اور اس میں انھیں زبردست کامیابی نصیب ہوئی۔ اردو عربی اور فارسی میں ادارہ ندوۃ المصنفین نے اپنے بانی مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ کی سرپرستی میں وہ بھاری بھر کم لٹریچر شائع کیا جسے دیکھ کر پڑھ کر عالم اسلام کی بڑی بڑی مقتدرہ ستیاں داد تحسین دینے پر مجبور ہو گئیں اور انھیں حیرت تھی کہ ہندوستان جیسے دور دراز ملک میں اسلامی علوم و فنون پر نمایاں و نادر اور معیار سے لٹریچر شائع ہوا۔ مفتی صاحبؒ کے غلوں لگن ایثار کی بدولت بڑے بڑے علماء ادارہ ندوۃ المصنفین سے وابستہ ہونے میں فخر و شان محسوس کرنے لگے۔

جس طرح علم دین کی خدمت کے لئے انہوں نے ادارہ ندوۃ المصنفین قائم کیا اسی طرح ہندوستانی مسلمانوں کے لئے مسلم مجلس مشاورت کے نام سے ایک ایسا سیاسی پلیٹ فارم بھی ان کی کوششوں سے عالم وجود میں آیا جس نے ہندوستانی مسلمانوں کو ہندوستان میں اپنی اہمیت اور طاقت و قوت کا احساس دلایا اور جس کی سنجیدہ قیادت کو برادران ملک کے بڑے بڑے دانشوروں نے بھی تسلیم کیا۔ مفتی صاحبؒ کی زندگی نے وفائیں کی ورنہ ۱۹۴۷ء میں بابرہی مسجد کا ساتھ پیش نہیں آتا۔ مگر یہ قدرت کا حکم تھا اور اس کے حکم کے آگے تو کسی کا بس چل ہی نہیں سکتا ہے۔

خیر یہ سب کچھ تو حضرت مفتی صاحبؒ کے ملک و ملت کے لئے عظیم الشان کارنامے تھے ہی جس کا ذکر اس وقت خواہ مخواہ ہو گیا۔ میرا اپنے قبلہ آبا جان حضرت مفکر ملت کی اس خانگی زندگی کا ذکر کرنا ہے جس سے ہم سب کا روزمرہ کا واسطہ و سائق پڑتا رہتا تھا۔ اور جب ان کی ان معنوں میں یاد آ رہی ہے تو مجھے یہ کہنے دیجئے کہ حضرت قبلہ آبا جان (ہم سب بھائیوں کی زبان پر یہ ہی نام ان کے لئے پڑھا ہوا تھا) ایک مثالی شوہر تھے ایک مثالی باپ تھے، ایک مثالی بھائی تھے اور ایک مثالی پڑوسی تھے۔ ہماری والدہ مرحومہ فرمایا کرتی تھیں کہ

منہج صاحبی شروع ہی سے بڑے سیدھے شریعتی اور بحولے تھے۔ ان کی ذات سے کبھی کسی کو کسی بھی طرح کی اذیت نہیں پہنچی بارہا ان کے گھر میں موجود خادموں سے بڑی بڑی غلطیاں سنبھال ہوتیں مگر انہوں نے ہمیشہ درگزر کیا بعض اوقات خادموں کی نافرمانیوں اور دالستہ غلطیوں کی وجہ سے ہم سب کو اور خود مفتی صاحب کو بھی بڑی تکلیف اٹھانی پڑتی تھی مگر جب خادموں سے ہمارا کامو قع آتا تو ان کی نرم مزاجی ان کے لئے سینہ سپر ہو کر ان کا دفاع ہی کرتی جس سے ہمیں ان پر غصہ نہ بھی ہوتی مگر اکثر ناہنسی خاموشی اختیار کرنی پڑتی۔ انہیں کبھی غصہ میں ہم نے نہیں دیکھا گھر میں دستک دے کر ہی داخل ہوتے۔ وہ ہر کام میں وقت کی پابندی کو ملحوظ رکھتے اور ہمیں بھی وقت کی پابندی کرنے کی تاکید کرتے۔ نماز باجماعت مسجد میں جا کر ادا کرتے اور اس میں اس حد تک ان کی سختی تھی کہ اگر بیمار ہیں، نماز میں تپ رہے ہیں تب بھی مسجد ہی میں نماز باجماعت ادا کرتے کرڑکے کی سرئی میں عشاء و فجر کی نمازیں مسجد میں ادا کرنے جاتے اور نشیمن یا دو نفل گھر آکر ادا کرتے۔ دعائیں خصوصیت سے خشوع و خضوع کے ساتھ دیر تک مشغول رہتے۔ واللہ رحمہ فرماتیں تھیں کہ ہماری ازدواجی زندگی میں کبھی بھی ناچاقی نہ ہوئی رنجش اور کسی قسم کی ناراضگی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا گھر میں روکھا سوکھا کھانا بھی ہوتا تو اسے بڑے شوق سے کھاتے۔ کھانے میں کبھی نقص نہیں نکالتے۔ گھر میں مہمانوں کا آنا جانا رہتا ہی تھا۔ مہمانوں کے ساتھ اتنی مصروف زندگی کے باوجود وقت اچھا خاصہ بتلاتے تھے۔ ان کی ناز برداری میں لگے رہتے تھے بھائی سے برتاؤ بڑا ہی مشفقانہ رہتا تھا۔ اور بھائیوں کے بچوں کے ساتھ بڑا ہی شفیقانہ سلوک کرتے بیٹی داماد کی قربت و خاطر داری میں لطف و حفظ محسوس کرتے اپنے بچوں کے تمام مسائل سے آگاہی و واقفیت رکھتے۔ اور ان کی حسب عادت و قابلیت اپنے مفید مشوروں و ہدایتوں سے خیر خواہی و تربیت کرتے تھے۔ مایوسی اور بددلی کو وہ کفر کہتے تھے۔ جب میں امتحان میں بار بار فیل ہوتا رہا تو مجھے ایک دن انہوں نے بڑی ملامت کی حالت میں سر پکڑے ہوئے دیکھا پوچھا بیٹا کیا ہوا تم کیوں پریشان ہو کیا فیل ہونیکے

جس سے تم نے اپنی یہ پریشان کن حالت بنارکھی ہے؟ تو سنو بیٹا! فیصل ہونا واقعی اچھی بات نہیں ہے لیکن اس کا دوسرا پہلو بھی تو ہے تمہیں ان ہی مضمونوں اور کتابوں کو زیادہ پڑھنے کا موقع ملے گا اس سے یقیناً تمہاری قابلیت میں اضافہ ہوگا لہذا اسے تم قدرت کی طرف سے اپنی قابلیت بڑھانے اور اس میں اضافہ کر نیکالک اور موقع سمجھو۔ اور جب میں نے ان کے یہ الفاظ سنے تو میری مایوسی اور پریشانی ایک دم ختم ہو گئی اور دل و دماغ تازہ ہو گیا۔

گھر کا کوئی بھی فرد بیمار ہوتا تو قبلہ آبا جان کی محبت و مہمتا دیکھنے سے تلقین رکھتی تھی حکیم باؤا کرط کو بلواتے دو خود بلاتے اور تیمار داری بھی دربر تک کرتے رہتے کسی کے سر میں درد ہوتا تو دبانے جلاتے اور آیت قرآن پاک پڑھنے جاتے اپنے ہاتھوں سے پر میزی کھانا کھلاتے۔ اور مرض سے شفا یا بلکے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں نفل شکرانہ ادا کرتے۔ اگر کبھی خود بیمار ہوتے تو اپنی خدمت کسی سے نہ لیتے بلکہ اپنی خدمت خود ہی حتی الامکان کرتے کسی کو بھی تکلیف دینا انہیں گوارہ ہی نہ تھا نماز جمعہ اور نماز عیدین کے لئے سب بچوں کو ساتھ لیا کر جامع مسجد اور عید گاہ میں ادا کرتے عید پر سب بچوں کو ان کے حسب استحقاق عیدی دیتے۔ جب کوئی ہمان نہ ہوتا تو ناشتہ کھانا گھر ہی میں سب کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر کھاتے۔ قبلہ آبا جان کی تربیت نے سب بہن بھائیوں کو نماز پنجگانہ کا سخت پابند بنادیا تھا چنانچہ فجر کی نماز کے لئے سب بہن بھائی اور والدہ صاحبہ ایک گھنٹہ قبل اٹھ کر بیدار ہو جاتے ضروریات سے فراغت کے بعد وضو کر کے نماز فجر ادا کرنے ہم سب بیٹوں کے ساتھ مسجد میں جاتے والدہ اور ہمشیرہ گھر ہی میں نماز ادا کرتیں نماز فجر کے بعد تلاوت قرآن پاک کا التزام تھا اس کے بعد ہی ناشتہ و فیرہ کرتے۔ ناشتہ سے فراغت کے بعد قبلہ آبا جان دفتر جا کر اخبارات کا مطالعہ کرتے اور آنے والوں سے ملاقات کرتے۔ ان سے گفتگو کرتے ان کے مسائل کا کوئی مفید مثبت حل بتاتے، گھر میں جب بھی گھر کے افراد کے درمیان میں ہوتے تو سیرت رسول صلعم اور صحابہ کرام کے واقعات ایسے دلنشین انداز

میں ہیں سناتے کہ آج جب ہم انہیں یاد کرتے ہیں تو احترام و ادب کے ساتھ ہمارا سر جھک جاتا ہے اور دل سے ان کے لئے بارگاہِ عالی میں دعاؤں کا سُرود شروع ہو جاتا ہے۔ انکی شخصیت کے ذریعہ ان کے ملنے والوں نے ان کے عزیز و اقارب نے اللہ کے فضل سے بے انتہا فوائد حاصل کئے ہیں۔ کتنے بے روزگاروں کو ان کے نام کی برکت اور سفارش سے سرکاری نوکریاں ملیں جو آج بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ جلیل القدر منصب ان کے ذریعہ حاصل کئے مگر کبھی انہوں نے اپنی اولاد کو کسی سفارش سے نہ نوکری دلوائی اور نہ کوئی کاروبار کرایا فرمایا کرتے تھے کہ اگر اولاد کسی قابل ہوگی تو خود بخود اللہ پاک انہیں انکے مرتبہ پر تفویض فرمائے گا۔ اور یہ ان کی اچھی تعلیم و تربیت کا ہی فیض ہے کہ ہم نے قبلہ آبا جان کے نام کو کبھی ذاتی فائدہ کے لئے استعمال کرنا مناسب نہ سمجھا ان کی حد درجہ نرمی و شفقت ہی ہمارے لئے بیش بہا سرمایہ سے کم نہ تھی ایسے مشفق اور نیک دل اور نیک سیرت اور مثالی کردار والے باپ کے ہم بیٹے ہیں ہمارے لئے یہ ہی خزانہ کی بڑی بات ہے اور جسے ہم اپنی زندگی کے لئے بہترین سرمایہ سمجھتے ہیں اور انشاء اللہ سمجھتے رہیں گے !

حضرت قبلہ آبا جان رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مجھ احقر راقم کو طرح طرح کی مشکلات پیش آئیں رسالہ برہان اور ادارہ ندوۃ المصنفین دہلی کو حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانی کے شایانِ شان قائم رکھنے کے لئے میں نے مسمم ارادہ کر لیا تھا حالانکہ حاسدین، منافقین کے ناپاک منصوبے بھی اپنی جگہ خفیہ طریقہ سے جاری تھے رسالہ "برہان" اعلیٰ میں اہل علم کے اسماء گرامی شائع کئے جا رہے ہیں تو وہ بھی اسی وجہ سے کہ ایک تو ان پر حضرت مفتی صاحب کی نظر التفات رہتی تھی دوسرے ان میں ہیں مفتی صاحب قبلہ کی خوشبو کی جھک آتی ہے بہر حال حضرت قبلہ آبا جان مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ اس صدی کی عظیم و نادر شخصیت و ہستی تھے جو بانی عظیم الشان علمی و ملی خدمات کی دولت صدیوں تک احسان و مشکنداری کے ساتھ عوامی دلوں میں یاد رہیں گے۔ اور آئندہ نسلوں کے کامیابیوں پر فخر محسوس کریں گی۔

کاسب سے بڑا اردو شاعر تھا۔

ولی: بقول نصیر الدین ہاشمی ولی کا صحیح نام ولی محمد تھا۔ لیکن محققین کے نزدیک ان کے نام میں اختلافات ہیں۔ ان کے سال ولادت کے بارے میں بھی معلومات کا فقدان ہے۔ اسی طرح انتقال کے متعلق بھی مختلف بیانات ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ ۱۱۵۵ھ میں رحلت کی بعض ۱۱۳۳ھ تسلیم کرتے ہیں جبکہ بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب کے دریافت کردہ قطعہ ذیل سے ۱۱۱۹ھ سال وفات قرار پاتا ہے۔

سطح دیوان عشق سیدار باب دل والی ملک سخن صاحب عرفاں ولی
سال وفاتش خرد از سر الہام گفت "باد پناہ ولی ساقی کو شر ولی"

(۱۱۱۸ + ۱) ۱۱۱۹/۸-۷۰۷۶

لیکن محسن ہے کہ یہ قطعہ ولی اورنگ آبادی کی وفات سے تعلق رکھتا ہو۔ کیونکہ ولی دکنی کا سال وفات اب ناگ طور پر ۱۱۵۵ھ تسلیم کیا جانے لگا ہے چنانچہ بعد کے تاریخ گو شعرا نے اپنے قطعات میں ۱۱۵۵ھ کے ملوے ہی موزوں کئے ہیں، مثلاً حکیم رحمت بنارسی رحمت نے قطعہ ذیل موزوں کیا:

ولی کی دھوم ہے بزم سخن میں ہر اک شاعر کو پہنچا فیض ان سے

لکھنوی فوت کی تاریخ رحمت

"ولی بے طبع استاد اولیں تھے" ۱۱۵۵ھ/۳۳-۳۲-۷۱

۲۔ دکن میں اردو از نصیر الدین ہاشمی ص ۱۳۰ ۱۹۸۵ء نئی دہلی ۳۔ برائے اختلافات نام ملاحظہ ہوں تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی ص ۳۲ تا ۵۳ تاریخ ادب اردو (مترجم) از رام بابو سکینہ ص ۱ تا ۳۷ ۱۹۸۶ء دکن اور سخنورانِ گجرات از سید ظہیر الدین مدنی ص ۸۲ تا ۸۷ ۱۹۸۷ء جمیل جالبی ۵۳۵ ظہیر الدین مدنی ص ۸۶ ۵ رام بابو سکینہ ص ۷۳ رہنمائے تاریخ اردو از محمد عبدالقادر ص ۳۳ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۳۸ء

خان بہادر سید مسعود حسن خان مسعود نے بھی اپنے قلم کے مادہ سے ۱۱۵۵ھ ہی بزمِ بزم
کیا ہے :-

فنی دکنی پہنچے جناں میں سوئے عقی گئے از دارِ دنیا
بنائے شاعری کا ملک بھر میں اُن ہی کے سر پر باسعود سہرا

بڑے سالِ رحلت آپ لکھ دیں
کہ ہجری سال "طوطی شکر خا" ۱۱۵۵ھ

محمد عبدالقادر قادر کے قلم وفات و لی کا ہجری سال رحلت کا مادہ بھی ۱۱۵۵ھ ہی بزمِ بزم پاتا

ہے :-

چل دیسے ہیں اب ولی استاد بھی ہو گئے ولی شاعروں کے پاش پاش
ملہم غیبی نے قادر سے کہا سالِ رحلت آپ لکھئے "ہا خراش" ۱۱۵۵ھ

دکن نے اردو کی آغوش میں دو مائے ناز اولاد میں چھوڑ دیں، ان میں پہلا قابلِ احترامِ حضرت
ولی کا ہے۔ جنکی عزتِ اردو غزل کے باوا آدم کی حیثیت سے رہتی دنیا تک قائم رہے گی
اور دوسری ہستی جو اس خاکِ پاک سے اٹھی وہ حضرت سید شاہ سراج الدین حسینی اور گم آبادی
کی ہے۔ سراج کی غزل کا مشہور مطلع ہے :-

خبرِ تجرِ عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا جو رہی صوبے خبری رہی

۱۔ مذہبِ تواریح! از خاں بہادر مسعود حسن مسعود ص ۲۶، ادارہ انیس اردو آبادی ۱۹۸۸ء

۲۔ رہنمائے تاریخِ اردو ص ۳۵-۳۴

۳۔ کلیاتِ سراج مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری ص ۲۶ و ۵۱ مطبوعہ ۱۹۸۲ء

نئی دہلی -

اس درویش صفت شاعر کی رحلت جو دنیوی جاہ و حشمت سے متنفر تھا ۳۲ شوال ۱۱۷۷ھ میں ہوئی۔ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی (ف ۱۲۰۰ھ) اودان کے بھتیجے میراویز لاہوری کے علاوہ منشی لکھی پرائی شفیق (م ۱۲۲۳ھ) نے جنکو علامہ غلام علی آزاد بلگرامی سے شرف تلمذ حاصل تھا، درج ذیل قطعہ تاریخ لکھتے ہوئے نذرانہ عقیدت پیش کیا۔

سید حق پرست معنی سنج کہ ازو یافت شعر حسن رواج

سال نو تش شفیق کرد قسم

”روبرحان نمود شاہ سرانج“ ۱۱۷۷ھ/۲۷ اپریل ۱۷۶۳ء

حضرت جانِ جانان :- حضرت میرزا منظر جانِ جانان کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کی طادت ۱۱۱۳ھ مقام کالا باغ صوبہ مالوہ میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد مرزا جان عالمگیری منصب دار تھے۔ اورنگ زیب گنے والد کے نام کی مناسبت سے ان کا جانِ جان رکھا کیونکہ بیٹا باپ کی جانِ جان ہوتا ہے۔ کثرت استعمال سے یہ جانِ جانان ہو گیا جو موصوف کی عرفیت ہے، نام شمس الدین اور تخلص منظر ہے درج ذیل دو مشہور شعرا آپ ہی کے ہیں :-

۱۳
یہ حسرت رہ گئی کیا کیا مزے سے زہد گئی کرتے اگر ہوتا چمن اپنا، گل اپنا، باغباں اپنا

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوٹے
یہی اک، شہر میں قاتل رہا ہے

اور

۱۴
اللہ برائے قطعہ تاریخ ملاحظہ ہو حوالہ سابق ص ۷۰، ۱۲۷ ذکا کے حامل تاریخ شعر کے لئے دیکھیے
تین تذکرے مرتبہ پروفیسر نثار احمد فاروقی ص ۲۳۶ مکتبہ برہان دہلی ۱۹۶۸ء ۱۳۷۷ھ حوالہ ماقبل ص ۲۳۶
۱۵
تذکرہ شورش (رموز الشعراء) از علام حسین شورش مرتبہ ڈاکٹر محمد رفیع ص ۸۱ مکتبہ ۱۹۸۲ء
۱۶
تذکرہ شورش مکرر، زیبا مولفہ سعادت خاں ناصر مرتبہ ڈاکٹر شمیم انہونی ص ۸۳ مکتبہ ۱۹۷۱ء

آپ کا کلام اردو زبان کی تاریخ ارتقا میں ایک خاص مقام کا حامل ہے، جیسا کہ تقریباً ساڑھے سو سال گزر جانے کے بعد بھی مذکورہ دونوں اشعار کی معنویت سے ثابت ہے کہتے ہیں کہ آپ کی شہادت میں نجف خاں کا ہاتھ تھا۔ بہر حال یہ افسوس ناک واقعہ ماہ محرم کی دسویں تاریخ ۱۱۹۵ھ میں رونما ہوا۔ ساتویں محرم کو ایک تعزیر بہرست نے آپ کو قراہین (چوڑے منہ کی چھوٹی بندوق) مار کر زخمی کیا۔ تین دن تک نہایت صبر و استقلال کے ساتھ زندہ رہے اس دوران اپنے ہی اشعار بار بار پڑھتے تھے۔

بنا کر زندہ خوش رہے بخون و خاک غلطیدن خدا رحمت کند میں عاشقانِ پاک طینت را
بزد اگر چہ الطاف کے قابل یہ دل زار نہ تھا لیکن اس جو روح جفا کا بھی سزاوار نہ تھا
لوگ کہتے ہیں مولا منظر بیکس افسوس کیا ہوا اس کو کہ اتنا بھی وہ بیمار نہ تھا
میر تقی الدین سنت (۱۲۰۸ھ) نے حدیث پاک عاشِ حیدر مات شہیداً (اچھے اخلاق پر
زندہ رہا اور شہادت کی موت پائی) سے شہادت کا سال ۱۱۹۵ھ حاصل کیا۔ (۳) مادہ پر ایک
اصحاب کو بھی توار دہوا۔

آن قبلہ اربابِ تقی عاشِ حیدرؑ واں قدوہ اربابِ سنا "مات شہیداً" ۱۱۹۵ھ
مجموعہ ہر دو صفت سال و فاش ۲۲۲ منظر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان سجداً ۶۱
حضرت مولانا قاضی شمس الرحمن پانی پتیؒ نے اپنے مرشد کا سنہ شہادت آیت شریفہ
اولئک مع الذین انعم اللہ (وہ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا ہے) بے کم و

کے گل رعنا از مولانا عبدالحمیٰ ص ۱۳۳

۱۷ مہم تاریخ ترجمہ بلخسلیم مترجم سید اختر احمد سہوانی ص ۶ مراد آباد ۱۹۱۲ء

۱۸ غرائب الجہل از نواب عبدالعزیز دہلوی مدرسی ص ۳۶ عزیز المطالع حیدر آباد ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء

۱۹ سورہ نسا آیت: ۶۹ -

۱۱۹۵ء برآمد کرتے ہوئے اُیت پاک کو نوا شاعر کے مرثیے میں منظم کیا۔ حضرت کے شاگرد حسان الشریف نے "منظر کبھی" نامہ ماحصل کیا۔ اردو کے مقتدر شاعر مرزا محمد رفیع سوطا نے ۱۱۹۵ء۔
نذیر اب اردو قطعہ ذیل کہا، جس میں قاتل کی مذمت کی گئی ہے۔

منظر کا ہوا جو قاتل اک مرتبہ شوم اور ان کی ہوائی خبر شہادت کی عموم
تاریخ وفات ان کی کبھی باروے درد سودا نے کہ بائے جان جانان منظم ۱۱۹۵ء
سودا :- حضرت جان جانان کی شہادت کے تقریباً پانچ چھ ماہ بعد ہی اردو کے سلم اشوب

استاد مرزا محمد رفیع سودا (ولادت ۱۱۱۵ء تا ۱۱۱۸ء کے درمیان) بھی اس جہان فانی سے سرجیب
۱۱۹۵ء کو راہی آخرت ہوئے۔ جن کے بارے میں مولانا محمد حسین چریا کوٹی کیفی فرماتے ہیں کہ
"مرزا جب قعیدہ پیش کرتے ہیں تو شکوہ الفاظ کے ڈنکے بجادیتے ہیں۔ غزل سناتے ہیں تو
دلوں میں چٹکیاں لیتے ہیں مرثیہ پڑھتے ہیں تو سامعین کو خون کے آنسو رلاتے ہیں، جو کہتے
ہیں تو حریفوں پر ہستی تنگ کر دیتے ہیں؟ مرزا کی ہمہ گیر طبیعت نے کسی صنف شاعری کو نہیں
چھوڑا، سب کچھ کہا اور خوب کہا۔ ستر سال کی عمر میں وفات پائی۔ مرتے وقت زبان پر یہ شعر تھا۔

آج سودا جہاں سے اٹھتا ہے شور و غل ہر مکان سے اٹھتا ہے
اس سرور شاعران ہند کی رحلت پر فخر الدین ماہر نے قطعہ تاریخ کہکرنہ رائے عقیدت پیش
کیا۔ غلہ کو جب حضرت سودا گئے فکر میں تاریخ کی ماہر ہوا
بولے منصف دور کر پائے عیناد "شاعران ہند کا سرور گیا" (۱۱۹۹ء-۱۹۵۰ء)

۱۹ ملیم تاریخ ص ۵۱۔

۲۰ علمائے ہند کا شاندار ماضی ۲/۷۰، مصنف مولانا محمد میاں تیرتہ ذکرہ خوش محرکہ زیبا از
سماعت خان ناصر مرتبہ ڈاکٹر شمیم ص ۸۳۔

۲۱ جواہر سخن ۱۲ ۲۲۵ مولفہ مولانا محمد حسین کیفی چریا کوٹی، ہندوستانی ایکٹری ایڈیٹور ۱۹۳۵ء
۲۲ تذکرہ ہندی از غلام ہمدانی مصحفی ص ۳۴۱ مکتبہ ۱۹۸۵ء

شیخ الاسلام قاسم چاند پوری (۱۲۱۰ھ) نے بڑا بڑا سوز تازیانی مرثیہ کہا:-

آہ مرزا رفیع دنیا سے	جل کے جنت میں جب یقیم ہوا
دردِ فرقت سے اس کے شلِ قلم	اہلِ مغنی کا دل دو نیم ہوا
مگی سے تاخدا اس چمن میں جو تھا	خاکِ بر سر وہ جو نیم ہوا
سالِ تاریخ کی تھی مجھ کو تلاش	کیونکہ بس حادثہ عظیم ہوا

اس میں پیر خرد نے از سرِ یاس

یہ کہا: آبِ سخن یقیم ہوا ۱۱۸۵ھ = ۱۱۹۵ھ

منشی یحییٰ زامن شفیق اور نگ آبادی نے قیام تاریخ اور ماہ کی صراحت کے ساتھ قطعہ بیان کیا:-

لکھنؤ پنج میرزا نے رفیع چوتھی رجب کی، جان میں گزرے

جیکہ . . . کیا ہوئی تاریخ

"ہائے سودا جہان میں گزرے"

شفیق کے مادہ سے ۱۱۹۶ھ برآمد ہوتا ہے۔ ایک عدد کے تخریج کا بھی قطعہ میں دی قرینہ نہیں ہے۔ سودا کی وفات کے فارسی قطعات سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔ ارا مقصد بھی ممکنہ حد تک یہی ہے کہ ہر شاعر کی وفات کے صرف اردو زبان میں کچے نئے قطعات میں پیش کئے جائیں، ہاں فراہم نہ ہو سکے تو فارسی زبان کے قطعات جوڑی لکھے جائیں گے یا ضروری معلومات بہم پہنچانے کے لئے۔

نوٹ: خواجہ میر نام اور درد تخلص تھا۔ مشہور بزرگ خواجہ ناصر عندلیب کے ملفضہ صدق تھے۔ ۱۱۳۳ھ میں بمقام دہلی پیدا ہوئے، جیسا کہ سناٹھ سنگھ بیدار کے

۱۰ تین تذکرے مرتبہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ص ۲۳۶ مکتبہ برہان دہلی اشاعت اولین ۱۹۶۸ء
۱۰ جیل جالبی جلد دوم حصہ دوم ص ۶۵۸

قطعہ تاریخ ولادت سے تصدیق ہوتی ہے :

از حضرت درد عارف یزدانی گہوارہ آفاق چو شد نورانی
بیدار نوید سال تار بخش گفت آمد بوجہ نقض بند ثانی ۱۱۳۳ھ
درد اپنے پدر بزرگوار خواجہ ناصر علی سیب (م ۱۱۷۲ھ) کی وفات کے بعد سجادہ نشین
ہوئے، حضرت درد وحدت الوجود کے قائل اور فن موسیقی کے ماہر تھے وہ پہلے شاہویں
جن کے فیض سے اردو تغزل کو محبوب حقیقی کے حسی و کرشمہ کا جلوہ گاہ بنا دیا۔ چھیا سٹیل
کی عمر میں جیسا کہ خود انکی پیشین گوئی تھی، ۲۳ صفر ۱۱۹۹ھ میں روز جمعہ وصال ہوا۔
نیاز احمد نیاز سرہندی نے اردو زبان میں قطعہ تاریخ انتقال کہا :-

حضرت درد نے جس وقت کیا نقل مکان ہو گیا درد جدائی سے جہاں پر آشوب
گر چہ اس گریہ غم سے تونہ تھا دل کو فرغ سال تاریخ کو جو عذر کیا دل سے خوب
ہاتف غیب سے اک بارگی آئی یہ ندا

”یہ دنیا سے رخصت ہوا وہ خدا کا محبوب“ ۱۱۹۹ھ

درد کے دوست میر محمدی بیدار دہلوی (م ۱۲۰۹ھ) نے فارسی میں جو تاریخ کہی وہ درد
کی وفات کے بارے میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ چونکہ اس سے ہیں وفات درد کا وقت
روزہ تاریخ اور ماہ کی معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ البتہ عمر اڑسٹھ سال کی اطلاع درست نہیں۔
کتاب امت دین محمد، خواجہ میر مظہر علم علی و دارث اشاعر

۴۵ حوالہ مذکور ص ۷۵۔

۲۶ ماہنامہ آجکل نئی دہلی جنوری ۱۹۸۶ء ص ۱۱ بحوالہ مجموعہ نغز از قدرت اللہ قائم نمونہ خدائش مگر
جیل جالبی نے اس قطعہ کو ہدایت اللہ ہدایت (۲/۷۵) سے منسوب کیا ہے۔
۷۱ تصوف کے ایک سلسلہ کے علاوہ تمام سلاسل کا شجرہ حضرت علی ہریر جاکر شتی ہوتا ہے۔ علامہ تمنا
عمادی ایسے صوفیوں کو جس کا رجحان مسلک کی اشاعر کی طرف ہوتا تھا، شیعوں کے خانہ زاد بھائی
کہا کرتے تھے۔

حضرت مدد آنکہ از درد و فراق غلبے
نالہ پیمائش کی کرد بردہا اثر
جانب اعلاء طیس او کردہ سفر
بخت از وقت وصال در روز ماہش جو خیر
یکدم ہر شب ماندہ باقی کرد و ادبلا و گفت
"بائے بودا دینہ و بست و چلارم از عصر" ۱۱۹۹ھ
قائم۔ شیخ قیام الدین نام، عرفیت محمد قائم اور تخلص قائم تھا، چاند پور ضلع، بجنور کے باشندہ
تھے۔ ابتداء میں درد اور بعد کو سودا کے شاعر ہوئے۔ اعلیٰ درجے کے شاعر تھے۔ نمونہ
ان کے دو مشہور غلاظت اشعار ملاحظہ ہوں:-

ٹوٹا جو کبہ کونسی یہ جائے غم ہے شیخ
کچھ تھوڑی نہیں کہ بنایا نہ جائے گا
نثر قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کند
کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا^{۱۹}
دل ڈھونڈنا سینے میں مرے بوجی
اک ڈیر ہے میان راکھ کا اور آگ دی ہے
(تین تذکرے ص ۱۰۳)

بمقام راسپور ۱۲۰۸ھ میں قائم نے سفر آخرت اختیار کیا۔ شاہ کمال کی فرمائش پر جرات
نے رباعی مستزاد میں تاریخ لکھی۔

جب سیل فنا ملک عناصر میں ہی
اگر ناگاہ
قائم کے جو تن کی تھی عمارت سو ڈھبی
لی زیست نے راہ
جرات نے کبھی رو کے یہ تاریخ وفات
یکنائی کے ساتھ
"قائم بنیاد شعر ہندی نہ رہی (کذا انصاری) کیا کہیے اب آہ^{۲۰}" ۱۲۰۸ھ
ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کہتے ہیں کہ: "اس قطعے میں کہیے کے اعداد (۳۵) اور آہ کے (۷)

۲۸ دیوان بیدار بے تصحیح جلیل احمد قدوائی مقدمہ ص ۶ ہندوستانی الیٹریجی یو پی۔ الہ آباد ۱۹۳۷ء

۲۹ جواہر سخن ۱۲ و ۷۰۹

۳۰ تین تذکرے ص ۸

شمار کریں تو ۱۲۰۸ء مستفاد ہوتا ہے۔ یعنی "آہ" میں الف ممدودہ کے دو عدد قطع ہوئے
لیکن راقم الحروف کے نزدیک یہ قطع ایک عدد کے بدلے سے کہا گیا ہے، جس کا واضح قرینہ تیسرے
مصرعے کے فقرے "یکتاؤ (یعنی ایک) کے ساتھ" میں موجود ہے۔

سوز: میر محمد نام اور تخلص سوز تھا۔ ابتدا میں میر تخلص اختیار کیا تھا۔ لیکن جب
میر تقی میر کی شہرت ہوئی تو پھر اپنا تخلص سوز کر لیا۔ شعر گوئی کے علاوہ لطیفہ گوئی، خوش فہمی
تیر اندازی و اسب سواری میں بھی یکتاۓ روز گزارتے اور بزرگی و درویشی میں بھی ممتاز
جائے ولادت دہلی ہے (۱۱۳۶ھ) اور انتقال اسی سال کی عمر میں تلہر میں ۱۲۱۳ء میں ہوا۔
ناسخ و جبرأت نے تارنجیں موزوں کیں۔

اٹھ گیا میر سوز دنیائے	ہائے صاحب کمال وادِ یلا (۵)
سالِ تاریخ ہے یہی ناسخ	شاعر بے مثال وادِ یلا (۵) ۱۲۱۳ھ
قلندر بخش جبرأت نے دو قطعات کہے:	
کی جو ہیں میر سوز نے رحلت	گردن انداز کی دو نیم ہوئی
نکلی تاریخ بے سب انداز	آہ ادائے سخن یتیم ہوئی $\frac{۱۲-۱۲}{۱۲-۱۲}$
دور بس سوز قطعہ یہ ہے:-	

سوز ماتم نے میر سوز کے آہ	شمع ساں بس جلا دیا دل کو
میر صاحب سا شخص بو مر جائے	غم ہوا ہائے یہ بڑا دل کو
مٹ گیا لطفِ ریختہ گوئی	خاک پھر دے سخنِ مزاد دل کو

۳۱ تین تذکرے ص ۸ ۳۲ تذکرہ خوش معرکہ زیر باب ۱۱ جس میں ہائے ہوز
آخر صفحہ ۱۱۲ طالعہ ہودیوان ناسخ (نسخہ بنارس ص ۱۳۹) قدیم ٹیڈرٹیف نقوی، غلغلی اور نیٹل
پبلک لائبریری، پٹنہ (عکسی ایڈیشن) ۱۹۹۰ء تین تذکرے ص ۱۱

خاک میں مل گئی ادا بندی گفتگو اب خوش آئے کیا دل کو
 کبھی جرات نے روک کر تاریخ " داغ اب سوز کا لگا دل کو " ۱۲۱۳ھ
 تنہا :-۔ محوِ سسلی نام اور تنہا تخلص تھا۔ دلی میں پیدا ہوئے۔ بعد میں لکھنؤ آ گئے۔ ناسخ
 سے نہایت الفت تھی۔ مصحفی کے اشعار پر اعتراض کرتے رہتے تھے۔ لکھنؤ میں رحلت (۱۱۳۲ھ)
 کی۔ ناسخ نے حسب حال تنہا کی تاریخ کہہ کر حتی دوستی ادا کیا :-

مونس جانِ حزیں دشتِ بلا فیضِ آہ اٹھ گیا سوئے عدم چھوٹ کے ہم کو تنہا
 کلک ناسخ نے لکھا مصرعِ تاریخِ وفات " آج تنہا گیا دنیا سے عدم کو تنہا " ۱۲۲۲ھ
 جرات :-۔ جرات تخلص اور اصل نام بی بی امان مگر مشہور نام شیخ قلندر بخش تھا ولادت
 مقام دہلی ۱۱۶۲ھ/۱۷۶۹ء میں ہوئی۔ بچپن فیض آباد میں گذرا۔ مرزا جعفر علی حسرت لکھنؤی
 کے شاگرد تھے۔ شاعری کے علاوہ فنِ موسیقی اور علمِ نجوم میں بھی ماہر تھے۔ لکھنؤ میں وفات پائی
 ناسخ نے تاریخ بھی، جس کے مادہ سے ۱۲۲۵ھ مستفاد ہوتا ہے :

جب یہاں جرات کا باغِ دہر سے گلشنِ فروش کو جانا ہوا
 مصرعِ تاریخ ناسخ نے لکھا " ہائے ہندوستان کا ناغہ " ۱۲۲۵ھ
 لیکن مصحفی اور راجہ جونت سنگھ پروانہ کے قطعاتِ ذیل سے ۱۲۲۲ھ حاصل ہو رہے
 اور بقول قاضی عبدالودود صاحب ۱۲۲۲ھ ہی درست ہے :

جب قلندر بخش جرات مر گیا رنخت کے دل میں خون نے کھایا جوش
 مصحفی نے یہ بھی سالِ وفات " ہو گئی کیا بلبلی نالایاں خموش " ۱۲۲۲ھ

۱۲۲۲ھ تین تذکرے ص ۷۷ دیوان ناسخ شرف بنارس ۱۵۱

۱۲۲۲ھ حوالہ ماقبل ص ص ۱۵۲، ۱۵۳ ملاحظہ ہو دیوانِ نوازش حسین خاں نوازش مقدمہ

خطِ بخش اور منتظرِ پبلک لائبریری پٹنہ ۱۹۹۳ء تذکرہ خوش معرکہ زیبا ص ۲۱۳ -

یہ سیرۃ لکھنؤ میں یہ تاریخ بھی:

جو کہ کرتا ہے خیرِ شعرو سخن
کہ نہ انگ سے وگ باقی ہیں
اکی سخن گو جو تہا قلندر بخش
مگر گیا کوچ اس مقام ہے جیف
اس زمانے میں وہ غنیمت ہے
نہ وہ مجلس ہے اور نہ صحبت ہے
نامِ جرأت سے جس کا شہرت ہے
آج منزلِ نشینِ حسرت ہے

ہے یہ تاریخِ اول اور ثانی

کہو "جنت نصیبِ جرأت ہے" ۱۲۲۳ھ

میر:۔ خدائے سخن، برآمدِ سعاد اور امام المتغزلین میر محمد تقی میر جن کا فرمایا ہوا اکل بھی
مستند تھا اور آئندہ بھی رہے گا ۱۱۳۵ھ/۲۳-۲۲/۱۲۲۲ء میں اگر وہ عالم وجود میں آئے
اور ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء میں بمقام لکھنؤ ہنگرے عالم بقا ہوئے۔ غلام ہمدانی مصحفی نے
تعمیہ تدخلے سے تاریخ بھی:-

وہ محمد تقی میر کہ تھا!
ہندِ جنت نشان میں رکھی تھی
رختہ میں ہر ایک کا سرتاج
غزلِ عاشقانہ اس سے رواج
خرمنِ عمر اس کا برقِ اجل
کر گئی جس دم اُن کرتا راج

از سرِ درد مصحفی نے کہا ۴

حق میں اُس کے "موانظری آج" ۱۲۲۱ = ۱۲۲۵ھ

اس سرتاجِ ریختہ کی رحلت پر دوسرا قطعہ احمد علی خاں یکتا نے کہا:

جب دلِ احباب پر موجِ ربخِ والم
واقعہ جاں گداز میر تقی کا ہوا

۳۹ طبقاتِ شعراء ہند از کریم الدین ص ۱۴۸ اردو اکادمی لکھنؤ ایڈیشن ۱۹۸۳ء

بے دیوان مصحفی صفحہ چھبیس مرتبہ و منتخبہ سیر لکھنؤی و امیر مینا، خدائے بخش اور نیشنل پبلک
لائبریری پٹنہ ۱۹۹۰ء

ماہ تاریخ کا سیر خوردنے دیں دردی رو سے کہا آج نظری مولا ۱۲۲۵ھ
 تاریخ نے بڑا ہی فارسی تاریخ کہی، جس کا مادہ ہے:

”واوہلا موشہ شاعران“ ۱۲۲۵ھ

بقول مدد ہایت اللہ سابق چیف جسٹس بھارت سرکار ”تاریخ نے جیب میر کی یہ
 تاریخ وفات برآمد کی تو گورنر کا اظہار تھا مگر میر کو ایسے نام سے یاد کیا کہ کالقب بن گیا
 کہ وہ بیشک ”شہ شاعران“ تھے اور آج تک ان کا فرمایا ہوا مستند ہے۔“

انشاء۔ انشاء اللہ خاں انشاء ابن سیر ماشار اللہ خاں کے یہاں مرشد آباد میں پیدا
 ہوئے۔ سنہ ولادت نہ معلوم ہے۔ نواب میر قاسم علی خاں کے عہد میں مرشد آباد سے فیض آباد
 آئے اور پھر شاہ عالم کے دربار میں رہائی آ گئے۔ لیکن پھر لکھنؤ چلے آئے اور یہیں ۱۲۳۳ھ
 ۱۸۱۸ء میں وفات پائی۔ ان کے شاگرد الیری سنگھ عرف بسنت سنگھ نشاۃ نے تاریخ کہی۔

خبر انتقال میر انشاء دل غمدیرہ تانشاہ شغفت

سال تاریخ اور جان اجل ۳

عرفی وقت بود انشاء گفت ۱۲۳۰ = ۱۲۳۳ھ

سید مسعود حسن مسعود نے عمومی نوعیت کا دوح ذیل قطعہ کہا:

حضرت انشاء ظریف و بذلہ سخن لکھنؤ آ کے ہوئے تھے تذبذبوت

ملادہ تاریخ کا مسعود لکھ ”مخزن خورشید“ بہر سال فوت ۱۲۱۷ھ اور
 ترقی :- اسد الدوہ خان بہادر میرزا محمد تقی نام اور ترقی تخلص تھا نیز عرفیت آغا صاحب

۱ کلیات میر مرتضیٰ نعل عباس عباسی ص ۲۹

۲ دیوان ناسخ ۳: ۱۶۷ مطبع نامی منشی نو کشور بارششم فروری ۱۸۹۳ء کانپور

۳ انشاء اللہ خاں انشاء از ڈاکٹر عابد پشاور (شیام لال کاکڑ) ص ۲۸۰۔

۴ حذیب تواریخ از سید مسعود حسن خاں مسعود ص ۱۰۸ ادارہ انیس اردو آباد ۱۹۶۳ء

ایک کس جہاں میں صاحبِ کرم نہ ہونگے
 اہلِ چشم نہ ہوں گے مالی اہم نہ ہونگے
 ہے کون دل کہ جس میں سوغارِ خم نہ ہونگے
 اوصافِ اُس کے ناسخِ بحرِ بھی نہ ہونگے
 خلدِ بریں میں داخلِ شاہِ اُم نہ ہونگے
 کس میں طبعِ عینِ مطلعِ بڑے نہ ہونگے
 بس ایک ہے زیادہ اعدادِ کم نہ ہونگے (۱)

"دنیا کے جو مزے ہیں باللہ کم نہ ہونگے

چرچے ہی رہیں گے اے واے ہم نہ ہونگے" ۱۲۴۵ + ۱۲۴۶ء

ترقی کی غزل کا مطلع اور مقطع یہ ہے:-

دنیا کے جو مزے ہیں ہرگز وہ کم نہ ہوں گے
 چرچے ہی رہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے
 یارانِ رفتگان پر کیا روئیں ہم ترقی
 کیا ہم روانہ سوئے ملکِ عدم نہ ہوں گے
 ناسخ:- شیخ امام بخش نامِ مخلص ناسخ تھا۔ اردو کے عظیم شاعر اور طرزِ لکھنؤ کے موجد تھے شیخ
 خدا بخش سکنہ لاہور جو بسلسلہٴ تبارت فیض آباد آتے رہتے تھے۔ ناسخ کا پیادہ سرتبشی بنیلا رجب

۲۵ ذکر و فکر از ڈاکٹر گیان چند جین ص ۱۵۵، الہ آباد ۱۹۸۰ء

۲۶ تذکرہ ریاض الفضا از غلام ہمدانی معصومی، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، ۱۹۸۵ء، لیکن سہاد
 خان ناصر نے تیسرے معرکے کی قرأت یہ لکھی ہے: "یارانِ رفتگان پر کیا روئیں اے ترقی" دیکھئے تذکرہ
 خوش معرکہ زیبا ص ۱۸۵، نیز ایک نسخہ میں: "... روستہ ہو کیا ترقی" بھی آیا ہے۔ ایضاً تاثیرہ ۳۔

تاریخ بھی لکھنؤ آگئے۔ مصحفی کو اپنا کلام دکھاتے تھے لیکن بد میں مشورہ
میں یسا بند کر دیا۔ لکھنؤ میں ہی ۱۲۵۴ھ میں راہی ملک بقا ہوئے۔ ان کے شاگرد رشید میر علی
اوسط رشک نے تاریخ بھی۔

اٹھار گنا سچ کا غل چار سو سے گیا لطف تحقیق کا گفتگو سے
۱۲۵۴ھ میں مصر کے سال رحلت "دلا شعر گوئی اوٹھی لکھنؤ سے ۱۲۵۴ھ
۱۲۵۴ھ میں قطعات وفات سے صرف نظر کرتے ہوئے، مقیم الدولہ راہب نواب علی خاں سحر والی غوا
کا کہا ہوا اردو زبان کا قطعہ بھی لکھا جاتا ہے، جو شغفی مرثیہ ہے:

ریدہ سو میں سنبل و سوسن سیاہ پوش مانند لالہ باغ میں، میں داغ داغ گل
نعل نعل ماقم و نالان میں ابشار مرغ چین میں نوسہ گرویدہ رماغ گل
شہنم سے اشک بار میں اشجار بوستان دل تنگ مثل غنچہ میں مابین باغ گل
بس وفات حضرت تاسخ ہے جاگزا رکھتا نہیں ہے رنج و الم سے فراق گل
بھلا ہے عندلیب کو اب نفہ طرب بلبل کے زمزمے ہے اب بیدار گل

مصر ہے اب ہے مرغ چین کا زبان پر
"اقلیم شاعری کا ہوا ہے چراغ گل" ۱۲۵۴

نشر :- خواجہ حیدر علی آتش ۱۱۹۲ھ/۱۷۷۸ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ (ایام
جوانی میں لکھنؤ منتقل ہو گئے۔ دبستان لکھنؤ کے مشہور و معروف اساتذہ میں تھے۔
لکھنؤ ہی میں بروز چہار شنبہ (بدھ) ۲۵ محرم ۱۲۶۳ھ/۱۳ جنوری ۱۸۴۷ء میں
بوقت صبح انتقال ہوا جو اچانک حادثہ تھا۔ مصحفی کے سایہ ناز شاگرد تھے۔ سید ساداتین

۱۲۵۴ھ میں بیاض سحر (ایس بی نظیر) ص ۸۵، ۸۶ در مطبعہ اودھ پریس لکھنؤ ۱۲۹ھ/۱۸۷۹ء

والد کا نام میرزا محمد امین نیشاپوری۔ فارسی اور اردو دونوں میں شعر کہتے تھے۔ میر سونے کے شاگرد
اصناف سحر کے مولیٰ تھے۔ ۱۲۴۶ھ میں راہی خلد ہوئے۔ ناسخ نے ترقی ہی کا ایک غزل کے مطلع زبان
زرد ملاق سے بتغیر خفیف تاریخ بھی جو شخصی مرثیے کی اہلا تو ہی مثال ہے۔ ۱۔

تھے ماتم زمانہ مرزا تقی ترقی	ایسے کہیں جہاں میں صاحبِ کرم ہونگے
تا حشر اس امیرِ فیاض کے برابر	اہلِ چشم نہ ہوں گے عالیٰ ہمنم ہونگے
بائی دفات اُس نے ماتم سزا میں سینے	ہے کون دل کو جس میں سوغارِ غم ہونگے
ہوں گے اگر نیستان بہرِ ظلم میسر	اوصاف اُس کے ناسخ پھر بھی غم ہونگے
لے لیں گے ساتھ اُسکو جب تک نہ روزِ عشر	خلدِ بریں میں داخل شاہِ اُم ہونگے
گن اُس بلیغ کا یوں مطلع برائے تاریخ	بس ایک سے زیادہ اعداد کم ہونگے (۱)

”دنیا کے جو مزے ہیں بالذکر نہ ہونگے

جرچہ یہی رہیں گے اے واے ہم نہ ہونگے“ ۱۲۳۵ + ۱ = ۱۲۳۶ھ

ترقی کی غزل کا مطلع اور مقطع یہ ہے۔ ۱۔

دنیا کے جو مزے ہیں ہرگز وہ کم نہ ہوں گے جرچہ یہی رہیں گے انوس ہم نہ ہوں گے
یارانِ رفتگان پر کیا روئیں ہسم ترقی کیا ہم روانہ سوئے ملکِ عدم نہ ہوں گے
ناسخ ۱۔ شیخ آغا بخش نام تخلص ناسخ تھا۔ اردو کے عظیم شاعر اور طرزِ کھنڈ کے موجد تھے۔ شیخ
نہال بخش سکینہ لاہور جو سلسلہٴ تبرات فیض آباد آتے رہتے تھے۔ ناسخ کو اپنا پسربتی بنایا جب

۱۵ دیکر وفکار از ڈاکٹر گیان چند جین ص ۱۵۵، آباد ۱۹۸۰ء

۱۶ تذکرہ ریاض الفضا از غلام ہمدانی معقوف، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، ۱۹۸۵ء، لیکن سہ ماہ
خان ناصر نے میرے مصرع کی قرأت یہ لکھی ہے: ”یارانِ رفتگان پر کیا روئیں اے ترقی“ دیکھئے تذکرہ
خوش معرکہ زربا ص ۱۸۵، نیز ایک نسخہ میں: ”... رعدتے ہو کیا ترقی“ بھی آیا ہے۔ ایضاً صفحہ ۳۔

لکھنؤ دارالطافت ہوا تو ناسخ بھی لکھنؤ آ گئے۔ مصحفی کو اپنا کام دکھاتے تھے لیکن بعد میں مشورہ
کلی لینا بند کر دیا۔ لکھنؤ میں ہی ۱۲۵۲ھ میں لڑی ملک بقا ہوئے۔ ان کے شاگرد رشید میر علی
اوسط رشک نے تاریخ بھی لکھی۔

اٹھارہ گن ناسخ کا غل چار سو سے گیا لطف تحقیق کا گفت گو سے
کہار رشک نے مصرع ساہل رحلت "دلا شعر گوئی اور ٹٹی لکھنؤ سے ۱۲۵۲ء
فارس قضاوت وفات سے صرف نظر کرتے ہوئے، مقیم الدولہ راہب نواب علی خاں سحر والی مولانا
(م ۱۲۷۳ء) کا کہا ہوا اردو زبان کا قطع بھی لکھا جاتا ہے، جو شعفی مرثیہ ہے:

ثر ولیدہ موہیں سنبل دسویں سیاہ پوش ماند لہ باغ میں ہیں داغ داغ گل
ہر نخل نخل ماتم و نالال ہیں آبشار مرغ چین ہیں نوحہ مگر وید باغ گل
شبہم سے اشک بار ہیں اشجار بوستان دل تنگ مثل غنچہ ہیں مابین باغ گل
از بس وفات حضرت ناسخ ہے جانگزا رکھا نہیں ہے رنج و الم سے فراغ گل
بھولا ہے عندیسی کو اب نفس طرب بیل کے زمرے ہے اب بید باغ گل

مصرع یہ اب ہے مرغ چین کا زبان پر
"اقلیم شاعری کا ہوا ہے چراغ گل" ۱۲۵۲

آتش :- خواجہ حیدر علی آتش ۱۱۹۲ھ/۱۷۷۸ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ ایام
 جوانی میں لکھنؤ منتقل ہو گئے۔ دبستان لکھنؤ کے مشہور و معروف استاد تھے۔
لکھنؤ ہی میں بروز چہار شنبہ (بدھ) ۲۵ محرم ۱۲۶۳ھ/۱۳ جنوری ۱۸۷۷ء سے
بوقت صبح انتقال ہوا جو اچانک حادثہ تھا۔ مصحفی کے مایہ ناز شاگرد تھے۔ سید ساداتین

۱۷۷۷ء بیاض سحر (ایمس بی نظیر) ص ۸۵، ۸۶ در مطبع اودھ پریس لکھنؤ ۱۲۶۹ھ/۱۸۷۹ء

خاں شریف عرف آغا جتوئے تاریخی مرثیہ کہا۔ جس سے سالی وفات کے علاوہ آتش کے
سیرت و شخصیت، انساب و طبع، مذہبی عقائد اور مدفن وغیرہ کے بارے میں بھی معلومات
فراہم ہوتی ہیں۔

خواجه صبر و رضا و بندہ خاص خدا	تارک دنیا و لذت، قانع و گوشہ نشین
بے ریا، بے نفس، بے پروا و بے حرص و ہوس	تازہ بردار توکل، باخدا عزت گزین
پاک دامن، پاک طینت، پاک باز و پاک منہ	محبوب خدا، جو یسے رب العالمین
عارف و مجذوب، سالک چلکش روشن ضمیر	خاکسار و بوترابی، عاشق جبل التین
کر بلا میں روح رہتی ہے ہوشیار گھبراہٹ میں	زندہ دل تھے، زندہ جاوید ہیں زیریں
شاعر بے مثل و یکساں تھے وہ فردوسی عشر	چل بسے افسوس دنیا سے سوئے خلیفہ ترس
آتش انکا تھا تخلص، نام تھا حیدر علی	تھے خدائیں، تھا انہیں دنیا سے کچھ مطلب
اے شرف تھے جلوہ فرما ہدیائے فقر پر	کہتے تھے ہر وقت تعظیم و ادب سندش

سال جلالت سے دو عالم میں پی شہرت یافتہ

"حیدری مداح و فردوسی فردوس بریں" ۱۲۶۳ھ

جاری ہے

۱۲۶۳ھ سلاطین ہو "دبستان آتش" از ڈاکٹر شاہ عبدالسلام ص ۷۷-۱۲۶ مکتبہ
جامعہ لیبٹید جامعہ نگر نئی دہلی بار اول ۱۹۷۷ء۔ لیکن مادہ بری طرح مستح ہے یعنی:
حیدری مداح و فردوسی فردوس بریں۔ کہہ نہیں سکتے کہ "فردوسی" کے بجائے
فردوس (؟) کیوں اور کیسے ہوا؟ بہر حال ہم نے درست کرتے ہوئے مادہ لکھا ہے۔

ماحول پر قابو کس طرح حاصل کیا جائے؟

قسط ۲

جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی (لندن، پیرسٹرٹلا)

یاد رکھو کہ خارجی زندگی باطنی زندگی کا عکس ہے۔ ہماری باطنی زندگی یا انفس ایسا ہوگا ویسی ہی عکس ہمارے خارجی حالات ہوں گے ویسا ہی ہمارا "آفاق" ہوگا۔ آفاق تابع انفس ہے۔ آفاق میں تغیر انفس کے تغیر کا تابع ہے۔ اس صداقت کو قرآن حکیم نے ایک سے زیادہ جگہ واضح کیا ہے شک و شبہ سے نکالتے کے لئے ہم اس کا ذکر کر رہے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغَيِّرُ مَا بَعَثَ مِنْهُ حَتَّىٰ يَخِيرُوا
مَا بَا أَنْفُسِهِمْ (الزمر ۲۷)

و واقعی حق تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کر لے گا
تک وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدلتے۔
ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا
نِعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا
مَا بَا أَنْفُسِهِمْ (الانعام ۷۷)

یہ بات اسی سبب سے ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں بدلتی جب تک کہ وہی لوگ اپنے انفس کو نہیں بدل ڈالتے۔
خارج کا تغیر، ماحول کا بدلتا، حالات پر قابو پانا ہو تو باطن کا تغیر، انفس کا بدلتا ضروری ہے۔ اگر باطن میں کبھی ہو، انفس خام و ناشائستہ ہو، تو خارج میں کبھی، ناہمواری، عدم توافق یا دوسرے الفاظ میں درد و غم، قلت و اقلال، ضیق و پریشانی کا ہونا ضروری ہے۔
باطن یا انفس سے مراد ظاہر ہے کہ نفس اور اس کے صفات ہیں اور ان سے پیدا ہونے

ملنے اخل و اعمال میں۔ اب ماحول کی ناسازگاری، فسق و پریشانی، رنج و غم، غم و المیہ
تیمیدیں باطنی زندگی کا، یعنی رذائل اخلاق کا، اتباع ہولی کا، حرم و معصیت کا، بدکرداری
و گنہ گار بننے کے لئے وضاحت ان الفاظ میں کی ہے۔

وَمَا أَمَّا بَيْنَكُمْ مِنْ مَّعِينَةٍ فَذَلِكُمْ كَسَبَتْ
أَيْدِيكُمْ وَأَنْتُمْ كَاثِرُونَ (شوری ۵)
ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے ہے اور
بہت سے تو درگزر ہی کر دیتا ہے۔

اسی اصول کو کسی اور جگہ اور زیادہ واضح الفاظ میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔

أَوَلَمْ نَأْتِكُمْ مَّعِينَةً قَدْ أَصَبْتُمْ
مَثَلَهَا قُلْتُمْ أَلَيْ هَذَا؟ قُلْ هُوَ مِنْ
عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى شَيْءٍ قَدِيرٌ
دب ۴۷
سے پہنچی۔۔۔۔۔

صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصول کی تفسیر میں فرمایا :

انما هي اعمالكم ترد عليكم
دوسری جگہ یوں فرمایا :

إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ
فَعَلَهَا خَيْرًا فَمِنْ اللَّهِ وَمَنْ جَدَّ
غَيْرَهَا فَلَا يَمُنُ إِلَّا نَفْسُهُ۔

یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے جن کو میں محفوظ رکھتا
ہوں (تمہارے نامہ اعمال میں لکھوا جاتا ہوں) کو ان
کا پورا پورا بدلہ تم کو ملے گا اگر تم میں سے کوئی خیر نے
تو اللہ کا شکر کرے اور اگر اس کے خلاف پائے
تو مولے اپنے نفس کے کسی پر ملامت نہ کرے
اس اصول کی وضاحت میں صوفیہ کرام نے جو مثال استعمال کی ہے وہ نہایت صحیح اور

صاف ہے وہ شخص اس کے سایہ سے اس اصول کو سمجھاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ظل یا سایہ شخص کے تابع ہوتا ہے۔ اگر کوئی شیئی ٹیڑھی ہو تو اس کا سایہ بھی ٹیڑھا ہوگا اور اگر سیدھی تو سایہ بھی سیدھا ہوگا۔ انفس شخص کے مانند ہے اور ماحول اس کا سایہ ہے، یا صفات و اعمال شخص کی مثال ہے، حالات و واقعات ان کا عکس عکسایہ ہیں۔ شیخ ابو انبیا اپنے احباب سے کہا کرتے تھے۔

”اعلموا ان جميع الوجود يقابلکم بحسب
یعنی ”جان لو کہ جو اعمال تم سے سرزد ہوتے ہیں
ما بینہ منکم من الامال، فانظروا کیف
ولیہ، ہی تمہارا ساتھ معاملہ کیا جا رہا ہے“ اسی
تکونون، فان الظل تابع الشاخص فی
لے ذرا اپنا اعمال پر نظر رکھنا کیونکہ ظل یا سایہ
العرج والا مستقامة۔“
شخص کے تابع ہوتا ہے کبھی راستی ہر دو میں“

اس صداقت پر امام شعرانی کو اتنا یقین تھا کہ اگر اپنے دوستوں یا بیوی یا نوکروں سے
بجوروسی یا نشوز و گریز اپنے معاملہ میں پاتے تو ذمہ دار اپنی ذات کو ٹھہرتے اور اپنے ہی ملامت
کرتے۔ ان کا قول مشہور ہے

ان الوجود یبطل علی صورۃ عاملت بہ
یعنی ”لوگ میرے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتے
فاقدم علی لا علیہم فی الاصل لانہم
ہیں جیسا کہ میں انکے ساتھ کرتا ہوں، پس
تکفل الشاخص علی حد صواب فان کان
سلامت میرے ہی ذات پر ہے نہ کہ انکی ذات
الشاخص مستقیما فالظل مستقیم او
پر کیونکہ انکی مثال کسی شیئی کے سایہ کے مانند
اعوج فالظل اعوج ومن طلب الاستقامة
ہے اگر شیئی سیدھی ہے تو سایہ بھی سیدھا ہے اور اگر
الظل مع عوج الشاخص فقد رام البطل۔
شیئی ٹیڑھی ہے تو سایہ بھی ٹیڑھا جس شخص نے
اس بات کی توجیح کی کہ ٹیڑھی شیئی کا سایہ سیدھا ہوگا
تو اس نے محال کی تمنا کی۔

قرآن عظیم نے کُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَجُمَتْہِ اور کُلِّ اَصْحٰبٍ بِمَا كَسَبَ رَہِیْتُ اور لَعَنَہَا

کَسِبَتْ وَعَلَيْهَا مَا كَسَبَتْ اور مَنْ عَمِلَ مَالًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَلِنَفْسِهِ
 کہ اگر اس صداقت کی توضیح کی ہے۔ اس اصول کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا یہ وہی اصول ہے
 جس کو امرِ مبتلائی نے عاشقوں کی زبان میں اس طرح ادا کیا ہے۔

یہ رونا بے وفائی کا شکوہ کچھ ادائی کا
 منظر ہے دل لگنے کی، مزہ ہے آشنا کی

فلسفۂ اخلاق کی زبان میں اسکو یوں بیان کرتے ہیں: الناس مجزئون بامالهم ان
 خیراً فخیسروا ان شرا فخر، لوگوں کو اعمال کی جزا ملتی ہے اگر اعمال اچھے ہوں تو ان کی جزا
 بھی اچھی ہوتی ہے، اور اگر اعمال بد ہوں تو ویسی ہی ان کی جزا ہوتی ہے!
 بنیادی اصول کو سمجھ لینے کے بعد اب ماحول یا واقعاتِ زندگی کے سلسلہ میں تمہیں چند
 باتیں سمجھنی ضروری ہیں۔

اوپر بیان کئے ہوئے اصول پر فوراً کرنے سے تمہیں یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے
 کہ زمین و آسمان کی پیدائش کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے اور
 قرآنِ کریم نے صاف الفاظ میں اس کی وضاحت کر دی ہے:
 خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَتَبَعُوهَا
 كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔
 پیدایا گیا تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا
 جائے اور ان پر ذرا ظلم نہ کیا جائے۔ (الباقیہ ۲)

یاد رکھو کہ زندگی کا مقصد طفل شیر خوار کی طرح ہماری دایہ گری کہتا نہیں! یہ فراموش و
 واجبات کا بار ہمارے کاموں پر رکھتی ہے تاکہ ان کی ادائی میں ہم زیادہ سے زیادہ قوی
 ہوتے جائیں، ہمارے اخلاقی اعصاب و عضلات طاقتور ہوں اور ہم انسانِ کامل بننے
 جائیں اور اس سرورِ مستی سے بہرہ یاب ہوں جو کاملین کے لئے مقدر کی گئی ہے!
 (جاری)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سرپرست اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی

عالمگیر حکیم عبدالحمید صاحب چانسر جامعہ محمد رفیع دہلی و علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مجلس ادارہ اعزازی

سید افتخار حسین
اکثر معین الدین بھائی
محمود سعید بلالی
ڈاکٹر یونس قاسمی



نگران اعلیٰ

معروف مولانا حکیم محمد زماں مسیحی

شمارہ: ۳

اکتوبر ۱۹۹۸ء

جلد: ۱۲۳

اس کی تاریخ

شمارے

اس

* نظرات عمید الرحمن عثمانی — ۲
* قطعات و قواف شعرائے اردو (قسط نمبر ۲)

* ماحول پر قابو کس طرح حاصل کیا جائے؟ (قسط نمبر ۳)
عبدالرشوف خاں ایم، اے بیسٹری، اودشی کلاس (راج) — ۵

* جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے پی، ایچ ڈی — ۱۶
(لندن، بیرسٹرا ریت لا)

* شطرنج کی اصل — ڈاکٹر مقصود احمد شہید علی بڑودہ یونیورسٹی — ۲۸

* وفيات — ۳۰

جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

منیجر ماہنامہ برہان

4136 - اردو بازار جامع مسجد دہلی - 110006 * فون نمبر 3262815

زیر تعاون

فی چھپو ۶ روپے

سالانہ ۷۲ روپے

کمپیوٹر کتابت

CREATIVE VISION

محمد الرحمن عثمانی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے خواجہ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

نظرات

اُف یہ مہنگائی، نہیں نہیں یہ مہنگائی نہیں اسے مہنگائی نہیں کہتے ہیں۔ مہنگائی تو اسے کہتے سہی چیز کی قیمت ایک روپیہ سے بڑھ کر سواروپیہ ہو جائے یا حد پے ڈیڑھ روپے ہو جائے۔
 الناس کے لئے اشیائے خورد و نوش کی کوئی چیز ایک روپیہ سے ایک دم بڑھ کر سواروپیہ ہو جائے
 غریب عوام پر مہنگائی کی مار ہی سے قبیر کیا جائے گا اور اس پر عوام کا رونا بلکنا اپنی جگہ جائز
 بنتا ہے۔ لیکن جب اشیائے خورد و نوش کی کوئی چیز مثلاً دال ارہڑا، روپے فی کلو بازار میں بکتے
 ایک دم چالیس بیالیس اور پینتالیس روپے ہو جائے تو اسے ہم کیا کہیں گے۔ اسے مہنگائی کہنا مہنگائی
 نہیں ہے۔ اس طرح تو کبھی بھی مہنگائی ہوتی سنی نہیں گئی اسے تو ہم بلا مبالغہ ٹوٹ کا نام ہی دیں گے
 مہنگائی نہیں بلکہ ٹوٹ ہے اور اس ٹوٹ کو عوام بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور دل و
 سے برداشت بھی کر رہے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ حکومت بھی دیکھ رہی ہے مگر اس پر
 رمت کے کانوں میں جوں تک نہیں رینگتی ہے۔ بھلا بتائیے تو سہی یہ حد نہیں تو اور کیا ہے کہ پیاز
 مولیٰ قیمت کی چیز بھی آج گراں قدر بن گئی ہے اور عجیب نہیں مہنگائی نہیں بلکہ ٹوٹ کا یہ ہی حال
 غریب عوام کی پہنچ سے پیاز دور ہو جائے گی اور یہ خواص کے محلوں کے یہاں کی قیمتی جنس
 بنے گی۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی جو ابھی کل تک ابوزیشن میں بیٹھ کر مہنگائی
 روتی تھی مہنگائی پر بازار بند کر دیا کرتی تھی مہنگائی پر شور شرابہ کر کے حکومت کے اہواؤں
 لئے پیدا کرتی تھی آج اس کی حکومت کے سائے میں معمولی چیزوں کی قیمتیں آسمان چورہی
 سے عوام الناس کا بہت بُرا حال ہو گیا ہے ایک لفظ میں اس کو بیان کریں تو یہ کہنا مناسب

اگر اشیائے ضروریہ کی چیزوں کی آسمان چھوٹی قیمتوں نے غریب عوام کا کچھ مزہ ہی نکال دیا ہے
 یا نہ ہوگا۔ اٹا دال چاول سب مہنگے بہت مہنگے عوام کی پہنچ سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اور
 یہ ستراد موسمی سبز لوہ کی کیا بی بلکہ نایابی نے رہی سہی کسر بھی نہیں چھوڑی ہے۔ پیاز کے بعد
 کی آسمان چھوٹی قیمت گو بھی پالک مٹی ٹماٹر جب بازار میں خریدنے کوئی نکلتا ہے تو وہ ان کی
 مت پوچھ کر اور اپنی جیب ٹٹول کر مایوس واپس گھر آکر رونے لگتا ہے۔ کیا یہ ہی بھارتیہ
 ماہاری ٹی کا حکومتی نظام چلانے کا طریقہ ہے جس میں غریب عوام کی کوئی پوچھ ہی نہیں ہے۔
 ان اشیائے خورد و نوش کی قلت بلکہ قحط نے عوام کا دم نکال دیا ہے وہاں خوردنی تیل میں
 وٹ سرسوں کے تیل میں ایسے اجزاء کی شمولیت جس سے عوام میں بیماری پھیلی اور اس کے بعد
 سے ان تیلوں کا فقدان اور پھر جب بازار میں یہ آیا تو ۳۸ روپے فی کیلو تیل سے بڑھ کر ایک دم
 روپے تک اس کی قیمت کا پہنچ جانا محیر العقول نہیں تو اور کیسا ہے؟ ہائے یہ مہنگائی نہیں بلکہ یہ
 ہے جسے دیکھ کر بے کہنے میں نہیں کوئی حجاب نہیں ہے کہ بیوپاری طبقہ اس موقع کی تلاش میں
 کہ عوام اناس کی جیسے آن کی آن میں خالی کرائی جائیں؟

ہم سمجھتے ہیں کہ اگر اشیائے خورد و نوش کی آسمان چھوٹی قیمتوں کا یہ ہی حال رہا تو وہ دن
 نہیں جب عوام کا جینا ہی دو بھر ہو جائے گا۔

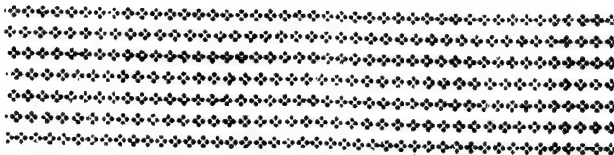
عوام اناس جہاں اشیائے خورد و نوش کی قلت و قحط سے دوچار ہیں وہیں لائینڈ آرڈر کا
 لہ بھی ان کے لئے وبال جان بنا ہوا ہے۔ چوریاں ڈکیتیاں اور قتل کی خبریں روزانہ اخبارات
 اکثریت سے پڑھنے کو مل رہی ہیں۔ ہر شخص پریشان ہے کہ ہندوستان جسے جنت نشان کہا
 ہے وہاں کب تک یہ دل دہلا دینے والی خبریں سننے کو ملتی رہیں گی۔ یہ تو دیک کی طرح ملک کو
 نے وال ہیں۔ جو بھی اس کا ذمہ دار ہے وہ بلاشبہ ملک و قوم کا غدار ہے اور ملک و قوم کے
 اروں کو کبھی معاف نہیں کیا جاسکتا ہے۔ گذشتہ دنوں دہلی کے عوام کو طرح طرح کی مشکلات کا
 سامنا کرنا پڑا ہے۔ بسوں کی ہڑتال، پانی بجلی کی قلت اور تکلیف دہ حد تک ان کی کمیابی نے
 م اناس کا بُرا حال کر دیا ہے ہمارے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جن سے ہم ان واقعات و حالات
 عوام اناس کو پہنچی ان تکالیف کی مذمت کر سکیں۔ آخر کب تک یہ حالات قائم رہیں گے حکومت

سے کوئی اپیل گزارش یا درخواست کرنا کہ وہ ان سب تکالیف و مشکلات کا تدارک کرے۔
تو جہ ان کو حل کرنے کی طرف مرکوز کرے، ہم بے سود ہی سمجھتے ہیں، حکومت کے پاس ذرائع لا
ہیں اس لئے یقیناً وہ ان سب حالات و تکالیف سے آگاہ ہوگی ہی۔ اس کے باوجود بھی جوں کا
حالت میں کوئی سدھار نہ ہو تو اب مالک حقیقی پروردگارِ عالی ہی سے دعا ہے کہ عوام اننا
یا اللہ اس مہنگائی و لوٹ سے نجات عطا فرما اشیائے خورد و نوش کی قلت و کمیابی اور
خاتمہ ہو آمین ثم آمین !

دہلی، راجستھان، مدھیہ پردیش میں صوبائی اسمبلی کے الیکشن کی آمد ہے۔ الیکشن کی
طرف سے نوٹیفکیشن جاری ہو چکا ہے۔ اس انتخاب کے نتائج بڑی اہمیت کے حامل ہوں گے
کی مارنے عوام کا بُرا حال بنا دیا ہے۔ عوام کس پارٹی کو منتخب کرتے ہیں یہ دیکھنے کی بات ہوگی۔
جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی دہلی اور راجستھان میں حکمران جماعت ہے اگر الیکشن کے بعد بھی ان
میں بھارتیہ جنتا پارٹی اقتدار میں رہتی ہے تو اس کا مطلب ہوگا کہ مہنگائی کے باوجود عوام یہ
جنتا پارٹی کو اقتدار میں بنے دیکھتے رہنا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر ان صوبوں میں بھارتیہ جنتا پارٹی
خلاف عوام ووٹ دیتے ہیں اور اقتدار سے بے دخل کرتے ہیں تو اس کا صاف مطلب ہوگا کہ
جنتا پارٹی سے عوام الناس عاجز آچکے ہیں اور وہ اسے اقتدار کی کبھی دینے کی دوبارہ غلطی نہ
تیار نہیں ہیں ایسی صورت میں ہمارے خیال میں اس الیکشن کا دور رس اثر ہوگا مرکزی حکومت
اس کی آنچ آگے بغیر نہ رہے گی۔ کانگریس اور اس کی حلیف پارٹیاں ہمت و حوصلہ کے ساتھ
میں کودیں گی اور وہ مرکزی حکومت کے لئے مشکل کھڑی کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑیں گی دونوں
پارٹیاں، سماج وادی پارٹی اور لالو پرشاد کی راشٹریہ جنتا دل لنگر لنگوٹ کس کمر مرکزی حکم
خلاف وادیا کرنا شروع کریں گے۔ جس سے مستقبل کے حالات کے بار میں تشویش ہے کہ
حالات کیا کروٹ لے لیں۔ خدا تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ جو بھی حالات بنیں وہ ملک و تو
ہی کے لئے ہوں۔ ملک میں امن و امان ہو اور اس میں رہنے والے تمام باشندوں کو راحت
اور امن نصیب ہو۔ یہ ہی تمنا و خواہش اور آرزو ملک و قوم کے ہر ہی خواہ کی ہے۔

بھارت اور پاکستان کے وزرائے اعظم کی ملاقات کے بعد اسلام آباد میں ہندوستان اور پاکستان کے نمائندوں کی خوشگوار ماحول میں بات چیت سے ہندوستان کے ہر باشندہ کو خوشی ہے بیشک یہ بات چیت کسی نتیجہ پر نہ پہنچی ہے مگر اس بات نے آگے بات چیت کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ دونوں ملکوں کے نمائندے ہر امید ہیں کہ آپس میں تعلقات بحال ہو جائیں گے۔

وزیر اعظم ہندوستان جناب اٹل بھاری باجپئی کی یہ بات بڑی ہی اہم اور قابلِ توجہ ہے کہ انہوں نے پاکستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات کی اہمیت بتاتے ہوئے یہ بات زور دے کر کہی کہ پاکستان ہمارا پڑوسی ملک ہے اور ہمیں پاکستان سے تعلقات اچھے اور خوشگوار اس لئے بھی بنانے ہیں کہ بڑے دسی کبھی الگ نہیں ہوتا ہے دوست بچھڑ سکتا ہے لیکن پڑوسی تو ساتھ ہی رہتا ہے اور پڑوسی کبھی نہیں الگ ہو سکتا ہے۔ وزیر اعظم اٹل بھاری باجپئی کی اس بات نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ہندوستان دل سے پاکستان سے اچھے خوشگوار بھائی چارگی کے تعلقات قائم کرنا چاہتا ہے بد قسمتی سے پاکستان کے حکمران یہ بات ابھی تک اپنے دل و دماغ میں نہیں بٹھا سکے ہیں کہ ان کے لئے پڑوسی ملک ہندوستان سے دوستی بھائی چارگی کتنی ضروری اور فائدہ مند ہے اور جس دن پاکستان کے حکمران طبقہ نے ہندوستان جیسے پڑوسی ملک سے بھائی چارگی کے تعلقات کی اہمیت کا احساس دل و دماغ میں بٹھالیا اسی دن ہندوستان اور پاکستان میں آپس میں بھائی چارگی کے تعلقات قائم ہونے میں ایک منٹ کی بھی دیر نہیں لگے گی، اور اس طرح دونوں ملک کی ترقی و فلاح بہبود کی کو دنیا عظیم الشان نظر یہ سے دیکھے گی انشاء اللہ!



قطعات وفات شعرائے اردو قسط نمبر ۲

عبدالرؤف خاں - اودنی کلاں (راج) ۳۲۲۲۰۱

حکیم مومن خاں مومن :- مومن ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۰ء) میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام حکیم غلام نبی خاں تھا۔ گھر والوں نے ان کا نام حبیب اللہ تجویز کیا لیکن رئیس المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے محمد مومن خاں نام رکھا اور اسی نام سے شہرت پائی اور تخلص بھی اسی اعتبار سے اختیار کیا۔ مومن نے ہمگیر طبیعت پائی تھی چنانچہ مختلف علوم و فنون میں کامل دست گاہ حاصل تھی۔ ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۱ء) میں اپنے کوٹھے سے گرے۔ گرتے ہی ہاتھ اور بازو کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ خود ہی تاریخ کہی۔

”دست و بازو بشکست“ ۱۲۶۸ھ

بہت علاج کرایا مگر کارگر نہ ہو سکا۔ زانچہ دیکھ کر ہتھاکہ پانچ ماہ سے زیادہ زندہ نہ رہ سکوں گا۔ چنانچہ مذکورہ مادہ ہی وفات کی تاریخ بھی ہوئی۔ اور آسانی شاعری کا یہ روشن و درخشاں ستارہ ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء کو ڈوب گیا۔ کسی شاگرد نے مادہ مذکورہ کو تقیین کیا۔

مومن فتاد از بام گفتم چہ رفت گفتا
خود با خردش گفتم بشکست دست و بازو
گفتم کہ بایرت گفت تاریخ میں مصیبت
گفتا خموش گفتم ”بشکست دست و بازو“ ۱۲۶۸ھ

لے الواح الضادید ۲۰۶/ مولفہ عطاء الرحمن نامی شاہ ولی اللہ اکیڈمی، نئی دہلی ۱۹۸۹ء

مرزا قادر بخش صابر جو موسن سے تعلق خاطر رکھتے تھے اپنی فکر و ساسے یہ تاریخ حاصل کی:

برہلپ کو شرو تسنیم برقت تشذ جامِ محبت موسن

گفت تاریخ و فاش صابر

”یافت مقبولی جنت موسن“ ۱۲۶۸ھ

احمد ہیا پر شاہ صبر نے ”ماتم موسن خاں“ (۱۲۶۸ھ) اور محمد شارب علی صدق نے

”موسن آباد کرد خلد بریں“ (۱۲۶۸ھ) مادے برآمد کئے جو نہایت بہترین ہیں۔

قربان علی بیگ سالک نے عارف و تسکین و موسن کی وفات پر صنعتِ فتح میں اتفاقی قطعہ کہا:-

برس دن میں مرے یہ تین شاعر کہ جو نئے حضرت دہلی کے ساکن

نہ ہاتھ آئی کوئی تاریخِ رحلت رہی فکر اس کی سالک کو بہت دن

کہا دل نے کہ داخل ہو گئے سب

”ارم میں عارف و تسکین و موسن“ ۱۲۶۸ھ

یعنی ”ارم + عارف + تسکین + موسن“ (۱۲۶۸ھ) حرفِ ربط ”میں“ اور واوِ عاطفہ شامل

مادہ نہیں ہیں۔ بعد الغفور نساخ کے قطعہ کا تاریخی بیت ہے:-

نساخ فکر سالِ تاریخ میں نہ رہ تو کہہ ”ہائے ہائے موسن کیا خوب آدمی تھا“ ۱۲۶۸ھ

۲۳ گستانِ سخن از مرزا قادر بخش صابر ص ۴۳۹ اثر پر دیش اردو اکادمی، لکھنؤ ۱۹۸۲ء

۲ بروقت حوالہ نوٹ نہ کر سکنے کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

۳ تاریخ لطیف ص ۵۵۔ یعنی زین العابدین خاں عارف اور میر حسین تسکین۔

شیخ محمد ابراہیم ذوق: ذوق ۳۰-۳۱ھ یا ۳۰-۳۱ھ میں کابل دروازے قدیم دہلی میں
 جوئے والد کا نام شیخ محمد رمضان تھا۔ شاعری میں شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ لیکن بعد میں
 محمد العزیز محدث دہلوی کی مجلسوں میں بیٹھنے لگے۔ آگے چل کر بہادر شاہ ظفر بادشاہ دہلی کے
 ہوئے۔ خاقانی ہند خطاب تھا۔ یہ طوطی ہند ۲۳ ماہ صفر ۱۲۷۱ھ / ۱۵ اکتوبر ۱۸۵۳ء میں آئے
 فرما گئے۔ مرتے دم درج ذیل شعر در زبان تھا:

کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گزر گیا کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے
 بہادر شاہ ظفر نے تاریخ کہی:

طوطی ہند حضرت استاد ذوق نے لی گلشن جہاں سے جو باغ جناب کی راہ

سال وفات جو کوئی پوچھے تو اے ظفر
 کہہ ذوق جنتی ز سبز بخشش اللہ ۱۲۷۱ھ

ظفر نے مصرع مادہ ہی میں دو عدد کا نہایت ہنرمندی سے بہترین تذکرہ کیا ہے جو اردو
 بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے۔ دوسرا قطعہ فارسی زبان میں کیا، جس میں روز و ماہ کی اطلاع بھی
 گئی ہے:-

شب چار شنبہ بہ ماہ صفر بحکم خداوندی جاں داد ذوق

ظفر رے اردو بہ ناخن ز غم

فرار شد و فرمود "استاذ ذوق" ۱۲۷۲-۱۲۷۱ھ

مصرع اولیٰ میں ایک عدد کا تخریج ہے جسے سمجھنا دشوار نہیں۔

منشی اسماعیل حسین منیر شکوہ آبادی نے اس خاقانی ہند کی رحلت پر درج ذیل قطعہ بنا

۱۷ واقعات دار الحکومت دہلی ۲: ۵۴۳

۱۸ گلستانِ سخن ص ۲۲۱ تا ۲۳۱-

کہہ کر اپنا نذرانہ پیش کیا :-

رحلتِ ذوقِ سخنِ پیرا سے ہے بلند آہ و فغاں دہلی میں
واقعہ شاعرِ خوش گو سجادہ روئے میں پیرو جواں دہلی میں

نظم کی میں نے یہ تاریخِ منیر

”نرنا ذوقِ زباں دہلی میں“ ۱۲۷۱ھ

مادہ سالم الاعداد اور ذومعنی ہونے کے سبب بہت پر لطف ہو گیا ہے ۔

ڈپٹی بعد الغفور نساج نے، جنہیں تاریخ گوئی میں ہارت نامہ حاصل تھی، یہ تاریخ کہی :-
کی قضا ذوق نے افسوس ہے ہے مرگ کا اوسکے جہاں کو غم بجا ہے

سال کا نساج نے مصرع یہ لکھا

”انتقالِ شاعرِ کامل ہوا ہے“ ۱۲۷۱ھ

مولوی عبد الکریم سوز آہن صہبائی نے ذوق کی رحلت پر تاریخی عنوان ”واقعہ تعب خیز“
(۱۳۷۱ء) کے تحت ۲۳۹ اشعار پر مشتمل ایک طویل مرثیہ لکھا جس میں اکتالیس تاریخیں ہیں ان
میں سے صرف چند پیش ہیں :-

صدم نکلا میں اپنے گھر سے با آہ و فغاں ذوق کے مرنے کا جب مشہور افسانہ ہوا
آج وہ دن ہے کہ ہر جانا ہائے زار سے حشر سے پہلے ہی اب اک حشر ہے برپا ہوا

جب گیا اس جا سے وہ پیشِ خدائے لایزال اوس نے فرمایا ”یہ ہے کانِ ہنرمند ہوا“ ۱۳۷۱ھ
تا تھ مل کر یہ کہتا تھا فرشتہ موت کا ”جان تولی اس کی اجل نے اور میں رکوا ہوا“ ۱۳۷۱ھ

۵ ماہنامہ نیا دور لکھنؤ جولائی ۱۹۹۲ء ص ۳-۳۳

۱۷ سخن شعرا از نساج ص ۱۶۶، اثر پرورش اردو اکاڈمی لکھنؤ ۱۹۸۲ء

اور اجل کہتی تھی حسرت سے یہ شرابی ہوئی "مجھے ایسا آدمی افسوس کیوں کشتا ہوا" ۱۲۷۱
 زور گرتا زنج میں اوسکے ہونے یوں آشنا "مرگئے سب دوست گویا اوسکا مر گیا ہوا" ۱۲۷۱
 کھو کھرا ٹکھیں کہا زنگس نے ہر سودیکہ کر "جیف گویا نوچشم آنکھوں سے پوشیدا ہوا" ۱۲۷۱
 ہاتھ میمانہ بولا جب سنایہ ماجبرا "آہ میمانہ پڑا ہے اوسکے بن اجڑا ہوا" ۱۲۷۱
 اوسکے شاگردوں پہ جب یہ ماجرا ظاہر ہوا شعریہ تاریخ میں سب کی زباں سے واہو

"کون فرمائے گا ہم پر مہربانی اس طرح" ۱۲۷۱

"تھا عجیب استاد وہ کیا رونا پیدا ہوا" ۱۲۷۱

ذوق کی وفات پر دو قطعات غالب نے کہے جنہیں اُن کے دیوانِ فارسی میں دیکھا جاسکتا ہے
 وحشت :- مولانا حافظ رشید النبی، تخلص وحشت فاروقی مجددی لاپور میں پیدا ہوئے
 مسکن کلکتہ، ہنگلی میں، دارالافتاء کے عہدہ جلیلہ پر فائز تھے۔ عربی، فارسی و اردو تینوں زبانوں
 میں شعر کہتے تھے۔ ۱۲۷۳ھ میں عین عالم شباب میں رحلت کی۔ مولوی عبدالغفور نساخ
 نے جو کہ مولانا نے مرحوم کے شاگرد تھے۔ تاریخیں موزوں کیں :-

مرگئے جیف حضرت وحشت	یا خدا ہوں وہ داخل جنت
گوہر درج علم و فضل تھے وہ	نیر بروج علم و فضل تھے وہ
عالم باعلیٰ تھے اور کامل	علم میں بے بدل بڑے فاضل
قاضی شرع حافظ قرآن	تھے وہ بے شبہ صاحب عرفاں
جبکہ استاد کا وصال ہوا	مجھ کو تاریخ کا خیال ہوا

یہ ندادی سروش نے ناگاہ

مرگئے آہ ایسے فاضل آہ " ۱۲۷۳ھ

نہ گلستانِ سخن ص ۲۲۱ تا ۲۳۱ لے سخنِ شعراء ص ۵۴

مذکورہ قطعہ سے مولانا کے سوانح و سیرت پر بھی وافر معلومات ملتی ہیں۔ باقی دو قطعے ”سجن شعرا“ میں ترجمہ وحشت کے تحت ملاحظہ ہوں۔

قبول :- مرزا اہدی علی خاں لکھنوی المتخلص بہ قبول، خطاب مقبول الدولہ مصاحب واجد علی شاہ بادشاہ اودھ (لکھنؤ) واجد علی شاہ کے ساتھ کلکتہ گئے تھے واپس آکر ۱۲۷۶ھ میں لکھنؤ میں فوت ہوئے۔ نسخا نے تاریخ بھی :-

مرزا اہدی علی خاں مر گئے افسوس دوستوں کو کر گئے مغموم و محزون و ملول
معرب تاریخ نسخا حزیں نے یہ کہا ”وای ہے ہے مر گیا مہدی علی خاں قبول“ ۱۲۷۶ھ
ہلال :- امیر علی خاں نام، ہلال تخلص، باشندہ لکھنؤ، شاگرد رشک۔ ۱۲۷۸ھ میں وفات پائی۔ مندرجہ ذیل شعران ہی کا ہے :-

محر دنیا میں ہیں یکساں مجھے موج و ساحل آشناؤں میں محبت ہے نہ بیگانوں میں
شاہ غلام جید رصیف لکھنوی نے صنعت مراتب و سروپا میں ندرت کے ساتھ تاریخ بھی جو فارسی میں ہے :-

افسوس ہلال از میں جہاں رفت	دل در غم او پرا اضطراب است
شیریں سخن بشاعران بود	دیوان کہ از دست خوش تما با است
جستیم چو اے صغیر - مارتخ	دل گفت حیات چوں حباب است
بنویس در حرف از سروپا	باقی ز حباب غرق آب است
اعداد حروف چوں نوشتم	یک یک کم شد پس حساب است

۱۲ حوالہ ماقبل ص ۳۸۲

۱۳ تاریخ لطیف ص ۶۰

یعنی افسوس کہ ہلالِ ماسی جہاں سے چلا گیا، اس کے غم میں دلی پیر اضطراب ہو گیا ہے۔ وہ عموماً میں شیریں سخن تھا اور اس کا دیوان عمدہ دیوان ہے۔ اے صغیر میں نے جب اسی کی حلیت تاریخ نگار کی تلاش کی تو دل نے کہا کہ حلیتِ حباب کی مانند ہے (تو اس کے نام امیر علی کے سر دیا اور اسے خود دو طرف لکھ (یعنی امیر "ازبک علی" "ع" ی) اور باقی کو حباب کی مثل غرق بنا کر دے۔ اب اُن (سر دیا) حلق کو جب میں نے (الف، مات اور عشرات کے مرتبہ پر لکھا) رکھ کر ان کے حباب میں سے ایک ایک یعنی دو عدد کم کر دیئے تو مطلوبہ سال حاصل ہو گیا۔

بہل ملاحظہ فرمائیں:-

الف بمعنی ہزار چنانچہ $۱۰ + ۱۰ + ۱۰ + ۱۰ + ۱۰ = ۵۰$ نیز مصرعہ آخر کی رؤسے دو عدد کے معادل کا واضح قرینہ موجود ہے اس لئے $۱۲۸۰ + ۱۲۷۸ = ۲۵۵۸$ ۔ مادہ میں اکائی کے درجہ میں بی حرف نہیں ہے۔

غالب کی تاریخجائے وفات ۱۲۸۵ھ پر ہم ایک علاحدہ مضمون سپردِ قلم کر چکے ہیں بہر حال ان زو مادہ وفات ہے: "آہ غالب ممد" ۱۲۸۵ھ

سرور:- فائزہ عبا تب کے مصنف مرزا رجب علی بیگ سرور کی شخصیت سے اردو دنیا ناگوار ہے جو واقف نہیں۔ وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور رام نگر دہلی میں انتقال کیا۔ سن جس طرح ان کا سال ولادت قیاساً ۱۲۸۰ھ بتلایا جاتا ہے، اسی طرح ان کی رحلت کے سنہ کا بھی اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی کے قطع کے مادہ: "ہائے مدالم و رفت سرور" سے ۱۲۸۴ھ ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن "آمد" میں الف ممدودہ کے دو عدد رکھیں تو ۱۲۸۵ھ۔ ڈاکٹر نیر مسعود کا کہنا ہے کہ "سرور نے محرم ۱۲۸۶ھ میں ۱۳ اپریل اور ۱۳۹۹ء کے درمیان کسی تاریخ کو انتقال کیا، چنانچہ سید محمد علی جوہی کا قطعہ ذیلے ش ہے:

رجب علی بیگ سرور ص ۲۰۰۔

حکم کو فسانہ گوئی کا انداز یاد تھا وہ آج سب کے پاس سے دور آج چل دیا

آخر سناربان سے پاتھ کی بہر سال ۵

”افسوس غمگدہ سے سرور آج چل دیا ۱۸۶۳ = ۱۸۶۹ء

جھمکے نے ایک دوسرے قطعے کے مادہ: ”گزہزم جہاں سرور رفتہ“ سے بھی ۱۲۸۶ (۱۸۶۹ء)

ہی برآمد کیا ہے۔ لیکن ڈاکٹر حنیف نقوی اور رشید حسن خان صاحب سرور کا سال وفات

ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ احسان علی خاں کے نثری فقرہ (مادہ) ”نوت میرزا سرور

حزین“ سے ۱۲۸۵ھ شاہ غلام علی عظیم آبادی کے قطعہ کے مادہ: ”برودہ سرور زدل و جام سو“

(۱۲۸۵ء) سے ظاہر ہے بہر کیف یہیں صرف قطعہ لکھنا تھا، یہاں درست سال وفات سے کوئی سروکار

نہیں۔ جو یا نہ ممکن ہے چند یوم کے تفاوت سے قطعات لکھے ہوں۔

مگر تم:۔ محمد مظفر خان گرم راہپوریں پیدا ہوئے۔ ذوق سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ اور عمر

میں جے پور چلے آئے تھے۔ وہاں ساٹھ برس کی عمر میں ۱۰ جمادی الآخرہ ۱۲۸۵ھ میں انتقال ہوا اور

جے پور ہی میں دفن ہوئے۔ سید محمد علی جو یا بھی اُس زمانہ میں جے پور ہی میں تھے یعنی ۱۸۶۲ء

میں جے پور آئے تھے مگر گرم کی وفات کے مادہ ۱۲۸۶ھ کے برآمد کیے ہیں:۔

کیا جنت کو جب وہ شاعر افسوس کہوں کیا غم ہوا عالم کو از حد

کہا پاتھ نے بہر سال جو یا

ہو بے جان مظفر خان احمد ۱۸۷۰ء

۲۶ ایضاً ص

۲۸ خیابان تاریخ ص

۲۷ رجب علی بیگ سرور چند تحقیقی مباحث از ڈاکٹر حنیف نقوی ص ۲۱ بحوالہ تاریخ بنارس ۱۳: ۲۷۱

۲۸ دیکھئے تذکرہ کا ملان راہپور مولفہ حافظ احمد علی خاں

۲۹ کسب تواریخ ص ۳۲

شوق (۱۹۳۳ء) ص ۳۹۳ مضامین اور نیشنل پبلک لائبریری پٹنہ ۱۹۸۶ء نیز انتخاب یادگار از امیر

مہنتی ص ۱۹-۳۱۸، ناشر اتر پردیش اردو اکاڈمی، لکھنؤ ۸۲-۱۹ء۔

مادہ "منظر خان احمد" ہے جس کی کل قیمت ۱۹۲۳ ہوتی ہے اس میں سے "بے جان" کہتے جوئے "جان کے (۵۳) عدد خارج کمر کے مطلوبہ پسند ۱۸۷۰ حاصل کیا ہے۔ دوسرا قطعہ ہے۔

محرم کو پٹیا فلک نے قدر سے "کہہ زبان سے اپنی جوئے سال فوت ۱۲۸۶

حافظ شیراز کا ارشاد ہے
"سخن باید کرامت خالی موت" ۱۲۸۶

مصرعہ اول بھی تاریخی ہے جس کے کل عدد ۱۲۸۳ ہوتے ہیں۔ ان میں "جوئے" کی جیم کے تین عدد شامل کر کے ۱۲۸۶ حاصل کیا۔

شیفۃ :- لوہ مصطفیٰ خاں دہلوی رئیس جہانگیر آباد ۱۸۰۶ء/۱۲۲۱ھ میں مدہائیں پیدا ہوئے اردو فارسی میں حشرتی اور اردو میں شیفۃ تخلص تھا ۱۸۶۹ء/۱۲۸۶ھ میں وفات پائی کسی نے ضعیف بے سرو پائی نہایت عمدہ قطعہ وفات کہا :-

چورفت از جہاں مصطفیٰ خاں امیر
خداوند تقویٰ خداوند زہد فقیر آشنا سالک راہ شرع

شہزاد فوت آل بے سرو پائیا
وفا و کرم، بذل و تقویٰ، ورع ۱۲۸۶ھ

منی ف + ر + ذ + ق + و + ر = ۱۲۸۶ھ۔ دوسری تاریخ سب سے پہلے ہو کر یوں سے بے نیاز ہے۔

چوں رئیس ابن رئیس نامدار
حالی تاریخ و فاش فی البیہیمہ
گمرو رحلت زیں جہان بے بقا
ملہم غیبی بمن کردہ عطا

۱۔ خیابان تاریخ ص ۱۸ و ۸۲۔

۲۔ واقعات دار الحکومت دہلی ۲: ۳۳۴۔

کنز سرزاری ببايد گفت ايس

”رحمت حق بر محمد مصطفیٰ“ ۱۲۷۹ = ۱۲۸۶ھ

انیس بہ مشہور معروف مرثیہ گو میر میر علی انیس کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، ان کا انتقال ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ / ۹ دسمبر ۱۸۷۴ء روز چہار شنبہ کو شام کے قریب لکھنؤ میں ہوا۔ بہت سے شعرا نے تاریخیں کہیں لیکن یہاں ہم صرف سید حسن لطافت خلف سیدہ فاحسہ امانت کا تاریخی مرثیہ پیش کرتے ہیں، جس میں پیچیدگی ضرور ہے مگر لطف سے خالی نہیں پھر وقت و روز و ماہ و تاریخ اور عیسوی و ہجری سنیں بصرحت موجود ہیں۔

جو میر میر علی تھے انیس ذاکر شاہ	وحید دہر سب اہل جہاں کے راس و رئیس
فیصلہ کاں و خاقان وقت و دہر	جہاں میں جل کے ہوئے ساتھ حور عین کے جلس
قریب شام ہوئے وہ مہ کمال تمام	آخر چاند تھا گزر تھے آہ دن او نیس
سنا یہ واقعہ جا نکاہ جب کہی تاریخ	کہ جس میں لفظ ہیں آئے مناسب اور سلیس
بیان مصرع آخر کے اب ضائع ہوں	بہ فکر سمجھیں لطافت جسے حساب نویس
شروع مصرع تاریخ جو کہ ہیں دو حرف	ہمینہ ایک ہے اور دوسرے روز نیس
سنیں بھی ہیں عیاں اوس سے عیسوی ہجری	جو بینات و زبر ہوں رقم بطور نفیس
وہ مرثیہ نہ وہ پڑھنا نہ وہ بڑے مجمع	اور اس مجلس ماتم ہے سامعین ہی ہیں

عجیب مصرع تاریخ ہے سلا ”یکتا“

”یہ ہنختن کا ہے نوحہ انیس ہلے انیس“ (باقی صفحہ ۳۲ پر)

۱ ایضاً ص ۳۳-۳۴ ۲ ریاض لطافت ص ۳۶۳ مطبع شوکت جعفری لکھنؤ

۳ نیس بمعنی پنج شنبہ یعنی جمعرات لیکن از روئے تقویم ۲۹

۱۳۰۶ھ -

وال ۱۳۹۱ھ کو بدھ تھا۔ ملاحظہ ہو تقویم ہجری و عیسوی مرتبہ ابوالنضر محمد خالدی ص ۶۵، انجمن ترقی دہندہ دہلی مارچ ۱۹۷۷ء۔

ماحول پر قابو کس طرح حاصل کیا جائے؟

ڈاکٹر میرولی الدین، ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی (لندن یونیورسٹی)
(قسط نمبر ۳)

یادیں کھوکھری زندگی ایک تربیت گاہ ہے۔ حق تعالیٰ ہمارے معلم اور استاد ہیں، روزِ مرہ کے واقعات اور حادثات وہ آلات ہیں جن کے ذریعہ ہماری سیرت کی تکمیل کی جا رہی ہے۔ دنیا کی مثال ایک ”روح ساز وادی“ سے دی جاتی ہے۔ یہاں کبھی غم کے مضراب سے اور کبھی خوشی کے تاروں سے سیرت کے خفہ نغمے بیدار کئے جاتے ہیں! راحت و غم، بلا و طرب، لذت و الم ہیں اپنا سلوک طے کرنے میں مدد دے رہے ہیں، دونوں ہمارے لئے خیر ہیں، ان میں سے کس سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی ہے

بس زبونِ دسوسہ باشی دلا

مگر طرب را باز دانی از بلا

موت و حیات کی تخلیق، قرآن حکیم کے الفاظ میں، اس لئے ہوئی ہے کہ اس امر کی آزمائش کی جائے کہ ہم میں کون شفع عمل میں زیادہ اچھا ہے:

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (الملك ۷۱)

جب حقیقت یہ ہے تو عارفِ زندگی کے تغیرات سے گھبراتا ہے نہ ان سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے، یہ تو اس کی تادیب و تزکیہ کے لئے ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ ان تغیرات و تحولات سے وہ اسی طرح سبق لیتا ہے جس طرح کہ ایک ذہین و معنی طالب علم استاد کی تقریر و تعلیم سے استفادہ کرتا ہے اپنے جہل کو دور کرتا ہے، اپنے نفس کا تزکیہ، قلب کا تصفیہ

اور اپنے دماغ کا خیالات فاسدہ سے تخلیق کرتا ہے! ان واقعات و تغیرات کی حیثیت اس کی نگاہ میں ایک پردہ کی سی ہے اور اس پردہ کے پیچھے وہ حق تعالیٰ ہی کو مصروفِ عمل دیکھتا ہے اور شیخ جیل کے الفاظ میں حق تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

سَمَّيْتُكَ أَشْهَدُنِي مُصَلِّقَ فَأَعْلَيْتُكَ فَنِي لَمْ يَرْوِدْكَ رَجْعِي فِي شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ فَاغْلِبْتَ
 كَيْلَ مَقْصُودٍ حَتَّى لَا أَسْأَلَ فَاغْلِبْتَ غَيْرَكَ كَمَا مَشَاهِدَهُ نَصِيبُ كَرْتَاكَ تَرْتِ سَوَاكِي كَوْنًا
 لَا كَوْنٌ مُطَبَّقًا نَحْتِ جَوَابَاتِ أَكْثَرِهَا نَهْ دِيكْهُوَلَا تَاكَ تِيرَ اِقْدَارِكَ جَارِي هُونِ سِ
 مُطْمَنٌ هُوَ جَاوُونَ اَوْرَتِيرَ بِرَحْمَتِكَ مِطْعَمِ وَفَرَا
 مُنْقَارًا بِكَلِّ حَكِيمٍ -

برداں سی جاؤں۔

اسی علم و عرفان کے ایک متوالے کی زبان سے یہ سرے نئے نکلے ہیں:

یارِ یستِ مرادِ رائے پردہ	حسنِ رخِ اوسزائے پردہ
عالمِ ہمہ پردہ مصور	اشیاں ہمہ نقشہائے پردہ
ایں پردہ مرا ز تو جدا کرد	اینست خود اقتصائے پردہ
نے نے میانِ ما جدائی	ہرگز نکلند غطائے پردہ (لاعلم)

جاں تغیرات کو پسند نہیں کرتا، اس سے کسیدہ خاطر ہوتا ہے، ان کا مقابلہ کرتا ہے، مزاحم ہوتا ہے؛ لیکن زندگی دائمی تغیر کا نام ہے، سکونِ محال ہے قدرت کے کارخانے میں اس لئے مائل کا مقابلہ خود زندگی کے قانون اور اس کی قوتوں سے ہے! یہ قانون اور اس کی قوتیں مقصد و غایت کے لحاظ سے منفقانہ اور مہربان اور عمل کے لحاظ سے غیر جانبدارانہ اور نا قابل شکست ہوتی ہیں!

ہیں زندگی کے واقعات و تغیرات کا مقابلہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ان کے ساتھ برضا و رغبت استراکِ عمل کرنا چاہیئے! یعنی ہیں اس سبق پر نگاہ رکھنی چاہیئے جو ہیں ان واقعات و تجربات کے درمیان جاری ہے کیونکہ جب ہم اس سبق کو یاد کر لیتے ہیں اور اس کے مطابق اپنی سیرت و عمل

میں تضرع پیدا کر لیتے ہیں تو پھر یہ تکلیف دہ، ناخوشگوار اور الناک واقعات و تجربات رونے ہو جاتے ہیں اور طمانیت و برد قلمی ہمیں نصیب ہوتا ہے۔ حقیقی معنی میں کامیاب زندگی کا راز حق تعالیٰ کے ارادے اور مقصد کے ساتھ توافیق و اتحاد ہے! اور اس مقصد والہ ہے کا اظہار ان ہی واقعات و تجربات و تفسیرات میں ہو رہا ہے جس کے ساتھ توافیق ضروری ہے جس کا شرع کی زبان میں توافیق بالقضاء نام ہے جس کو "رضا بالاعطاء و حفظ حال" سے بھی تعبیر کیا گیا ہے! اسی لئے واقفانِ راز نے کہا ہے کہ

بدیں سپاس کہ مجلس منورست بنار گرت جو شمع جفاے رسد بسوز و بار
ہیں دنیا میں اس لئے رہیجوا گیا ہے کہ تجربات کے ذریعہ سیرت کی تکمیل کریں، اپنی پوشیدہ و نہفتہ روحانی قوتوں کو ظاہر و نمایاں کریں جو الہی قوتیں ہم میں بالقویٰ ہیں انھیں بالفعل کو سامان اور ہم اسی صورت میں ارادۃ اللہ کے ساتھ توافیق قائم کر سکتے ہیں جب ہم اپنی زندگی کے واقعات و تجربات کے ساتھ برضا و رغبت اشتراک عمل کریں، اور جو سبق وہ ہمیں سکھانے کے لئے دونا ہو رہے ہیں انھیں سیکھیں نہ کہ ان سے تباہی برتنے کی کوشش کریں۔

ریاضِ بندگی رغنا ترازشاخ گلست
گودنے کز بار تسلیم و رمنام می شود! (ملا شاہ احد)

تمام تجربات کا مقصد ہیں اس راہ پر لے جلتا ہے جو خدا کی طرف لے جاتا ہے! ہم اپنے جہل کی وجہ سے اس راہ سے بھٹک جاتے ہیں، دور جا پڑتے ہیں! جذبات و شہوات ہمیں صراطِ مستقیم سے ہٹا لے جاتے ہیں! صراطِ مستقیم کی طرف ہمارے قدم اسی وقت اٹھ سکتے ہیں جب ہماری سیرت کی تکمیل ہو اور ہمارا روحانی ارتقاء عمل میں آئے! اب زندگی میں رونا ہونے والے سارے تجربات و واقعات ہماری سیرت کی تکمیل کرتے ہیں اور ہمارے روحانی ارتقاء میں مدد دیتے ہیں تاکہ ہم اس صراطِ مستقیم پر جو حق تعالیٰ کی طرف ہیں لے جاتا ہے ہمیں لہذا تجربات و حالات خوشگوار ہوں یا ناخوشگوار، مسرت بخش ہوں یا غم ناک، بہر طور یہ ہمارے کفیر برتر کے حصول کے لئے ضروری و لازمی

وہاں ان میں ہمارے لئے ہدایت کا ایک سبق پوشیدہ ہوتا ہے جس کو معلوم کرنے اور جس پر عمل پیرا ہونے کی ہمیں کوشش کرنی چاہیے اور جو لہجہ ہم نے اس ہدایت پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے اس شقاوت و گمراہی سے نجات مل جاتی اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج، مینق، خوف و حزن سے بھی !

فَمَنْ أَسِخْهُ إِى فَلَإِ يَصِلْ وَلَا يَشْقِ توجھتیں میری اتباع کرے گا تو وہ نہ غمراہ ہوگا
وَمَنْ أَمْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً اور نہ شقی اور جو شخص میری نصیحت سے اعراض
فُنْكَ وَتَفْشُرُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْمَى۔ کریگا تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت
کے روز ہم اس کو اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ (ملہ: ۱۷۰)

ہر تجربہ، ہر واقعہ زندگی کا خیر امتنا ہی کی طرف لے جاتا ہے، تصادم کی بجائے اس سے توافق ہی سب سے بڑی حکمتندی ہے، رضا یا القضا اسی کو کہا جاتا ہے، ہماری زندگی میں کوئی حادثہ نہیں نازل ہوتا مگر وہی جو حق تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرمایا ہے، وہ ہمارے مولیٰ ہیں آقا ہیں، ہمیں اپنے سب کام ان ہی کے سپرد کر دینے چاہئیں۔

قُلْ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَ عَلَى اللَّهِ يَتَوَكَّلُ الْمُؤْمِنُونَ

شاد و خنداں پیش تیغش سر بہ
 ہجو اسمعیل پیش سر بہ
 (رومی)

تمام تجربات و حادثات دوا و معالجہ کی غرض سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور جب ان کا مقصد پورا ہو جاتا ہے تو وہ غائب ہو جاتے ہیں، بھران دردناک حادثات کی تکرار عموماً نہیں ہوتی پھر راحت و طمانیت ہی میں زندگی گزرتی ہے؛

بسر دو گرم جہاں طاقت چوراضی شد
(سلیم) تمام عمر ترا آب سرد و نان گرم است

جب تک ہم حادثاتِ زمانہ سے سبق نہیں لیتے، کجروی و گم راہی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اتباع

شہوات میں گرفتار رہتے ہیں اور ان مصائب و آفات کو خود پیدا کرتے رہتے ہیں جن سے ہم نجات پانا چاہتے ہیں! جب ہم نے سبق ہدایت حاصل کیا، ہماری سیرت بدلتی ہے، ہم میں اتھوڑی کے صفات پیدا ہوتے ہیں، ہمارا نقطہ نگاہ بدلتا ہے؟ قانون الہی کے مطابق ہم فکر کرنے لگتے ہیں، حق تعالیٰ سے ربط قائم کرنے لگتے ہیں، ان کی ہدایت پر عمل پیرا ہونے لگتے ہیں۔ آفات و مصائب کا درود جس غرض کی تکمیل کے لئے ہو رہا تھا اب وہ غرض چونکہ پوری ہو چکی ہوتی ہے، وہ بھی بتدریج غائب ہونے لگتے ہیں!

دردناک تجربات و حادثات ہی سے ہمیں سبق ہدایت حاصل کرنا کافی نہیں بلکہ ان تجربات و حالات سے بھی جو خوشگوار اور راحت بخش ہوتے ہیں، ہمیں سبق سیکھنا ضروری ہے۔ آسائش و نعمت کی حالت میں بھی ہمیں شکر کے ذریعہ حق تعالیٰ کی یاد میں رہنا چاہیئے چنانچہ تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا ہے کہ فلیکثر الحمد للہ عند الرخاء۔ چین و آسائش کے وقت زیادہ دعا کرتے رہو۔

چین کی حالت میں دعا کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر نعمت کو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے سمجھا جائے وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَبِنِ الْاَلٰہِ۔ کیونکہ درحقیقت منعم و قاسم نعمت حق تعالیٰ ہی ہیں، لہذا ان ہی کی مرضی کے مطابق نعمتوں کا استعمال ضروری ہے۔ جب ہم نعمتیں عطا کی جاتی ہیں، جب ہم عافیت کی حالت میں ہوتے ہیں، جب ہم صحت و تندرستی ملتی ہے۔ امراض و آلام سے محفوظ ہوتے ہیں، فراخی و آسائش سے شمتع ہوتے ہیں تو یہ سب ہماری آزمائش و ابتلا کے لئے ہوتا ہے، دیکھا جاتا ہے کہ اس عافیت کے نتیجہ کے طور پر ہم میں کبر و عجب تو نہیں پیدا ہو گیا، ہم شہوتوں و لذتوں کے درپے تو نہیں ہو گئے، موجودہ نعمتوں کو حقیر و خوار تو نہیں سمجھنے لگے اور ان نعمتوں میں عیب و نقصان تو نہیں نکالنے لگے؟ دیکھا جاتا ہے کہ کیا نعمتوں و راحتوں کی وجہ سے ہم حق تعالیٰ کی اطاعت سے روگرداں ہو کر گمنا ہوں، اور معصیتوں میں مہمک تو نہیں ہو گئے؟ اسی لئے سمجھا جاتا ہے کہ نعمت کی

ازمایش مصیبت کی آزمائش سے زیادہ سخت ہوتی ہے، خوشی کا فتنہ تکلیف کے فتنے سے بہت بُرا ہوتا ہے۔ عافیات ہے کہ گناہوں پر قدرت ہونے کے باوجود ان سے رک جائیادھر کرنا بہت دشوار ہوتا ہے! عیش و آرام سے انسان کا جسم فریبہ ہونے لگتا ہے عیش و آرام بذریعہ اس کو صبر نہیں آتا اور دوام عیش اسی وقت ممکن ہے جب اس کے حصول میں وہ لوگوں سے منقطع رہے اور ظالموں سے التما کرے اور یہ امور نفاق، کذب، ریا، بغض، دشمنی کا سبب بوجاتے ہیں اور ان سے تمام روحانی مہلکات پیدا ہوتے ہیں! قلب کے سارے امراض جنم لیتے ہیں اسی لیے صادق معصودق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے" اے

جب انسان نعمت و عافیت کی حالت میں ہوتا ہے تو وہ عموماً حق تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے! ازریاد دولت کی تدبیریں، اپنے بچاؤ کا خیال، مال کی حفاظت کا بندوبست اس کے خیر بچ کرنے کا انتظام، یہ تمام امور اس کے قلب پر بوجوم کرتے ہیں، اور یہ سب اس کے دل کو سیاہ کرتے اور حق تعالیٰ کی یاد سے غافل کرتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّكَ اَشْرُ حَتّٰی تَشْرُدُنَا اَلْمُقَابِرُ غفلت میں رکھا تم کو بہتات کی حرص نے یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو۔

اسی لیے عیش سے بچنے کی ہدایت فرمائی گئی۔ حضور انور صلعم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ "تم تنعم سے بچو، کیونکہ اللہ کے بندے عیش کرنے والے نہیں ہوتے (اِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ لَيَسُوْا بِالْمَتَنَعِمِيْنَ)

سچ ہے کہ نعمت کا فتنہ مصیبت کے فتنے سے بہت زیادہ سخت ہوتا ہے اور نعمت و مصیبت

اے حب الدنیا! اس کل خطیئۃ (مراد البیہقی فی الشعب و ابن ابی

الدنیا)

ہر دہ ہمارے لئے ابتلا یا آزمائش ہیں! اسی حقیقت کو قرآن حکیم میں حق تعالیٰ اس طرح بیان فرما رہے ہیں:

وَقَطَعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا مِّنْهُمْ
الْمَالِ لَعُونٌ وَمِنْهُمْ ذُنُوبٌ ذَلِكِ وَيْلٌ لَّكُمْ
بِالْفُسُوقِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّكُمْ يَرْجِعُونَ
رَبِّ ۞۱۱

ہم نے دنیا میں ان کی مختلف جماعتیں کر دیں
ان میں سے بعض نیک تھے اور بعض اور طرح
کے اور ہم ان کو خوش حالیوں اور بد حالیوں کے
آزمائے رہے کہ شاید باز آجائیں۔

اسی طرح فرمایا:

وَبَلَوْنَكُمْ بِالشَّيْءِ ثُمَّ الْفَيْسُ فَتَنَةً بَيْنَهُمْ
اور ہم تم کو بری بھلی حالتوں سے آجھی طرح آزمائے
ہیں۔

نعمت و عافیت کی حالت میں مردوسن مشکور ہوتا ہے یہی اس حالت کا ادب ہے۔
لَعْنٌ مِّنْ مَّشْكُورٍ عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ
دل و زبان و اعضاء کے شکر ہی سے نعمتیں سلب و نقصان سے محفوظ ہوتی ہیں اور ان پر امانہ
ہوتا ہے۔

لَنْ شُكِّرْتُمْ وَلَا نَسِيْدُكُمْ
اگر تم شکر کرو تو یقیناً ہم نعمتوں میں اضافہ کرتے ہیں۔
خوب سمجھ لو کہ اجابت دعا، رزق و غنا، توبہ و مغفرت کا انحصار اپنی مرضی پر رکھا ہے کہ چاہا تو دیا
چاہا تو نہ دیا لیکن شکر کے معاوضہ میں زیادتی نعمت بلا تعلق ہے! اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا:

مَنْ ذَرَأَتْ اَيُّهُ نِعْمَةً فَلْيَشْكُرْهَا
جس کو نعمت ملے وہ اس کا شکر ادا کرے!
نیز، فَلْيَشْكُرِ الدَّعَاءَ عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ
چسین و آسائش کی حالت میں زیادہ دعا کرتے رہو
زندگی کے تجربے، عادتے، تیز و تحول ہماری آزمائش، ہماری سیرت کی تعمیر و تکمیل ہماری صلاحیتوں
کو بیلہ کرنے، بالقول کو بالفعل کرنے ہی کی غرض سے دیا ہوا ہے! ان کی دو قسمیں ہیں سلام

ناملک اور انسان کے نفس کی بھی دو حالتیں ہیں، تیسری حالت نہیں ایک عافیت دوسری بلا۔
ناملک یا دردناک حادثات کا وجود اس لئے ہوتا ہے کہ ہم بکجروی سے باز آجائیں، شہوتوں کے
اتباع سے رک جائیں، سیرت کی اصلاح کر لیں! سوہانِ قضا ہمارے پیکر خاکی کو تختہ و ہموار بناتا ہے
اس کی کمی و غمازی کو ہم ظلم کے انگارے سے دور کرتا ہے! یقیناً اقبال!

جہاں ماکہ جز انگارہ نیست اسیر انقلاب صبح و شام است

ز سوہانِ قضا ہموار گردد

ہنوز اس پیکر گلِ ناملک است

نفس کی اس حالت کو بلا و مصیبت کی حالت سے تعبیر کیا جاتا ہے!

ظلم یا نیت و عافیت کے حالات سے بھی ہماری آزمائش ہوتی ہے اگر ہم ان حالات میں
یاد حق سے غافل نہ ہو جائیں، اپنا رخ حق تعالیٰ ہی کی جانب رکھیں، ان کی نعمتوں کو انکی مرضی کے
مطابق استعمال کریں تو ہم اپنے باطن میں یہ نذر سنتے ہیں۔

اَرَكُنْ بِرَبِّكَ هَذَا مَغْشَىٰ بَابُكَ اپنا پاؤں مارو یہ نہالے کا ٹھنڈا پانی ہے اور
شَرَابٌ (دب ۱۳۷) پینے کا۔

یعنی ہم حق تعالیٰ کی رحمت و رافت، لطف و منت کی دریا سے سیراب ہوتے ہیں، ہم پر ان کی
نعمت و ناز و محبت کے دروازے کھل جاتے ہیں، ظاہر و باطن کی نعمتیں ہم پر تمام کر دی جاتی ہیں اور
حق تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے ہماری پرورش و پروراخت کرتے ہیں اور یہ حالت موت کے
وقت تک باقی رہتی ہے اور موت کے بعد وہ اپنے فضل و کرم سے ایسی نعمت عطا کرتے ہیں جس کو کسی
آنکھ نے دیکھا اور نہ کان نے سنا اور نہ کسی کے دل پر اس کا خطرہ گذرا!

فَلَا تَلْمِزْهُمْ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءُ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (المائدہ ۷)
ناملک یا دردناک واقعات و حادثات پر غالب آنے کا طریقہ تعقل، عجز، کسل، چین، ہزدلی، اتم

وینے کو ہی نہیں نہ ہی مزاحمت و مقابلہ سرکشی و سب و شتم ہے بلکہ جیسا کہ ادب و فصاحت کی گئی سن عادی کے سبق ہدایت سے مستفید ہونا، صبر و استقامت، حکمت و عقل مندی ہے اپنی سیرت و اخلاق میں تیسری پیکر کرنا ہے! ہم میں سے اکثر کے لئے اس امر کا اعتراف سخت مشکل ہے کہ ہماری زندگی میں جو کچھ بھی درد و غم، اندوہ و الم کی صورت میں وقوع پذیر ہو رہا ہے اس کی اصل علت خود ہمارے نفس میں پوشیدہ سرگرم عمل ہوتی ہے! شیخ محی الدین اکبرؒ کی یہ تہدید کہ "یہاں کسبتا و فک نفع" یہ تیسرے دونوں باتوں کی کھائی ہے اور تیسرے منہ کی مانگ ہے "ہمارے سمجھ میں نہیں آتی اور ہم الزام زندگی پر رکھتے ہیں، حق تعالیٰ پر تہمت لگاتے ہیں یا اپنے ہم جنسوں کو متہم ٹھہراتے ہیں، اور اس سبق کو سیکھنے سے انکار کرتے ہیں جو عادات و الم ناک واقعات کے ذریعہ حق تعالیٰ کی لامتناہی حکمت ہمیں سکھانا چاہتی ہے ہم ٹوٹے ہوئے دل لے کر بیخچہ اٹھتے ہیں کہ "لوگو! دیکھو! میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جا رہا ہے! ایک مصیبت ختم نہیں ہونے پاتی کہ دوسری اس سے زیادہ آفت مجھ پر نازل ہوتی ہے! بتلاؤ! میل کیا قصور ہے! یہ سہمیری تقدیر کا نوشتہ ہے! ہائے تقدیر!"

گر روم سوئے بحر بر گردد	طلعے دارم آنکہ از پے آب
آتش از رخ فسرده تر گردد	ور بدوزخ روم پے آتش
سنگ نایاب چون گہر گردد	ور زکوة التماس سنگ کنم
ہر دو گوشم محکم کمر گردد	ور گر سلائے برم نزد کس
خاک حال بہ نرغ زر گردد	ور بھرا روم یحستن خاک
ہر کرا روز گار بر گردد	ایں چنین حالہا بہ پیش آید

(مولانا لطف اللہ نیشاپوری)

لیکن سچ بات تو یہ ہے کہ ہمارے روحانی ارتقاء کے لئے جن حالات کی ضرورت ہے ہم خود انہیں اپنی طرف جذب کرتے ہیں، ان تمام بلاؤں اور آفتوں کا باعث خود ہم ہیں۔ حضورؐ و انور

صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع و مانع الفاظ میں ہماری "ہوی متبع و شہ مطاع" (خواہشاتِ نفسانی) کا اتباع کیا گیا اور وہ مرض جس کی پیروی کی گئی ہے! جب ہماری آنکھوں سے قنوت کا پردہ اٹھ جاتا ہے اور ہماری سمجھ میں آ جاتا ہے کہ "از ماست کہ بر ما است" "از ما خیزد بر ما ریزد" اور زندگی میں کمال انصاف ہے تو پھر ہم چیخ اٹھتے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (یوسف)

بے شک حق تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتے لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

اب ہم اپنا رخ حق تعالیٰ کی طرف کر لیتے ہیں، "انصار اللہ" بن جلتے ہیں حق تعالیٰ کی مخالفت ترک کر دیتے ہیں، ان کے قائم کردہ حدود سے تجاوز نہیں کرتے، ان کے قوانین کی پابندی کرنے لگتے ہیں! اسی میں ہماری عظیم الشان کامیابی ہے!

ماحول پر غالب آنے کا بس یہی طریقہ ہے کہ ہم اپنے قلب کا جائزہ لیں اور خارجی مشکلات و آفات کے اسباب و علل کی تلاش "انفس" میں کریں!

اگر ہم دیکھیں کہ حق تعالیٰ کی محبت سے ہمارا قلب عاری یا خالی ہے، دنیوی لذتوں و شہوتوں سے مملو ہے، اس کے گرد و فراغ گردیدہ ہے، اس کے رنگ و بو ہر فدا اس کے "خدا گر یہ آمیز" پر قربان، تو ہمیں اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہنا چاہیئے کہ:

لَا تَزِرْكُمْ الصَّيَاةُ الْمُنِيَا وَلَا سَوْتُمْ كُودِيَا وَ زَنْدُكِي دَهْوَكِي فِي زُلَالِي
يَفْتِكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُوسُ۔ اور تمکو دھوکہ باز شیطان اللہ سے دھوکہ

میں نہ ڈالے۔

اور "انفس" کے تغیر کی طرف فوراً متوجہ ہونا چاہیئے اور اس وقت کے انتظار میں نہ رہنا چاہیئے۔ یہ آفات کا نزول ہونے لگے اور ہمیں مجبوراً ایسا کرنا پڑے گا۔ سامنے ہوتا ہے کہ ہماری سیدہ کاری کی وجہ سے ہمارے قلب کی محبوب ترین چیز

ہم سے چین لی جاتی ہے۔ اور اس وقت ہم شدتِ حزن و غم سے ہر ہیز سے لرزے
کر حتیٰ قتال کے قدموں پر گر جاتے ہیں اور ہمارے قلب سے یہ چیخ نکلتی ہے۔

اللهم انتك تسبح كلامي وترى مكاتي اے اللہ تو میری بات کو سنتا ہے اور میری
و قلم میری و علانیہ نہ بخفی علیک جگہ کو دیکھتا ہے اور میرا پوشیدہ اور ظہر کو
شی من امري وانا البائس الفقير جانتا ہے! تجھ سے میری کوئی بات چھپی
المستغيث المستجير الرحمن المشفق نہیں رہ سکتی! میں محبت زدہ ہوں،
المضر المعترف بذنبي! اسئلك محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ جو پڑھتا ہوں
مسألة المسكين وایصل الیک ہوں، ہل ساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار
ایعمال المذنب الذلیل وادعویٰ کرنے والا ہوں، اعتراف کرنے والا ہوں۔ تیرے
دعاء العائف الضار ودعاء اگے سوال کرتا ہوں جیسے یکس سوال کرتے ہیں
من خضعت لك سابقته وفاضت تیرے اگے گر گڑا تا ہوں جیسے گنہ گار ذلیل
لك عبرته وذل لك جبهه و خوار گر گڑا تا ہوں اور تجھ سے طلب کرتا ہے
رافع لك نفسه اللهم لا تجعلی جیسے خوف زدہ آفت رسید طلب کرتا ہے
بدا عائلک شقیاً وکن لی سؤ فارقیاً اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جسکی گردن
یا خیر المسؤلین ویا خیر المعطین۔ تیرے سامنے جھکی ہوئی ہو اور اسکے آنسو
(کنز العمال عن ابن عباس وعبداللہ بن جعفر) بہہ رہے ہوں اور تنہا ہوں سے وہ تیرے
اگے فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے
رگڑ رہا ہو! اے اللہ تو مجھ اپنے سے دعا مانگنے
میں ناکانہ رکھ اور میری حق میں بڑا مہربان نہایت
رحیم ہو جا! اے سب مانگنے والوں سے بہتر ہے
سب دیکھنے والوں سے بہتر!!

بلکے نزول کے بعد ہم وہی کرتے ہیں جو نزول سے پہلے بھی رضا و رغبت کے ساتھ کر سکتے تھے غم و الم کے انکار سے جھلنے کے بعد اگر ہماری عبدیت کی یہی کیفیت ہوتی تو ہم ہر یہ عذاب ہی نازل نہ ہوتا۔

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا (دشہ ۸)۔ اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا۔ اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی قدر کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے۔

عذاب یا دردناک تجربوں اور مصیبتوں سے بچنے کا طریقہ ”ایمان و شکر“ ہے عقیدہ و عمل ہے، ایمان باللہ و عمل صالح ہے! یعنی ”انفس“ کا تغیر ہے نقطہ نظر کا بدلتا ہے سیرت کی اصلاح ہے، تقویٰ کا پیدا کرنا ہے۔ حق تعالیٰ کا دامن پکڑنا ہے، ان کے ہاتھوں پر عمل کرنا ہے۔ ان کے بتلائے ہوئے طریقوں پر چلنا ہے! ہم خود اپنے ہاتھوں اپنی عافیت کے خرمین میں اگ لگاتے ہیں، ہم خود اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں ہم خود اپنی جانوں کے دشمن ہیں، ہمارے سوا ہمارا کوئی دشمن نہیں! شیخ ابوسعید الخدریؓ نے اس حقیقت کو خوب لکھا ہے:

آتش بدو دست خویش در خرمین خویش چوں خود زده ام چہ نام از دشمن خویش
کس دشمن من نیست منم دشمن خویش اے وائے من دست من و دامن خویش
اسی لئے حق تعالیٰ نے جو ہمارے مرلے ہیں اور سب سے زیادہ خیر خواہ ہیں، ہم بھول کو اگلی اور پھولوں کو، لکھ ہی وصیت فرمائی ہے اور وہ یہی ہے کہ ہم تقویٰ کی زندگی بسر کریں۔

ولقد وصينا الذين اوتوا الكتاب من قبلکم وایاکم ان اتقوا اللہ (دشہ ۱۶)
واقعی ہم نے ان لوگوں کو بھی حکم دیا جن کو تم سے پہلے کتاب ملی تھی اور تم کو بھی کہ حکم خداوندی کی اطاعت کرو اور اسکی مخالفت سے بچو یعنی تقویٰ کی زندگی اختیار کرو۔ (ختم شد)

ہم سے چین لی جاتی ہے۔ اور اس وقت ہم شدتِ حزن و غم سے ہر چیز سے لڑے
کر حق تعالیٰ کے قدموں پر گر جاتے ہیں اور ہمارے قلب سے یہ چیخ نکلتی ہے۔

اللهم انتك تسبح كلامي وترى مكاني اے اللہ تو میری بات کو سنتا ہے اور میری
وقلم ستری وعلا نيتي لا يخفى عليك جگہ کو دیکھتا ہے اور میرا پوشیدہ اور ظاہر
شئ من امري وانا البائس الفقير جانتا ہے! تجھ سے میری کوئی بات چھپی
المستغيث المستجير المرحل المشفق نہیں رہ سکتی! میں محبت زدہ ہوں،

المفر المعترف بذنبي! امسلك متعلق ہوں، غریب دی ہوں، پناہ جو چاہتا ہوں
مسألة المسكين وابتغى اليك ہوں، ہل ساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار

ابغى المذنب الذليل وادعوك کرنے والا ہوں، اعتراف کرتا ہوں۔ تیرے
دعاء الخائف الضار ودعاء اگے سوال کرتا ہوں جیسے یکس سوال کرتے ہیں

من خضعت لك رقبته وفانته تیرے اگے گڑ گڑاتا ہوں جیسے گنہگار ذلیل
لك عبرته وذل لك جبهه و دُخوار گڑ گڑاتا ہے اور تجھ سے طلب کرتا ہے

رافم لك نفسه اللهم لا تبغضني جیسے خوف زدہ آفت رسیدہ طلب کرتا ہے
بدعا بك شقياً وكن لي سؤ فاصياً اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جسکی گردن

يا خير المسكولين ويا خير المعطين۔ تیرے سامنے بھگی ہوئی ہو اور اسکے آنسو
(کنز العمال عن ابن عباس وعبد الله بن جعفر) بہہ رہے ہوں اور تنہا ہوں سے وہ ترے

اگے فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناکہ تیرے سامنے
رگڑ رہا ہو! اے اللہ تو مجھ اپنے سے دعا مانگنے

میں ناکا نہ رکھ اور میری حق میں بڑا مہربان نہایت
رحیم ہو جا! اے سب مانگنے والوں سے بہتر! اے

سب دیکھنے والوں سے بہتر!!

بلکے نزول کے بعد ہم وہی کرتے ہیں جو نزول سے پہلے بھی رضا و رغبت کے ساتھ کر سکتے تھے غم و الم کے انکار سے جھلسنے کے بعد اگر ہماری بعیدیت کی یہی کیفیت ہوتی تو ہم پر یہ عذاب ہی نازل نہ ہوتا۔

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا۔ (دہش ۸)۔ اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا۔ اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی قدر کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے۔

عذاب یا دردناک تجزیوں اور مصیبتوں سے بچنے کا طریقہ ”ایمان و شکر“ ہے عہدہ و عمل ہے، ایمان باللہ و عمل صالح ہے، یعنی ”النفس“ کا تغیر ہے نقطہ نظر کا بدلتا ہے سیرت کی اصلاح ہے، تقویٰ کا پیدا کرنا ہے۔ حق تعالیٰ کا دامن پکڑنا ہے، ان کے ہدایتوں پر عمل کرنا ہے۔ ان کے بتلائے ہوئے طریقوں پر چلنا ہے! ہم خود اپنے ہاتھوں اپنی عافیت کے خرمین میں اگ لگاتے ہیں، ہم خود اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں ہم خود اپنی جانوں کے دشمن ہیں، ہمارے سوا ہمارا کوئی دشمن نہیں! شیخ ابوسعید الخدریؓ نے اس حقیقت کو خوب لکھا ہے:

آتش بد و دست خویش در خرمین خویش چوں خود زده ام چه نام از دشمن خویش
کس دشمن من نیست منم دشمن خویش اے وائے من و دست من و دامن خویش
اسی لئے حق تعالیٰ نے جو ہمارے مرنے والے ہیں اور سب سے زیادہ خیر خواہ ہیں، ہم سبھوں کو اگلوں اور پچھلوں کو، لکھ ہی وصیت فرمائی ہے اور وہ یہی ہے کہ ہم تقویٰ کی زندگی بسر کریں۔

ولمّا وصينا الذين اوتوا الكتاب من قبلكم وایا کم ان اتقوا اللہ (دہش ۱۶)
واقعہ ہم نے ان لوگوں کو بھی حکم دیا جن کو تم سے پہلے کتاب ملی تھی اور تم کو بھی کہ حکم خداوندی کی اطاعت کرو اور اسکی مخالفت سے بچو یعنی تقویٰ کی زندگی اختیار کرو۔ (ختم شد)

شطرنج کی اصل

ڈاکٹر مقصود احمد، شعبہ عربی، بٹروڈہ یونیورسٹی، بٹروڈہ ۱۹۰۰۲۱۵

شطرنج کو شاہانہ کھیل ہونے کا اعزاز حاصل رہا ہے۔ یہ آج بھی اتنا ہی مقبول ہے جتنا کہ پہلے تھا بلکہ اس کی مقبولیت میں پہلے کی بہ نسبت اضافہ ہی ہوا ہے۔ اس کی اصل کے متعلق مختلف آراء ہیں۔ اہل ایران اس کو اپنی ملکیت قرار دیتے ہیں اور اس کی اصلے "ہشت رنگ" بتاتے ہیں۔ ایرانوں کے علاوہ یونانیوں، رومیوں مصریوں اور دیگر قدیم قوموں نے بھی اس پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا ہے۔ مگر یہ سارے دعوے غلط اور بے بنیاد محض ہیں۔ شطرنج ایک خالص ہندوستانی کھیل ہے جو ابتداً قدیم ہندستان کے راجوں مہاراجوں کے درمیان کھیلا جاتا تھا۔ اس کے دو عناصر — ہاتھی اور رخ (جس کی اصل رتھ ہے اور جس کا ہندوستان سے خاص تعلق ہے) اس کے ہندی الاصل ہونے کا یقین ثبوت فراہم کرتے ہیں اور پھر اس کا ذکر رامائن میں بھی موجود ہے^(۱) لفظ شطرنج کی اصل سنسکرت کا لفظ "چتر رنگ" (CHATURANGA) ہے جو قدیم ہندوستانی فوج کے چار دستوں (ہاتھی سوار، رتھ سوار، گھڑ سوار اور پیدل فوج) کی نشاندہی کرتا ہے۔^(۲)

چھٹی صدی عیسوی میں نو شیروان عادل متوفی ۵۹۹ء کے طبیب خاص، بزرجمبر

کے فضیل یہ ایران میں متعارف ہوا اور وہاں سے عبد عباسی کے اوائل (اٹھویں صدی عیسوی) میں شطرنج یا شطرنج کی شکل میں سرزمین عرب میں جلوہ نگاہ ہوا۔ (۳)

ابتداءً یہ چار اشخاص کے مابین دو پانسوں کے ذریعہ کھیلا جاتا تھا اور اس کا نام تر انحصار اتفاق اور تقدیر پر تھا لیکن بعد کچھ ہندو "دھرم شاستر" میں پانسہ اندازی کو ممنوع قرار دیا گیا تو یہ دو اشخاص کے مابین کھیلا جانے لگا اور اب پانسہ پھینکنے کے بجائے عقل و ذہانت کو بروئے کار لایا جانے لگا۔ اسی سبب سے ہندوستان میں اب یہ "بڈھی بل" (قوتِ ذہن و عقل) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ (۴)

حوالہ جات

۱۔ دیکھئے سید سلیمان ندوی: عرب و ہند کے تعلقات، ۱۱، آباد، ۱۹۳۰ء، ص ۱۸

۲۔ ملاحظہ ہو Encyclopaedia Britannica, vol. IV, 1970, p. 195

۳۔ دیکھئے پروفیسر خورشید احمد نارق: عربی ٹیچر میں قدیم ہندوستان، دہلی ۱۹۷۴ء،

ص ۳۲۱، ۳۲۲، مقبول احمد: Indo-Arab Relations، دہلی ۱۹۶۹ء

ص ۱۸، اور Encyclopaedia Britannica vol. IV, p. 195

۴۔ ملاحظہ ہو Encyclopaedia Britannica

' Vol. IV ' p. 195

وفیات

حکیم محمد سعید دہلوی آف ہمدرد و واخانہ پاکستان کی شہادت

کس قدر ظالم ہاتھ تھے اور کس قدر درندہ صفت دل کا وہ انسان نہیں جیوان رہا ہوگا جس نے فرشتہ صفت، ہستی غریب انسانوں کا سہما، ملک و ملت کا شیر خواہ پلوری انسانیت کی فلاح و بہبود کی چلبہنے والا، شرافت کا پیکر مجسم حکیم محمد سعید دہلوی پر گولیاں چلا کر ان کی ان میں ان کو شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

جیسے ہی یہ خبر عوام الناس تک پہنچی کہ کراچی پاکستان میں ہمدرد و واخانہ کے مطب فراغت کے بعد جب حکیم محمد سعید دہلوی اپنی کار میں بیٹھنے لگے تو کچھ نامعلوم درندوں نے ان پر اندھا دھنا گولیاں چلائی شروع کر دیں جس سے وہ ان کا ڈرائیور اور تین ان کے ہمراہ اصحاب موقع پر جان بحق ہو گئے۔ غم و صدمہ میں ڈوب گئے۔ اور ان سب کے منہ سے ایک چیخ نکلی پڑی کہ ہائیں یہ کیا ہو گیا، کیا شرافت و انسانیت کا بھی قتل ہونا شروع ہو گیا ہے حکیم محمد سعید دہلوی شرافت و انسانیت کی جیتی جاگتی تصویر تھے، وہ بڑے وضعدار انسان تھے انہوں نے دوسروں کے آرام کے لیے اپنا آرام چھوڑ دیا تھا۔ ان کا مقصد حیات صرف اور صرف بنی نوع آدم کی خدمت کرنا تھا۔ ٹھٹھے بیٹھے سوتے جاگتے وہ انسانیت کی فلاح و بہبود کی کے کاموں ہی میں اپنے کو لگے ہوئے تھے تقسیم سے پہلے وہ اور ان کے برادر معظم ملک و ملت کی نادر روزگار ہستی حکیم عبدالحمید دہلوی حفظہ اللہ تعالیٰ مستعدہ ہندوستان میں اپنے عظیم الشان کارناموں کی بدولت مشعل راہ فی جمعے ان کی وہ صحبتیں یاد ہیں جب قبلہ آبا جان حضرت مفکر ملت مفتی عتیق الرحمان عثمانی اور ان کے مخصوص اجاب حضرت قاضی سجاد حسین ہرانا سعید احمد اکبر آبادی، مجاہد ملت حضرت مولانا حفظہ الرحمہ یرام کی قربت میں حکیم عبدالحمید صاحب دہلوی اور ان کے برادر خور حکیم محمد سعید دہلوی بڑے بڑے مسائل پر تبادلہٴ خیالات کر کے ان کے حل و سلا کر کے لئے مستعد و جاہل کرتے تھے۔

ذہانت تھی اور حکیم عبد الحمید صاحب دہلوی و حکیم محمد سعید دہلوی دونوں بھائیوں کی محبت اتفاق و اتحاد ضرب المثل تھا ملک و ملت کی فلاح و بہبود کی سے متعلق کوئی بھی کام ہوتا تو اس کی ذمہ داری یہ دونوں بھائی اپنے کاندھوں پر اٹھانا باعثِ فخر سمجھتے۔ تقسیم ملک کے بعد حکیم عبد الحمید دہلوی نے ہندوستان میں مکرملک و ملت کی خدمت کا بیڑہ اٹھایا تو حکیم محمد سعید دہلوی نے ہجرت جیسی سخت ترین سے مصیبت کو ہنسی خوشی جھیلنے ہوئے انسانیت کی فلاح و ترقی کے لئے پاکستان کی سر زمین میں کام کرنے کو ترجیح دی۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ پاکستان میں بڑے بڑے ارب بیتی نے بھی انسانیت کی فلاح کے لئے سوہ عظیم کام نہ کیا ہوگا جو بے سروسامانی کی حالت میں اکیلے دم پر حکیم محمد سعید دہلوی نے انجام دے دیا۔ کالج اسکول اسپتال سے لیکر چھوٹے بڑے تمام وہ کام انجام دیدیتے جو انسانیت کی تعمیر ترقی اور ضرورت کے لئے ہوتے ہیں۔ بلکہ مجھے یہ کہنے میں بھی کوئی تاثر نہیں ہے کہ حکیم محمد سعید دہلوی نے پاکستان میں انسانیت کے لئے ایسے بہت سے عظیم کام انجام دیتے ہیں جس کو انجام دینے کے لئے حکومت پاکستان بھی اپنے گوبے بس سمجھتی رہی۔

جب مجھے ان کی شہادت کی خبر ملی تو میں خود دم بخود ہو کر رہ گیا دل و دماغ کو ایک زبردست ناقابلِ برداشت جھٹکا لگا۔ اور صدمہ سے تمام جسم کی وہ حالت ہو گئی کہ جو بیان سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم حکیم محمد سعید دہلوی کو کوٹ کوٹ جنت نصیب کرے اور ان کے متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ خصوصیت سے دعا ہے کہ ان کے برادرِ معظم حکیم عبد الحمید صاحب دہلوی کو اس عظیم حادثہ وفات پر پہاڑ جیسا غم جھیلنے کی توفیق بخشے۔ آمین غم امین۔

دعائے صحت کی درخواست

مفکر ملت حضرت مفتی عتیق الرحمان عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے صاحبزادے اور ”دین و دنیا“ کے مفتی شوکت علی فہمی کے بڑے داماد مفتی نجیب الرحمان عثمانی گروہ کی بہاری کیوجہ سے پچھلے دنوں سنجھن نرسنگ ہوم میں تھے لیکن اب گھر پر ہیں تکلیف بدستور باقی ہے۔ معززین شہر، عمائدین ملک و ملت، مرکزی حکومت کے وزراء و ممبران پارلیمنٹ، سابق مرکزی وزیر جناب یونس سلیم اور محترم حضرت مولانا قاری محمد ادریس صاحب امام مسجد جامع نئی دہلی خصوصی طور پر ان کی مزاج پرسی کے لئے آچکے ہیں۔

ادارہ ندوۃ المصنفین دہلی کی طرف سے ملت کے تمام افراد سے اپیل ہے کہ وہ حضرت مفکر ملت مفتی عتیق الرحمان عثمانی کے صاحبزادے اور چھوٹے بھائی مفتی نجیب الرحمان عثمانی کی مکمل صحت یابی و تندرستی کے لئے مخصوص اوقات میں بارگاہ عالی اللہ رب العزت میں خصوصیت سے خشوع و خضوع کے ساتھ دعا کا التزام فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم و فضل سے صحت یابی اور عمر دراز عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

(ادارہ)

بقیہ ص ۱۵ کا

قطعہ کے پانچویں شعر سے تاریخ کی بابت وضاحت شروع ہوتی ہے کہ مادہ کے ابتدائی دو حرف ”یہ“ میں پہلا حرف ”ی“ دسویں ماہ یعنی شوال کو بتلاتا ہے اور ”ہ“ پانچویں دن (روز خمیس) یعنی بدھ کو واضح کرتا ہے۔ اگرچہ جمعرات ہونا چاہیے۔ شوال کا اخیر دن یعنی ۱۱ تاریخ محلی۔ زبر و بینات کی رؤ سے مادہ ۱۸۷۳ کا اظہار کرتا ہے۔ (جاری)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سرپرست اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی

عالمگیر حکیم عبدالحمید صاحب چانسلر جامعہ ہمدرد نئی دہلی و علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مجلس ادارت اعزازی

سید اقدار حسین
ڈاکٹر معین الدین بقالی
محمود سعید بلانی
ڈاکٹر جبر قاضی

برهان

نگران اعلیٰ
حضرت مولانا حکیم محمد زماں حق

شمارہ: ۱۲۱۵

نومبر، دسمبر ۱۹۹۸ء

جلد: ۱۲۳

۱۱

شمارے

۱۱

- نظرات
غیبت کی مذمت اسلامی تعلیمات کی روشنی میں
مفتی محمد خبیر ندوی ایم اے علیگ
قطعات وفات شعرائے اردو
عبدالرؤف خاں ایم اے ہسٹری اودنی کلاں دراج
۱۷۵۷ء کی جنگ آزادی اور مسلم جانشازان حریت
ڈاکٹر مختار احمد مکی ریڈر و صدر شعبہ سیاسیات کریم مٹی لالچہ شید پور ہار ۲۹

جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

منیجر ماہنامہ برہان

4136 - اردو بازار جامع مسجد دہلی۔ 110006 فون نمبر 3262815

زیر تعاون

نی پرنٹ ۹ روپے

سالانہ: ۷۲ روپے

کمپیوٹر کتابت

CREATIVE VISION

محمد ارحمن عثمانی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے خواجہ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔

نظرات

۲۵ نومبر ۱۹۹۸ء کو ہندوستان کی چار ریاستوں مدھیہ پردیش، دہلی، راجستھان اور میزورم کی اسمبلیوں کے ہونے والے انتخابات کے نتائج نے یہ بات قوایا بالکل صاف کر دی ہے کہ اگر ہندوستانی مسلمان سمجھداری، تعلیمی، دانشمندی اور دوراندیشی کے ساتھ اپنے حق رائے کمری کا استعمال کریں تو ہندوستان میں فرقہ پرستی کبھی بھی پنپ نہیں سکتی ہے۔ اور فرقہ پرستی کو کوئی شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حالانکہ بی جے پی بڑی حکمت عملی کے ساتھ اپنے جہارتیوں کو انتخاب میدان میں اتار رہا تھا۔ اور بڑی ہی جا بکدستی کے ساتھ انتخابی مہم چلائی تھی ایک طرف ہندو تو کاکارڈ کھیلنے کی کوشش اور دوسری طرف سیکولرزم کے نام کی دہائی۔ مگر یہ سب باتیں بے اثر ثابت ہوئی بلکہ ان دونوں باتوں سے بی جے پی کی ساکھ خراب ہی ہوتی رہی انتخابی جلسوں کے آخری دن دہلی کے لال قلعہ کے سامنے ہندوستان کے وزیراعظم جناب اٹل بہاری واجپئی نے بی جے پی کے حق میں لوگوں سے ووٹ دینے کی اپیل کرتے ہوئے بعض باتیں ایسی بھی کہہ دیں کہ جو بی جے پی کے ورکر کے لئے تو گوارہ ہو سکتی ہیں مگر ہندوستان کے وزیراعظم کے شایان شان قطعاً نہیں۔ ہندوستان کا وزیراعظم ہندوستان کے سیکولر آئین کی پاسداری و حفاظت کے لئے حلف اٹھاتا ہے اور جب وہ ہی وزیراعظم کوئی ایسی بات اپنے منہ سے نکال بیٹھے جس سے "سیکولرزم" پر "آپ" آتی ہو تو پھر ایسے وزیراعظم کے بارے میں دانشور طبقہ کس طرح کا خیال ذہن میں پیدا کرے گا، لال قلعہ پر انتخابی جلسہ میں وزیراعظم اٹل بہاری واجپئی نے کانگریس کی صدر شتر سمتی سونیا گاندھی سے غالباً ان کے عیسائی مذہب کی ہمنے پر چٹکی لیتے ہوئے اس قسم کی بات کہی کہ جیسے انھیں ہندوستان میں عیسائیوں پر ظلم و ستم ہی سے دکھ ہوتا ہے اور وہ سیاست میں شاید اسی لئے زیادہ مستعد نظر آتی ہیں۔ جب اخبارات میں عیسائی فرقہ پر ظلم و ستم کی خبریں شائع ہوتی ہیں۔ اس قسم کی باتیں کرنا کیا ہندوستان

کے وزیراعظم کے لئے رجب و صلوات ہے جو ہندوستان کے سیکولر آئین کی حفاظت و پاسداری کا مہم
لے رہے ہیں۔ اشتعالِ مسلم کے دوران میں ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرنا ایک بہتر بننا جا رہا ہے
لیکن جب اس قسم کے بہتر کی ترکیب اونچی کر سہی پر فائز کسی انسان کی طرف سے عمل میں لائی جائے تو اسے
دیکھ کر افریقہ کے ساتھ دکھ اور تشویش کا ہونا قدرتی بات ہے۔

اس ایسلی انتخابات نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کا ووٹ فیصلہ کن ثابت
ہوتا ہے اور جب اس کا استعمال کسی ایک پارٹی کے حق میں کیا جاتا ہے تو وہ پارٹی مسندِ اقتدار پر بیٹھ جاتی
ہے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کے ووٹ بیٹے رہے ہیں ووٹ پارٹیوں کے درمیان میں تیسرا شخص یا گرو مسلمانوں
کے ووٹ میں حصہ پتی کر بیٹھتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ مسلم ووٹ ایک جگہ نہ پڑ کر کسی جگہ بیٹ
جاتا تھا اور پھر اس کے نتیجے میں فرقہ پرست فائدہ میں ہو جاتا تھا انتہائی نتائج کے وقت مسلمانوں
کے ہاتھ سولے افریقہ کے کچھ حاصل نہیں ہوتا تھا اور فرقہ پرستوں کے گھروں میں گمی کے چراغ جلنا
شروع ہو جاتے تھے۔

لیکن اس کے لئے ہم مسلمانوں کو موردِ الزام ٹھہرانا قطعاً پسند و گوارہ نہیں کریں گے اس کے
لئے ہمیں صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے یہ کہنا پڑے گا کہ اس کے لئے ذمہ دار وہ افراد اور جماعت ہے
جو مسلمانوں کے ووٹ سے مسندِ اقتدار پر فائز رہتے ہوئے مسلمانوں کو ذرا بھی نہیں گروانتی رہی
ہے۔ بشرطی اندازِ گاندھی کے آخری دورِ اقتدار میں جس طرح ہندو تو کار کا کارٹھ کھلا گیا اور
مسلمانوں کو درکنار کرنے کے حربے استعمال کئے گئے اسے ہم اس ساری خرابی کا ذمہ دار کہیں گے
جب ایک پارٹی اپنے اولین آئین سے ہٹتی نظر آتی تو پھر مسلمانوں کے لئے اس کے سولے کوئی چارہ
نہیں رہا کہ وہ بھی اپنی راہ الگ بنائیں اور پھر اس کا جو بھی انجام ہو وہ اگر مسلمانوں کے لئے بہتر
نہیں ہے تو پھر خود اس جماعت کے لئے بھی کسی لحاظ سے اچھا نہ ہو۔ اس کی بربادی و تباہی سب سے
اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ اور جب اپنی تباہی و بربادی سے وہ ابھرنے لگی تو پھر اس کو ہوش آیا اور اس
نے اپنی پچھلی کوتاہیوں، لغزشوں، غلطیوں کی طرف خیال کیا اس کے لئے نہ صرف معافی مانگی بلکہ اس کی
تلافی کرنے کا بھی وعدہ کیا۔ انڈین نیشنل کانگریس جب اپنے بنیادی اصولوں سے کھٹک گئی تو

نظرات

۲۵ نومبر ۱۹۹۸ء کو ہندوستان کی چار ریاستوں مدھیہ پردیش، دہلی، راجستھان اور میزورم کی اسمبلیوں کے ہونے والے انتخابات کے نتائج نے یہ بات قواب بالکل صاف کر دی ہے کہ اگر ہندوستانی مسلمان سمجھداری، عقلمندی، دانشمندی اور دوراندیشی کے ساتھ اپنے حق رائے کبریٰ کا استعمال کریں تو ہندوستان میں فرقہ پرستی کبھی بھی پنپ نہیں سکتی ہے۔ اور فرقہ پرستی کو کمراری شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حالانکہ بی جے پی بڑی حکمت عملی کے ساتھ اپنے جہاریوں کو انتخابی میدان میں اتار رکھا۔ اور بڑی ہی جا بجا بدستی کے ساتھ انتخابی مہم چلائی تھی ایک طرف ہندو تو کا کاہڑ کھیلنے کی کوشش اور دوسری طرف سیکولرزم کے نام کی دہائی۔ مگر یہ سب باتیں بے اثر ثابت ہوئی بلکہ ان دونوں باتوں سے بی جے پی کی ساکھ خراب ہی ہوتی رہی انتخابی جلسوں کے آخری دن دہلی کے لال قلعہ کے سامنے ہندوستان کے وزیراعظم جناب اٹل بہاری واجپئی نے بی جے پی کے حق میں گلوں سے دوڑ دینے کی اپیل کرتے ہوئے بعض باتیں ایسی بھی کہہ دیں کہ جو بی جے پی کے دکر کے لئے تو گوارہ ہو سکتی ہیں مگر ہندوستان کے وزیراعظم کے شایان شان قطعاً نہیں۔ ہندوستان کا وزیراعظم ہندوستان کے سیکولر آئین کی پاسداری و حفاظت کے لئے حلف اٹھاتا ہے اور جب وہ ہی وزیراعظم کوئی ایسی بات اپنے منہ سے نکال بیٹھ جس سے "سیکولرزم" پر "آپنج" آتی ہو تو پھر ایسے وزیراعظم کے بارے میں دانشور طبقہ کس طرح کا خیال ذہن میں پیدا کرے گا، لال قلعہ پر انتخابی جلسہ میں وزیراعظم اٹل بہاری واجپئی نے کانگریس کی صدر شترسمتی سونیا گاندھی سے غالباً ان کے عیسائی مذہب کی ہونے پر چٹکی پلٹے ہوئے اس قسم کی بات کہی کہ جیسے انھیں ہندوستان میں عیسائیوں پر ظلم و ستم ہی سے دکھ ہوتا ہے اور وہ سیاست میں شاید اسی لئے زیادہ مستعد نظر آتی ہیں۔ جب اخبارات میں عیسائی فرقہ پر ظلم و ستم کی خبریں شائع ہوتی ہیں۔ اس قسم کی باتیں کرنا کیا ہندوستان

کے وزیراعظم کے لئے زیب و تہ ہے جو ہندوستان کے سیکور آئین کی حفاظت و پاسداری کا حلف لے رہے ہوتے ہو۔ انتہائی ہم کے دوران میں ہر طرح کے ہنگامہ استعمال کرنا ایک ہنر بننا چاہیے لیکن جب اس قسم کے ہنر کی ترکیب اونچی کرسی پر فائز کسی انسان کی طرف سے مل میں لائی جائے تو اسے دیکھ کر انوس کے ساتھ دکھ اور تشویش کا ہونا قدرتی بات ہے۔

اس اسلی انتہا بات نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کا ووٹ فیصلہ کن ثابت ہوتا ہے اور جب اس کا استعمال کسی ایک پارٹی کے حق میں کیا جاتا ہے تو وہ پارٹی مسند اقتدار پر بیٹھ جاتی ہے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کے ووٹ بیٹھے رہے ہیں دو پارٹیوں کے درمیان میں تیسرا شخص اگر مسلمانوں کے ووٹ میں حصہ پتی کر بیٹھتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ مسلم ووٹ ایک جگہ نہ پڑ کر کسی جگہ بیٹ جاتا تھا اور پھر اس کے نتیجہ میں فرقہ پرست فائدہ میں ہو جاتا تھا انتہائی نتائج کے وقت مسلمانوں کے ہاتھ سولے انوس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا تھا اور فرقہ پرستوں کے گھروں میں گمی کے چارغ جلنا شروع ہو جاتے تھے۔

لیکن اس کے لئے ہم مسلمانوں کو مورد الزام ٹھہرانا قطعاً پسند و گوارہ نہیں کریں گے اس کے لئے جس صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے یہ کہنا بڑے گاکر اس کے لئے ذمہ دار وہ افراد اور جماعت ہے جو مسلمانوں کے ووٹ سے مسند اقتدار پر فائز رہتے ہوئے مسلمانوں کو ذرا بھی نہیں گردانتی رہی ہے۔ بشرتھی اندرا گاندھی کے آخری دور اقتدار میں جس طرح ہندو تو کا کارٹو کھلا گیا اور مسلمانوں کو درکنا کرنے کے حربے استعمال کئے گئے اسے ہم اس ساری خرابی کا ذمہ دار کہیں گے جب ایک پارٹی اپنے اولین آئین سے ہٹتی نظر آتی تو پھر مسلمانوں کے لئے اس کے سولے کوئی چارہ نہیں رہا کہ وہ بھی اپنی راہ الگ بنائیں اور پھر اس کا جو بھی انجام ہو وہ اگر مسلمانوں کے لئے بہتر نہیں ہے تو پھر خود اس جماعت کے لئے بھی کسی لحاظ سے اچھا نہ ہوا۔ اس کی بربادی و تباہی سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ اور جب اپنی تباہی و بربادی سے وہ ابھرنے لگی تو پھر اس کو ہوش آیا اور اس نے اپنی پچھلی کوتاہیوں، لغزشوں، غلطیوں کی طرف خیال کیا اس کے لئے نہ صرف معافی مانگی بلکہ اس کی تلافی کرنے کا بھی وعدہ کیا۔ انڈین نیشنل کانگریس جب اپنے بنیادی اصولوں سے کھٹک گئی تو

پھر مسلمان بھی اپنی من مانی کرنے میں اکراد ہو گئے۔ اور انہوں نے اپنے دھڑے کا استعمال کانگریس کو سبق سکھانے کے لئے کرنا ہی مناسب سمجھا۔ بابری مسجد کی مسامحہ نے ہندوستان میں مسلمانوں کی جگہ دینا اور ان کے انصاف پسند انسانوں کے دلوں کو رنج و غم سے چھلنی کر دیا ہندوستان کے شریف ہندوؤں کو بھی بابری مسجد کی مسامحہ نے اسی طرح رونے پر مجبور کیا جس طرح مسلمان رونے اور بلبلانے۔ ظاہر ہے کہ اس سے سیکولرزم کی بنیاد میں شگاف پڑا اور فرقہ پرست طاقتیں کھلے عام ہندوستان میں وہ سب کرنے پر اتر آئیں جو ملک کی یکجہتی و اتحاد کے لئے زبردست خطرہ ہیں۔ آخر اس صورت حال کو زیادہ دن کون برداشت کر سکتا تھا انڈین نیشنل کانگریس نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا اور شتر تہمتی سو نیا گاندھی کی قیادت میں کانگریس نئے عزم نئے ولولہ اور جوش کے ساتھ میدان میں اُتری اور اس نے مسلمانوں کے ساتھ دیگر اقلیتوں دلوں کے زخموں پر مرہم رکھا جو کچھ ہوا اسے بھول جانے اور اُٹھہ لسا کچھ نہ ہونے کا یقین دلایا گیا۔ دلت بھی مسلمان بھی اور اقلیتوں کے دیگر طبقے بھی کانگریس کی طرف جھک گئے کانگریس کی حمایت کرنے پر آمادہ و مائل ہوئے جس کی وجہ سے کانگریس ان اسمبلی انتخابات میں زبردست اکثریت سے کامیابی سے ہٹکار ہو گئی۔ دہلی اور راجستھان میں تو کانگریس نے ریکارڈ کامیابی حاصل کی اور مدھیہ پردیش میں اس نے اپنی پوزیشن کو قائم رکھا۔ میزورم میں مقامی حالات کے زیر اثر عوام نے اپنے حق رائے دہندگی کا استعمال کر کے اس پارٹی کو کامیاب کرایا جو اس کے مسائل کو حل کرنے کی طرف زیادہ دھیان سے توجہ دینے کا وعدہ کرتی رہی۔ ملک کے حالات پر وہاں کوئی اثر نہ دکھائی دیا۔ ہندو تو کا وہاں کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ اس لئے وہاں وہ ہی پارٹی کامیاب ہوئی جو مقامی حالات کے تحت عوام کی توقعات پر پوری اُترتی دکھائی دی۔

ایک طرف تو بی جے پی کہتی ہے کہ وہ ہندوستان کے سیکولر آئین کی ہر طرح حفاظت کرے گی دوسری طرف اس کی پارٹی کے کئی ذمہ دار افراد ہندوستان کے اسکولوں میں کالجوں میں کسی مذہب کی مخصوص دعاؤں کو پڑھانے کی لازمی پابندی کرنے کی بات کرنے لگے ہیں۔ سرسوتی و مندا اور بنارس ترم ایک مورتی سامنے رکھ کر پڑھنے کے لئے یوپی حکومت کی طرف سے ضروری کرنے کی خبریں اخبارات میں شائع ہوئیں۔ تو ہندوستان کی سیاست میں زبردست تھلکہ مچ گیا۔ سیکولرزم کی دہائی دیکھو والے

اذاً یہ خبر بجلی کی طرح دل و دماغ کو دھلا گئی اور عالم اسلام کی زبردست مقتدر ہستی جناب حضرت مولانا سید البرکات علی ندوی (علیہ السلام) کا تون کا چین لات کی نیند تیارام ہو گئی۔ جو شخصیت و ہستی ماست کے بچپنوں سے ہمیشہ دور رہتی ہے اور جو کبھی پبلک جلسوں سے کڑائی رہی ہے آئندہ بھی حکومت کی نیت خراب دیکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ اگر سرسوتی و ندنا اور بندے ماترم ٹیڑھنے کی بات

حکومت کی طرف سے لازمی قرار دے دیا گیا تو پھر مسلمانوں کو اپنے بچوں کو ان اسکولوں سے ہٹالینا چاہیے جہاں سرسوتی و ندنا اور بندے ماترم ٹیڑھنا لازمی ہو اس بات سے بی جے پی کی حکومت کو ہوش آیا اور اس نے اس سلسلے میں تردید کرتا ہی اپنے لئے عافیت کی بات سمجھی۔ یوپی کے وزیر اعلیٰ کھیاں سنگھ نے کہا کہ حکومت کی طرف سے کوئی ایسی بات نہیں کہی گئی ہے کہ جس سے یوپی کے اسکولوں میں سرسوتی و ندنا اور بندے ماترم ٹیڑھنا لازمی قرار دیا گیا ہو۔ حکومت کے ذمہ دار کی طرف سے اس پر تردید نے یہ معاملہ تو یہاں ختم کر دیا ہے لیکن اب اس قسم کی دیگر باتیں جو رقتنا قوتنا کہی جاتی رہی ہیں یا کہی جائیں گی بہتر ہو کہ حکومت اس پر ابھی سے روک لگا دے اور اس قسم کی شرانگیز باتیں کہنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی عمل میں لائے تو یہ ملک اور ملک کے آئین کے ساتھ وفاداری کا عمل ہوگا ہماری حکومت ہند کے ذمہ داران سے اپیل ہے کہ وہ سیکولر آئین کے خلاف باتیں کرنے والوں کے خلاف کڑی کارروائی کرے جب ہی ملک کے عوام کا اعتماد و یقین ہوگا اس حکومت کی ایمانداری اور نیک نیتی پر۔

ان اسمبلی انتخابات میں ہنگامی، تشدد اور بجلی دپانی کے مسائل سے عوام الناس کی پریشانیوں کا بھی زور و شور سے جھج چار ہا۔ بی جے پی کی حکومت ہنگامی برتاؤ پانے اور تشدد کے واقعات کی روک تھام کرنے اور پانی و بجلی کی دقتیں دور کرنے میں جس طرح ناکام دکھائی دی ہیں اس پر عوام نے اس کے خلاف ووٹ کا استعمال کر کے یہ بات واضح کر دی کہ جو پارٹی عوام کے بنیادی مسائل حل اور جان و مال کی حفاظت کرنے میں ناکام رہے اسے حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ عوام اس سے حکومت کی کرسی چھین لیتے ہیں اب یہی اصول سب کے لئے ہے اب عوام نے جس پارٹی کو حکومت کی ہاگ و دور سوچی ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ملک میں سے ہنگامی کا خاتمہ کرے جسے خوروا کے خلاف سخت سے سخت کارروائی کرے ملک میں لائیٹنگ آرڈر کے مسئلہ کو ہر صورت میں ترجیح دے آخر عوام کے جان و مال کی حفاظت کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے بجلی پانی ضروریات زندگی

کی لازمی اشیاء ہے اس کی طرف حکومت سے کسی بھی قسم کی کوتاہی ناقابلِ برداشت ہے۔ برہانِ دربی
 راجستان اور مدھیہ پردیش میں انڈین نیشنل کانگریس کو اس کی شاندار کامیابی پر مبارکباد دیتے
 ہوئے اس سے توقع و امید رکھیں گے کہ وہ ان صوبوں میں اچھی اور مثالی حکومت دے گی جس میں
 عوام اناس کو ہمہ گائیڈ اور پانی و بجلی کی پریشانی و مار سے نجات اور ہر شہری کو امن و چین
 اور راحت نصیب ہوگی۔

گزشتہ دنوں ہندوستان کی علمی شخصیت حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی (علی میاں) کی رہائش
 گاہ مہمان خانہ میں تلاشی لی گئی اس سے دنیا بھر کے مسلمانوں اور انصاف پسند و انسانیت نواز غیر مسلموں
 میں غم و غصہ پیدا ہونا لازمی تھا چنانچہ ہر طرف سے اس تلاشی کے خلاف احتجاج کیا گیا جمیعت علماء ہند
 نے اسے ملک دشمنی سے تعبیر کیا کتنے ہی اداروں اور تنظیموں نے اس تلاشی کے واقعہ کی سخت ترین
 مذمت کی۔ مقام شکر ہے کہ حکومت یوپی کو جلد ہوش آگیا اور اس نے یہ کہہ کر اپنی جان بچائی کہ
 حکومت کی طرف سے حضرت مولانا علی میاں کے ہاں تلاشی کی کوئی ہدایت جاری نہیں کی گئی یہ حرکت جس نے
 بھی کی ہے بہر حال قابلِ مذمت ہے اور حکومت اس کی تحقیقات کر لے گی اور جو بھی اس مذموم
 حرکت کا ذمہ دار ہوگا اس کے خلاف سخت کارروائی کرنے سے حکومت قطعاً دریغ نہیں کرے گی۔
 حکومت یوپی کے تردیدی بیان کے بعد ہم اس بات کو یہیں ختم کرتے ہیں ورنہ تو ہمارا دل رورہا تھا کہ
 ایک ایسی ہستی جو ہندوستان کی شان ہے ہندوستانی عزت ہے ہندوستان کا وقار ہے اور جس کی
 وجہ سے عالم اسلام میں ہندوستان کی سربلندی ہے اس ہستی کو اس طرح کی بچکانہ و شرمناک
 حرکات کر کے ستایا جائے یہ کسی بھی طرح قابلِ معافی نہیں ہے۔ اچھا ہوا کہ حکومت یوپی نے اس
 مذموم حرکت پر اپنے کو فوری طور پر بری الذمہ کر لیا۔ اگر خدا بخواسے حکومت یوپی کی اس طرف
 سے خاموشی رہتی تو نہ معلوم حالات کس قدر خطرناک صورت اختیار کر جاتے اس کے تصور و
 خیال ہی سے دل و دماغ میں لرزہ پیدا ہو رہا ہے۔ اب ہیں اس کا انتظار بے چینی سے رہے گا۔
 کہ حکومت یوپی اپنے وعدہ کے مطابق اس تلاشی کے ذمہ دار افسر اد کی نشان دہی کر کے کب ایضاً
 کیفر کردار تک پہنچائے گی۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ایک ایسی ہستی کا نام ہے جس پر ہندوستان
 کے ہی نہیں تمام دنیا کے مسلمانوں کو فخر و ناز ہے۔

غیبت کی مذمت اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

مفتی محمد خبیر ندوی ایم اے علیگ

شریعت اسلامیہ مطہرہ نے انسانوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کی بابت خصوصی تاکید فرمائی ہے چنانچہ اللہ رب العزت نے ایسی تمام ناشائستہ حرکتوں کو جو عزت و ناموس کو پامال کرنے کے مترادف ہیں ان کو قطعی طور پر حرام فرما کر — پوری انسانی برادری کو باہمی تعلقات خوشگوار رکھنے کی ہر موقع پر ترغیب دی ہے اور متعدد مقامات پر اس کی شناعت و قباحت کو واضح انداز سے بیان فرمایا ہے۔ اس لئے مذہب اسلام نے عزت و آبرو کو خاک میں ملانے والی مرکزی حیثیت کی حال غیبت کو قرآن کریم کے ذریعہ صراحتاً حرام قرار دے دیا ہے۔ اور اس کی قباحت کو مکمل ایک سورۃ میں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

”اور تم میں سے ایک کو ایک پیٹھ پیچھے برانہ کہے، بھلا تم میں سے کوئی اس بات کو گوارا

کئے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تو تم کو گھن آئے اور اللہ سے ڈرتے

رہو، اللہ سب کا خیال کرنے والا اور خوب رحم کرنے والا ہے“ (سورۃ حجرات ۲۰)

مذکورہ بالا آیت قرآنیہ سے معلوم ہوا انسانوں خصوصاً مسلمانوں کے عیوب کی پردہ درہی حرام ہے اور شرعی اصطلاح میں پردہ درہی کا دو نام غیبت ہے۔ یہ اور بات ہے موجودہ دور کا مسلمان غیبت کو نہایت معمولی گناہ سمجھ کر اس میں بڑھ چڑھ کر حصے کر دے سروں کی عزت و آبرو لوٹنے کو ذاتی فخر قرار دیتا ہے۔ اور طرفہ تماشہ یہ ہے غیبت کرنے والا اس کو غیبت تصور کرنے سے بھی کتراتا ہے اور اس پر لائی گزرنے کو اظہار حقیقت کا عنوان دے کر لوگوں میں اس کی ترغیب بھی دیتا ہے جبکہ وہ اپنے اس ”اظہار حقیقت“ کے قول سے دو گنے گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اعلیٰ ترین اور غیر معمولی

گناہ کبیرہ کو نہایت ہلکا اور معمولی سا قرار دے رہا ہے۔

۱۰ غیبت کمرے کے دوسرے کی عزت و ناموس کو خاک میں ملاتا رہا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم اور احادیث شریفہ کی روشنی میں غیبت کی حقیقت و اس کی شناخت و قباحت پر تفصیلی نظر ڈالی جائے اور اس کے خطرات نتائج سے واقفیت حاصل کر کے اس سے بچنے کی تدبیر کی جائے۔

قرآن کریم اور غیبت | قرآن کریم نے متعدد مقامات پر غیبت کی مذمت بیان کر کے نہایت بلیغ انداز سے اس کی تباہی و خطرناکی کی طرف

شارح فرمایا ہے۔

۱۔ تم میں سے کوئی کسی کی اس کی پیٹھ پیچھے غیبت اور برائی نہ کرے (جمرات ۲)

۲۔ لوگوں پر آوازیں کسا کرتا ہے۔ (سورہ قلم ۱)

۳۔ ہر وہ شخص جو لوگوں کی غیب چینی کرتا ہے اسکی بڑی تباہی ہے۔ (سورہ عنہ ۱)

۴۔ اللہ تعالیٰ کو بدگوئی پسند نہیں آتی۔ (سورہ نسا ۲۱)

آیات مذکورہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت کا ہر پہلو مذموم ہے خواہ وہ اشارۃً کیوں نہ ہو چنانچہ اصحاب لغت قرآن کریم میں واقع الفاظ متعلقہ غیبت کی توضیح فرماتے دئے رقم طراز ہیں کہ ہمز اور لمز میں ہر طرح کی غیبت شامل ہے مثال کے طور پر ہمز میں (۱) سنا سے غیبت کرنا (۲) نسب کی برائی کرنا (۳) ہاتھ کے اشارہ سے غیبت کرنا (۴) زبان سے غیبت کرنا (۵) برے الفاظ سے ہم نشینوں کی دل آزاری کرنا اور لمز میں پیٹھ پیچھے برائی کرنا (۶) آنکھ کے تارے سے غیبت کرنا (۷) آنکھ ہاتھ سر اور ابرو وغرضیکہ تمام اشاروں سے غیبت کرنا شامل ہے۔ (لغات القرآن، و مفردات القرآن)

غیبت کی مذمت و قباحت احادیث نبویہ کی روشنی میں | اجماعی رسول حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا کہ تمہیں معلوم

ہے کہ غیبت کی حقیقت کیا ہے۔؟ صابرا کرامؑ نے عرض کیا۔ غیبت کی حقیقت کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح علم اللہ رب العزت اور پیارے رسول کریمؐ کو ہی ہے۔ اس پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔! غیبت کی حقیقت یہ ہے کہ۔ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو اس طریقہ سے یاد کرے اور اس کا ذکر اس طرح سے کرے جس سے اسکو ناگواری، تکلیف اور خفت محسوس ہو، اور اپنے بھائی کی اس چیز کا ذکر کرے جس کو وہ ناپسند کرے۔ کسی نے عرض کیا۔ کیا ایسی ناگوار اور تکلیف دہ بات کا ذکر کرنا جو اس میں واقعہٴ موجود ہو۔ اور اس میں وہ عیوب پائے بھی جاتے ہوں یہ بھی غیبت میں داخل ہے۔؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ جی ہاں، وہ عیوب اور وہ تکلیف دہ بات جس کا ذکر اس کو ناگوار ہو وہ اس میں پائی بھی جاتی ہو جب ہی تو وہ غیبت ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو کہ اس میں وہ عیب موجود ہی نہ ہو پھر تو وہ تمہارا اور بہتان ہے (مسلم شریف ج ۳، ابوداؤد ج ۲، ۴۶۸)

۲۔ ایک حدیث میں فرمان نبویؐ ہے: "سب سے زیادہ برے لوگ وہ ہیں جو چغل خوری کرتے اور چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں اور دوسروں کے آپسی تعلقات خراب کرتے رہتے ہیں" (حضرت اسماعیل بنت یزید بروایت مسند احمد ج ۴، ۴۵۹)

۳۔ آپؐ کی حیات مبارکہ میں ایک مرتبہ شہر میں بدبو پھیل گئی۔ اس کی بابت آپؐ نے صابرا کرامؑ سے ارشاد فرمایا! تم جانتے ہو یہ بدبو کیسی ہے؟ یہ ان لوگوں کی بدبو ہے جو مسلمانوں کی غیبت کرتے رہتے ہیں۔

(حضرت جابر بن عبد اللہ برطیت ادب المفرد، مسند احمد)

۴۔ معراج جیسی عظیم الشان رات میں حضور اکرمؐ کا گزرا ایک ایسی قوم پر ہوا جس کے ناخن تانے کے سے تھے۔ اور وہ قوم اپنے ان ناخنوں سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہی تھی۔ حضورؐ نے حضرت جبریلؑ علیہ السلام سے اس بابت دریافت کیا۔ جس کے جواب میں حضرت جبریلؑ نے ارشاد فرمایا۔ رسول مہترمؐ یہ وہی قوم ہے جو لوگوں کا گوشت کھاتی پھرتی تھی اور لوگوں کی غیبت کر کے اس کی عزت و آبرو پر حملہ کیا کرتی رہتی تھی

(حضرت انس بن مالکؓ روایت ابو داؤد ج ۱ ص ۶۶۹)

۵۔ ایک حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کہنے کو زنا سے بھی زیادہ سنگین قرار دیا ہے چنانچہ فرمان نبوی ہے۔

” غیبت کرنا زنا کا ریسے بھی زیادہ سخت ترین جرم ہے “ (امام بیہقی روایت شریف)

۶۔ ایک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کرنے والوں کو منافقین جیسے برے آدمی کی فہرست میں شمار فرمایا ہے۔ (حضرت ابویزہ اسلمی روایت ابو داؤد)

۷۔ ایک مرتبہ امام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک خاتون کی نقل اتاری جو اس دن کے لئے باعث تکلیف تھی چنانچہ آپ نے اس پر نکیر فرماتے ہوئے اپنا شدید فنگی ظاہر فرمائی۔ (ایضاً)

مذکورہ بالا احادیث نبویہ کی روشنی میں غیبت کی حقیقت اور اس کی قیادت خج ہو گئی کہ غیبت نہایت ذلیل، گھناؤنی حرکت ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ، فتنہ و فساد بھڑکانے میں مرکزی کردار ادا کرتی ہے۔ اور معاشرہ اس کی پیٹ میں خون کی ہولی کھیلنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

امام وقت حضرت امام غزالیؒ اپنی مایہ ناز عرفانی و روحانی کتاب احیاء العلوم اس کے مفاسد کی نشاندہی فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ” چونکہ تصریح، تقریض، رد اشارات تحریر و کتابت اور محاکات و نقالی ہر طریقہ سے دوسروں کے عیوب بیان جاسکتے ہیں اور ہر شخص دوسرے کے حسب نسب، اخلاق عادات، دین و دنیا طریقہ معاشرہ زندگی بود و باش جسم اور کپڑے وغیرہ غرضیکہ ہر چیز میں انسان عیب نکال سکتا اس لئے یہ سب چیزیں غیبت میں داخل ہیں ان سب سے بچنا چاہیے۔

(احیاء العلوم ج ۲ ص ۲۱۳)

غیبت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ خداوند قدوس میدان حشر میں غیبت کرنے والے تمام نیکیاں ان تمام لوگوں میں تقسیم کر دے گا جن کی اس نے غیبت کی ہوگی اس کے ساتھ مزید برآں یہ ہوگا کہ جب اس غیبت کرنے والے کی تمام نیکیاں ختم ہو جائیں گی

تو اب ان تمام لوگوں کے گناہوں کو اس شخص کے ذمہ منتقل کر دیا جائے گا جس کا بالآخر انجام یہ ہوگا کہ وہ گناہوں کے بوجھ سے بوجھل ہو جائے گا جس کے نتیجے میں غیبت کرنے والا شخص دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ جہاں اسے مختلف قسم کے دردناک عذاب سے واسطہ ہوگا اور جہاں اس کا کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔

موجودہ وقت میں غیبت کو نہایت معمولی گناہ سمجھ کر اس میں خوب دلچسپی لی جاتی ہے جبکہ علمائے امت نے بالاجماع غیبت کو کبائرت میں شمار کیا ہے چنانچہ امام قرطبیؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ غیبت گناہ کبیرہ ہے مگر افسوس کہ اس وقت لوگ دن رات لوگوں کی غیبتیں کیا کرتے ہیں اور ہر ایسے و فقیہ کو سنا کہ ہر کس و ناکس کا گوشت وہ بھی مردار گوشت تھا کہ معاشرہ میں فتنہ و فساد پھیلانے میں مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ اس وقت عوام الناس کے ساتھ ساتھ علماء اور حفاظ بھی برابر کے شریک ہیں کہ ایک عالم دوسرے عالم کی، اور ایک حافظ دوسرے حافظ کی خوب جی بھر کر غیبت کرتا ہے اور اپنے آپ میں سرخروئی حاصل کر کے آخرت میں رو گئے عذاب کا مستحق بن جاتا ہے۔

غیبت کے احکام : غیبت کے سلسلہ میں متعدد احکامات کتب فقہ میں نقل کئے گئے ہیں اور غیبت کی قسمیں تفصیلی طور پر بیان کر کے ان کا شرعی حکم بھی واضح کیا گیا ہے جس کی قدرے تفصیل یہ ہے۔

- ۱۔ تقسیم غیبت باعتبار اسلام و غیر اسلام وغیرہ۔
- ۲۔ تقسیم غیبت باعتبار معاہدہ و غیرہ۔
- ۳۔ تقسیم غیبت باعتبار اجسام و ابدان، و لباس، وغیرہ۔
- ۴۔ تقسیم غیبت باعتبار زندگی و موت وغیرہ۔
- ۵۔ تقسیم غیبت باعتبار بالغ و غیر بالغ، نیز عاتل و غیر عاتل وغیرہ۔
- ۶۔ تقسیم غیبت باعتبار طرز زندگی و بود و باش وغیرہ۔
- ۷۔ تقسیم غیبت باعتبار حسب و نسب، و خاندان وغیرہ۔

- ۸۔ تقسیم غیبت باعتبار احوال و عادات وغیرہ
 - ۹۔ تقسیم غیبت باعتبار عبادات و مذہبی رسومات وغیرہ
 - ۱۰۔ تقسیم غیبت باعتبار اقوال، افعال، اعمال وغیرہ
 - ۱۱۔ تقسیم غیبت باعتبار نقل و حکایت، و ملاحضات و اشارہ و تقریریں وغیرہ۔
- یہ چھ طرز پر گیارہ قسمیں ہوئیں، ان میں سے ہر قسم کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

پہلی قسم ۱۔ الف: پہلی قسم یہ ہے کہ غیبت کرنے والا کو مذہب ہے اور کس شخص کی غیبت کر رہا ہے قرآن کریم نا آیت ولا یغتب بعضکم بعضا سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمان شخص کی غیبت ہر حال میں قطعی طور پر حرام ہے کیونکہ بعضکم میں کم کی تفسیر مسلمانوں کی طرف راجع ہے اور آیت کے معانی یہ ہوئے کہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کی غیبت نہ کرے لہذا کسی مسلمان کی غیبت درست نہیں ہے۔

ب۔ غیر مسلم کی غیبت: غیر مسلم کی غیبت اسلام دشمنی کی وجہ سے بعض حالات میں درست ہے جب تنہا اندیشہ نہ ہو جیسا کہ صاحب تفسیر کبیر علامہ فخر الدین رازیؒ نے بعضکم بعضا کی تفسیر بیان کرتے وقت یہ فرمایا ہے کہ کافر اور غیر مسلم کی غیبت درست ہے، لیکن اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس وقت احتیاط کا تقاضا ہے کہ ایسے میں کافر کی بھی غیبت سے احتراز کیا جائے۔

دوسری قسم: ایسے شخص کی غیبت کی جائے جسے مسلمانوں نے امن دے دیا ہو یا مسلمانوں سے اس کا کوئی معاملہ باپکا ہو یا اس شخص نے دارالاسلام میں مطیع و فرمان بردار ہو کر رہنے کا عہد کر لیا ہو جسے عرف عام میں مذہبی ہے ہیں ان تینوں صورتوں میں غیبت کرنا درست نہیں ہے کیونکہ جب یہ افراد مسلمانوں کے تابع ہو گئے تو ان سب کی عزت و آبرو اور ان سب کی جان و مال کو مبینہ کی مانند ہو گئی اور مسلمانوں کی طرح ان سب کی غیبت ناجائز حرام ہے جیسا کہ صاحب در مختار نے در مختار میں اس کی صراحت فرمائی ہے۔

سری قسم: بدالغ (جملہ لوگ وفات پا چکے ہیں ان کی غیبت کرنا اور ان کو برا بھلا کہنا یعنی مردوں کی غیبت کرنا۔ تو اس سلسلہ میں واضح رہے کہ زندوں کی طرح مردوں کو گالی دینا، برا کہنا، ان کی غیبت کرنا اور ان کی عیوب بیان کرنا یہ سب حرام ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پا جانے والوں کی غیبت کرنے کی منع فرمائی ہے چاہے وہ وفات پا جانے والے افروز زندگی میں گناہوں میں کثرت سے مبتلا رہے ہوں بھر بھی ان کی غیبت نہیں کرنی چاہیے چنانچہ متعدد احادیث مبارکہ میں مردوں کی غیبت کرنے سے منع

فرمایا گیا ہے۔ چند حدیثیں ملاحظہ ہو:

(۱) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا مات احدکم فدمعوه ولا تقفوا فیہ۔ (ابوداؤد)
کہ جب تم لوگوں میں سے کسی شخص کا انتقال ہو جائے تو اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دو، اور اس کے
غیبت نہ کرو۔

(۲) اور ایک دوسری حدیث میں فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے لا تسبوا الاموات، فانہم
افضوا الی ما قداموا۔ کہ جو لوگ اللہ کے حضور پہنچ چکے اور اس دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر چکے
ایسے لوگوں کو بُرا مت کہو اور نہ ہی انکو گالی دو، کیونکہ انہوں نے دنیاوی زندگی میں جیسے اعمال کئے تھے
وہ ان کی جزا و سزا تک پہنچ چکے ہیں اور انکو ان کے اعمال کا بدلہ مل چکا ہے۔

(ابن حبان و کتاب الترغیب والترہیب)

(۳) ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اذکروا محاسن موتکم، وکفوا عن
سایعہم: کہ تم لوگ (مسلمانو) وفات پا جانے والوں کے محاسن، ان کے اوصاف حمیدہ اور ان کی اچھی
عادتیں ذکر کیا کرو ان میں جو جو خوبیاں تھیں انکو بیان کیا کرو اور ان سے جو کوتاہیاں سرزد ہو گئی ہوں
ان کے بارے میں اپنی زبان کو روک رکھو اور کبھی غفلت میں بھی ان کی ان کوتاہیوں اور بُرائیوں کو
ذکر نہ کرو۔ (ابوداؤد شریف)

حضرات صحابہ کرام میں سے حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت ابوداؤدؓ کے متعلق حضرت امام غزالی
نے احیاء العلوم میں تحریر فرمایا ہے کہ ہر دو حضرات اکثر قبرستان جایا کرتے تھے اور جب لوگوں نے کثرت سے
قبرستان جانے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ قبرستان جا کر ایسے لوگوں کی صحبت نصیب ہوتی ہے جو آخرت
کو یاد دلاتے ہیں اور زندوں کے برخلاف نہ تو ہماری شکایتیں کرتے ہیں اور نہ ہی غیبت کرتے ہیں۔
(احیاء العلوم ص ۲۰۱)

نیز اس موقع پر یہ بھی خیال رہے کہ (۱) بعض اوقات مرنے والے کا چہرہ کسی وجہ سے سیاہ ہو جاتا ہے

(۲) یا بعضی وقت مرتے وقت کلام اللہ یا اللہ زبان سے نہیں نکلتا ہے (۳) یا دفن کرتے وقت کسی غدا
الہی کا ظہور اور مشاہدہ ہو جاتا ہے تو لوگ ایسے شخص کو بہت لعنت ملاست کرتے ہیں اور اس شخص
کی ہر نصیبی کا ذکر کر کے اسے مغوس سمجھتے ہیں واقعہ یہ بھی غیبت میں داخل ہے لہذا ایسے گناہگار کی

بہر بھلانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

حضرت مولانا عبدالحی فرنگی علی گھنویؒ نے اس سلسلہ میں ایک واقعہ نقل کیا ہے فرماتے ہیں: میرے زرگوں میں سے حضرت مولانا محمد اظہار الحق گھنویؒ کے انتقال کے وقت ان کی زبان سے کلمہ نہ نکلا اور نہ ہیتر و تکفین کے سب لوگ گھر سے باہر نکل آئے تو کچھ لوگوں نے بطور طعن چند جملے ایسے کہے جو بہت خطرناک تھے اور ہاں تک کہا گیا کہ وہ کیسے مولانا تھے ظاہر میں تو نہایت مستحق اور بہرہیزگار تھے لیکن مرے وقت زبان سے کلمہ بھی نہ نکل سکا۔ یہ بات گھر والوں کے لئے بہت زیادہ تکلیف کا باعث ہوئی اور ہم سب کو بہت رنج و ابھاری رنج و غم کی کیفیت طاری ہی تھی کہ حضرت مولانا مرحومؒ نے دونوں پاؤں سمیٹے ہوئے بلند آواز سے **لہ لہ لا الہ الا اللہ** پڑھا کہ حاضرین تک نے اس کو سنا اور لعن و لعن کرنے والوں تک کو بھی اس کلمہ کی آواز سنائی دی تب ان لوگوں نے معافی مانگی اور انھیں کو لوگوں نے مطعون کیا۔

(زجر الشیطان والشیئۃ عن ارتکاب الغیبۃ ص ۱۹)

رب زندوں کی غیبت کرنا: یہ عام ہے خواہ زندوں میں اپنے رشتہ دار ہوں یا عام لوگ سبکی غیبت کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

چوتھی قسم: بالغ اور غیر بالغ نیز عاقل اور غیر عاقل کے اعتبار سے غیبت کرنا کہ اگر وہ غیر بالغ یا غیر عاقل دیوانہ) جو اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہو اور اپنی بُرائی کے بیان ہونے سے ناخوش ہو دو حالتوں میں ایسے دیوانوں اور نابالغوں کی غیبت بھی ناجائز ہے۔

البتہ بعض فقہار نے ایسے دیوانوں کی بابت جو اپنے عیوب کے بیان ہونے سے نہ تو ناخوش ہوتے ہوں اور نہ ہی اپنی تعریف سے خوش ہوتے ہوں تو ایسے دیوانوں کی غیبت درست ہے بشرطیکہ اس کا ذی قضا اور قرابت دار نہ ہو تاکہ اس سے اس کو رنج نہ ہو سکے۔ لیکن فقہار نے ایسے لوگوں کی غیبت کرنے سے بھی منع کیا ہے۔

پانچویں قسم: کسی کی اس کے جسم لباس اور اعضاء کے اعتبار سے غیبت کرنا۔ جس کا مقصد ذلیل کرنا اور سوا کرنا ہو، مثلاً یہ کہنا کہ فلاں شخص بہت موٹا ہے۔ فلاں بہت پستہ غذا اور کوتاہ قد ہے۔ اس کی ناک بہت لمبی ہے اس کی آنکھ بہت چھوٹی ہے، یہ شخص بہت زیادہ کالا ہے۔ وہ تو بہرا ہے، یہ تو کم سن ہوا ہے۔ تو اتنا اندھا ہے کہ کسی چیز کو دیکھتا ہی نہیں اس کا ہاتھ ایک طرف سے لمبا ہے۔ اس کا ایک پیر چھوٹا ہے۔

وہ تو عقد سے زیادہ طویل ہے۔ غرضیکہ بدن اور جسم کے وہ محبوب بیان کرنا جس سے کہ متعلقہ اشخاص کی تحقیر ہو۔ ان سب کی مانند ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ سے ایک مرتبہ صرف اس وجہ سے ناراضگی ظاہر کی تھی کہ انہوں نے ایک خاتون کے ہستہ قد ہونے کو عیب دار بتایا تھا۔

(ابوداؤد شریف)

چھٹی قسم: کسی کے طرز زندگی پر کچھ بڑا اچھانا، کہ فلاں تو نہایت غیر مہذب طریقے سے زندگی گزار رہا ہے اور فلاں کے طریقہ زندگی میں یہ خرابیاں ہیں۔ کھانا بے ڈھنگے طریقے سے کھاتا ہے، پانی ایک ہی سانس میں جانوروں کی طرح پی جاتا ہے وغیرہ۔

سہا تو میں قسم: کسی کو نسب کے اعتبار سے بدنام اور رسوا کرنا کہ اسے تم کیا بات کرتے ہو اس کا تندیہ تک درست نہیں ہے اور فلاں فلاں لوگوں کے آباء و اجداد نہایت رذیل تھے وغیرہ، اور یہ مرض تو اب بہت عام ہو گیا ہے کہ ذات بات کی بنیاد پر پوری پوری عصیت جاہلیہ کی عادتیں کھڑی کی جاتی ہیں۔ آٹھویں قسم: معاشرہ میں بعض فطری کمزوریوں پر نشانہ ہی مارتے ہوئے اس کے عادات و اطوار پر انگلی اٹھانا۔ فلاں بہت سوتا ہے۔ اسے کام کرنے کا سلیقہ نہیں وہ تو نہایت بے وقوف شخص معلوم ہوتا ہے اسے وہ تو نہایت بازاری قسم کا آدمی ہے۔ ہمیشہ لوگوں کو اس کی بے وقوفی سے پریشان ہونا پڑتا ہے۔ سونے پر آجائے تو دن چڑھے تک سوتا ہی رہتا ہے وغیرہ۔

نویں قسم: کسی شخص کی عبادات میں خامی اور کمی تلاش کرنا، اور اس کو عام کرنا، مثلاً فلاں رکوع صحیح طریقے سے ادا نہیں کرتا۔ اور نہ ہی اچھی طرح نماز پڑھتا ہے۔ تہجد سے تو اس کو کوئی واسطہ ہی نہیں ہے اور نوافل کا حال اللہ جلنے، اگر کبھی نماز کی توفیق ہو گئی تو مگر وہ وقت میں ادا کرتا ہے۔ غرضیکہ اس کی مذہبی عبادات میں نقصان تلاش کر کے اس کو رسوائی کا ذریعہ بنانا۔

دسویں قسم: کسی کی بات، کسی کی کوئی حرکت، اور کسی کا کوئی کام اس انداز سے پیش کرنا کہ اصل فرد کو جب وہ بات معلوم ہو تو رنج پہونچے، مثلاً فلاں تو بہت جھوٹ بولتا ہے، اور شراب پینے کی تو اس کو عام عادت ہے، اکثر جوری کرتا ہے، فلاں بہت بدن بان ہے بات بات پر گالی دیتا ہے۔ غرضیکہ اس کی کوئی معمولی سی حرکت بے جا کو بڑی غیر معمولی حرکت کے طور پر پیش کر کے اس کو رسوا کرنا۔ بدقسمتی سے یہ مرض آج کے علمائے سو میں بہت عام ہو گیا ہے۔

نیار ہویں قسم کسی کی غیبت کرنا اس کے کسی واقعہ کو بنیاد بنا کر، یا اس کی طرف کوئی غلط بات منسوب
سکے۔ غیبت صراحتہ بھی ہوتی ہے اور کبھی یہ غیبت اشارۃً بھی ہوتی ہے چنانچہ بعض مرتبہ ایک شخص
مجلس میں بیٹھا ہوا ہے اسے علم نہیں ہے لیکن فتنہ پرور شخص اس کی طرف اشارہ اور کہنا یہ ہے ایسی کوئی
بات منسوب کرتا ہے جو باعث تکلیف ہوتی ہے۔ کبھی کوئی لنگڑا ہے یا ٹولا ہے اب دوسرا شخص جو تندرست
ہوتا ہے وہ اس کے لنگڑے پن کی نقل آتا رہتا ہے۔ کوئی بولنے میں معذور ہے تو دوسرا شخص اس کے گونگے
کی نقل آتا رہتا ہے۔ بعض اوقات ایک شخص کسی کا نام نہیں لیتا لیکن قرائن ایسے پیش کرتا ہے کہ ہر شخص
ذہن متین شخص کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے غرضیکہ نقل و حکایت صراحتہ و اشارہ ہر طریقہ سے
ست کی جا سکتی ہے۔

مذکورہ بالا قسمیں تو اس وقت عام ہیں اور یہ سب قسمیں غیبت میں داخل ہیں لہذا ہمیں ان تمام
دورہ بالا طریقوں سے بچکر زندگی گزارنا چاہیئے اور کسی بھی طریقہ سے خواہ وہ مذہب کے نام پر ہو یا جسم
رلباس کے اعتبار سے ہو اور طرز زندگی اور طریقہ عبادات کے اعتبار سے ہو یا حسب نسب اور خاندان
کے اعتبار سے ہو ہر طریقہ کی غیبت حرام ہے۔ اور اس کی قرآن و سنت میں عام ممانعت ہے لہذا ہم
تمام اقسام میں غور کر کے غیبت کے ہر طریقہ سے بچ کر اس بدترین کبیرہ گناہ سے خود کو محفوظ رکھ
رہاں اسلامی طریقہ پر زندگی گزارنے کا عہد کریں اور اسلامی معاشرہ میں اسلامی تعلیمات کو
ام کرنے کا ذریعہ بن کر لوگوں کو اپنے کیر کڑ اور کردار سے اسلام قبول کرنے کا ذریعہ ثابت ہوں۔
اللہ رب العزت ہم سب کو غیبت سے محفوظ فرما کر اپنی خوشنودی عطا فرمائے۔ (رأین)



قسط ۳

قطعاتِ وفاتِ شعرائے اردو

عبدالرزاق خان ایم اے ہسٹری اور نئے کلاسیک (راج)

یا ہا پانون جیم تانوں کاف الف ہا یان و او حابا الف فون یا سین یا یا الف فون یا سین
۱۸۷۳ نیئر پہلے مصرع میں "ملا لیتا" سے مراد ایک عدد کا تذکرہ ہے لہذا ۱۸۷۳ء۔ لیکن
ہجری سنہ کے لئے ہمارے معلومات کی حد تک کئی محضرات نے بغیر حل کے آگے ۱۲۹۱ رکھ
دیا ہے۔ جبکہ ہجری سنہ زبر و بینہ کے ذریعہ نہیں بلکہ ضعیف ضرب میں ہے۔ قرینہ
پہنچن سے واضح ہے یعنی برائے ہجری سنہ مادہ "انیس ہائے انیس" ہے جن کے اعداد
(۲۵۸) ہوتے ہیں۔ ان کو پانچ سے ضرب دیا تو ۲۵۸ x ۲۹۰ = ۱۲۹۰ حاصل ضرب آیا۔ اس میں ملا لیتا
کی رو سے ایک عدد کا تذکرہ کر دیا تو ۱۲۹۱ حاصل ہو گیا۔ رئیس سہلیس، نفیس وغیرہ انیس کے
بیٹے اور جلیس پوتے کا نام ہے۔ آغا تجو شرف نے بھی بہت عمدہ تاریخی قطعہ کہا :-

شیر کی دلا سے جنابِ انیس کو	فردوس میں ملا ہے عجب گلشنِ نفیس
دنیا میں انکو عشقِ دل تھا حسین سے	مداح تھیرے، منتقدان کے تھے سب رئیس
ممبر بلا جانا میں تو رضواں نے یوں کہا	تم ہو خطیبِ عرشِ الہی کے ہم جلیس
اُن کے بیاں پہ وجد میں روح القدس ہو	کہنے لگے سنی نہیں ایسی زباں سلیس

عالم نے کی دعا منہ رحلت میں اے شرف

"روحِ اسین عرشِ مبارک ہواے انیس" ۱۲۹۱ھ

”طوبیٰ سبب لکم“ ”طوبیٰ سبب لکم“ ”طوبیٰ سبب لکم“
 زبر و بینات لیتے ہوئے حل کیا گیا ہے مثلاً ایک حل ملاحظہ فرمائیں:-

”طوبیٰ سبب“ کا زبر (۳۳۶) ”جے“ کا زبر و بینہ (۱۳) ”کلیم اللہ“ کا زبر (۱۶۶) ”قرہ منبر“ کا زبر (۱۶۶) کا زبر و بینات (۱۶۶)۔ ۱۲۹۱ھ۔ یعنی مکمل مادہ ضعف زبر و بینہ میں نہیں ہے اس طرح ٹکڑوں میں تاریخ کم از کم بیس طرح حل ہوتی ہے گویا نہایت دماغ سوز اور کھچڑے بھری ہے جو علاحدہ مضمون کی متقاضی ہے۔ بعض دیگر تاریخوں کو ہم نے مضمون کی طوالت کے مدنظر یہاں حذف کر دیا ہے۔

دبیر: سلامت علی نام ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ چھ سات برس کی عمر میں اپنے والد مرزا غلام حسین کے ہمراہ لکھنؤ چلے گئے۔ پندرہ برس کی عمر میں مرثیہ گوئی شروع کی اور آخری دم تک مرثیہ گوئی کرتے رہے۔ ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۵ء میں لکھنؤ ہی میں وفات پائی۔ سید حسن لطافت نے تاریخ کہی، جو لطیف تعمیہ (تخریج) میں ہے۔

صائب وقت انوری عمر سحان جہاں	دعبل دوران و حسان زماں مرزا دبیر
صاحب عز و شرف مدارج آل مصطفیٰ	تھے فرزدق مرتبہ روح القدس کے مصفر
سمت ملک با و دل اس دار فانی سے گئے	داغ بر دل خاک بر سر غم سے ہیں برنا و پیر
روزِ شنبہ تھا اور سبجِ عمر م وقت صبح	ماتم شہر میں ہوئے یہ ماہِ الم کے ساتھ اخیر دکن

۲۶ پندرہ روزہ ”شام“ اگرہ یکم دسمبر ۱۹۳۱ء ص ۹۔

عہ ہر مہینے کی آخری تاریخ کو سلخ کہتے ہیں۔ ۱۲۔

سید محمد علی جوہا کے دو قطعات (اردو) خیابان تاریخ صفحہ ۶۰ پر دیکھیں۔ دبیر نے وفات انیس پر جو تاریخ لکھی اس کا خنجر سال بیت ہے:-

سال تاریخش بزبر و بینہ خد زرب نظم "طوری سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس" ۱۲۹۱ھ
اس تاریخ پر سائنڈہ فن میں زبر و ست اختلافات ہیں کیونکہ مادہ مختلف ٹکڑوں کے زبر یا بینہ یا زبر و بیات لیتے ہوئے حل کیا گیا ہے مثلاً ایک حل ملاحظہ فرمائیں:-

"طوری سینا" کا زبر (۳۳۶) "بے" کا زبر و بینہ (۱۳۷) "کلیم اللہ" کا زبر (۱۶۶) "و منبر بے انیس" کا زبر و بیات (۷۷۵) = ۱۲۹۱ھ۔ یعنی مکمل مادہ حضرت زبر و بینہ میں نہیں ہے۔ اس طرح ٹکڑوں میں تاریخ کم از کم بیس طرح حل ہوتی ہے گویا نہایت دماغ سوز اور بکھڑے بھرے ہیں جو علاحدہ مضمون کی متقاضی ہے۔ بعض دیگر تاریخوں کو ہم نے مضمون کی طوالت کے مد نظر بیان حذف کر دیا ہے۔

دبیر: سلامت علی نام ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ چھ سات برس کی عمر میں اپنے والد مرزا غلام حسین کے ہمراہ لکھنؤ چلے گئے۔ پندرہ برس کی عمر میں مرثیہ گوئی شروع کی اور آخری دم تک مراثنیٰ کہتے رہے۔ ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں لکھنؤ ہی میں وفات پائی۔ سید حسن لطافت نے تاریخ لکھی، جو لطیف تعیہ (تخریج) میں ہے۔

صائب دقت آفرین عصر سہجائے جہاں	دعبل دوران و حسانِ زماں مرزا دبیر
صاحبِ عز و شرف مداحِ آلِ مصطفیٰ	تھے فرزندِ دق مرتبہ روح القدس کے مصیفر
سمتِ ملکِ جاوہاں اس دار فانی سے گئے	دارغِ بردلِ خاکِ بر سرِ غم سے ہیں برنا و پیر
روزِ شبہ تھا اور سنجِ محرم وقت صبح	ماہِ شہ میں ہوئے یہ ماہِ الم کے ساتھ ایفر و کنا

۲۶ پندرہ روزہ "شہ" اگرہ یکم دسمبر ۱۹۳۱ء ص ۹۔

۷ ہر مہینے کی آخری تاریخ کو سلخ کہتے ہیں۔ ۱۲۔

مدد حیدر میں عجب تھاجد اور خوش و خوش
 ہر طرف اللہ نے انکو کیا تھا اہل دل
 تھے رجوع قلب سے شاگرد دیگر و غیر
 ہائے وہ گریہ نہ وہ شہرے نہ وہ جم غفیر
 قاصد جب نیکے فکر سال جب محکو ہوئی
 اُئی ہاتف کی صدا یہ تخرجہ ہے بے نظیر
 ہاں الم سے سراوٹھا کر لکھ دے تاریخ و قات

"باغ بے بیل ہے، ہندوستان لطافت بے دیر" ۱۲۹۲ھ

مادہ کا حل :- باغ + بیل + ہندوستان - دیر

(۳-۱۰-۶۳) + ۹۳۹ (۵۷۰-۲۱۶) = ۳۵۴ = ۱۲۹۳، لیکن پہلے مصر

کی رو سے "الم" کا سریتی الف کا ایک عدد اور اٹھایا (ساقط کیا) جائے گا۔ ۱۲۹۳-۱ = ۱۲۹۲
 لیکن واضح ہو کہ "بے" ہمیشہ تخرجے کے لئے ہی نہیں آتا۔ بعض ترکیب میں "بے" نافید شامل رہتا ہے
 مثلاً بے نیاز بے پرواہ، بیدل، بیدماغ و غیرہ اور تاریخ میں قرینے نیز وسعت مطالعہ سے یہ
 احساس ہو جاتا ہے کہ یہاں "بے" برائے نفی استعمال نہیں ہوا ہے۔ مثلاً شہزادہ مرزا جہانگیر ابن
 اکبر ثانی متوفی ۱۲۳۷ھ کے قطعہ کا بیت تاریخی ہے۔

شد عیاں این مصرعہ از ترکیب "آہ"

"حیف بے رونق الہ آباد گشت" ۱۲۳۰ + ۷ = ۱۲۳۷ھ

"آہ" کے سات عدد دیتے ہوئے تاریخ مکمل کی گئی ہے۔ یہاں "بے رونق" میں بے نفی کا نہیں ہے۔

آغا جوشربا نے انیس و دیر کی ایک مصرع سے تاریخیں برآمد کی ہیں:

"ہے ہے غم انیس میں" "غم ہے دیر کا"

نکمی نے ایسے یوں کہا: "غم انیس میں ہے" دیا دیر کا غم ۱۲۹۱ + ۷ = ۱۲۹۲ھ

۱۷۷۳ھ حضرت شیخ کی عید۔ ریاض طانت ص ۶۳-۳۶۳۔

۱۷۷۳ھ ماہنامہ نیا دور فروری ۱۹۹۵ء (۱۷۷۳) تاریخ ادب اردو ص ۲۷۷۔

محرر: شیخ امجد علی نام اور محرر تخلص تھا۔ ناسخ کے تلامذہ میں سب پر گوئے سبقت دے گیا۔

۱۲۹۵ھ میں رحلت کی۔ شیخ محمد بان شاد لکھنوی نے صفت ہمد و حسا یہ میں عالی تاریخ لکھی:

ہمدے کے حرف مصرعہ محسر بحر کے یوں سنیں شاد لکھو

چھ دہائی سے جو طرہیں آحاد ضرب وہ سات، پانچ میں کر یو

ہو چکیں ضرب جب وہ سات اعداد سیکڑے پھر سہ چند کیجئے تو

رحلت تحریر کی یہ ہو تاریخ

”آشنا تھا غریب رحمت ہو“ ۱۲۹۵ھ

مادہ کے حروف ہمد یہ ہیں :- ”آ + ا + ہ + و + ی + ر + ے + م + ن + ہ + و + ی + ب + ج + د + ان کے اعداد

کا میزان ۴۶۷ ہوتا ہے۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرع کی رو سے چھ دہائی یعنی ساٹھ سے (۷) بڑھ ہے

ہیں، ان کو چوتھے مصرع کی رو سے (۵) سے ضرب کیا۔ ۳۵۰ × ۷ = ۲۴۵۰ ہوئے۔ اب چھٹے مصرع کے بموجب

سیکڑے یعنی (۴۰۰) کو (۳) سے ضرب دے کر سہ چند کیا تو ۳۰۰ × ۱۲۰۰ = ۳۶۰۰۰ ہوئے۔ اب ۳۵۰ + ۶۰

(جو اپنے مرتبہ پر موجود تھا) + ۲۰۰ کا میزان کیا تو ۱۲۹۵ حاصل جمع آیا اور یہی، بجزی سنہ مطلوب تھا۔

اسیر: منشی مظفر علی خاں اسیر لکھنوی مصحفی کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ امیٹی میں پیدا ہوئے

نوابان اودھ سے مدبر الملک بہادر جنگ کا خطاب پایا جو راسی برس کی عمر میں سترہویں ربیع الاول

۱۲۹۹ھ کو درجے لکھنویں رحلت فرمائی۔ کاظم حسین کاظم پھونڈوی اور دیگر شعرا نے تاریخیں

کیں۔ کاظم کا قطعہ جو حسن نقاد کا اعلان نمونہ ہے، پیش ہے :-

گزرے جہاں سے آہ مظفر علی اسیر آگاہ خاص و عام ہیں اونکی صفات سے

فنی سخنوری میں وہ استادِ وقت تھے تھا شاعری کا رتبہ بلند اونکی ذات سے

گواک جہاں کو رنج ہے اونکے فراق کا تھے نیک، راحت اونکو ہے اپنی وفات سے

دینا ہے سچن مومن اور اوس سے رہائی موت وہ کون ہے جو خوش نہوا اپنی نہات سے
(مطبوعہ حصہ چہ پانچ مصرعہ اول)
کالم نے سالِ بھری مرگ ادا کیا یہ لکھا

"اچھا اسیر چھوٹا قید حیات سے" ۱۲۹۹ھ

نواب نیاز احمد خاں ہوش بریلوی نے صنعت انگشتان و انامل (انگلیوں اور پوروں) میں
درج ذیل غولہ صورت قطعہ کہا:

اسیر خوش سیر خوش وضع خوش فکر ہوئے راہی سوئے دار البقا جب
تو ہاتف نے برائے سال یہ بات سوائے نراٹھا دیں انگلیاں سب
مگر گن گن کے دوا انگلی کے پورے کہا لکھ لے انھیں اے ہوش تو اب
رہیں باقی جو دو ان کا سرِ اکبر جھکا دینا کہ ہو جائے مودیت ۱۲۹۹ھ

حل: قطعہ میں حروفِ ابجدی کے بجائے صرف ہاتھ کی انگلیوں اور پوروں کے ذریعہ مطلوبہ
سال برآمد کیا ہے یعنی چوتھے مصرعے کے بموجب نراٹشت یعنی انگوٹھے کو چھوڑ کر باقی چار
انگلیاں اسٹادی جائیں پھر دوا انگلیوں کے پوروں کو دو بار گنا جائے کیونکہ ہاتف نے تاریخ کو
سے دوا انگلیوں کے پوروں کو گن گن کے "اب" لکھنے کو کہا ہے یہ محض اشارہ ہے اصل عدد پوروں
کو دو بار گننے سے حاصل ہوتا ہے، وہ یوں کہ ایک انگلی کے تین پورے ہوتے ہیں لہذا دوا انگلیوں
کے چھ پورے اور دو بار گننے پر بارہ (۱۲) اس طرح ہزار اور سیسکڑے کے اعداد حاصل ہو گئے۔
باقی دوا انگلیوں کے سرِ کبر کو جھکا دیں، دونوں "۹۹" بن جائیں گی اس طرح ۱۲۹۹ حاصل ہو گئے
مراد پہلے پورے کو جھکا دینے سے ہے یہ دونوں (۹۹) اکائی و دہائی پر شمار ہوں گے۔

لطافت! سید حسن لطافت صاحب دیوان شاعر تھے تاریخ گوئی کا ملکہ راسخ تھا! ۳۱ھ

میں وفات پائی۔ اُن کے تلامذہ میں سے بیشتر نے قطعات وفاتِ لطافت کہے۔ ان میں سے دو دوتین پیش ہیں شیخ رحیم بخش نے یہ قطعہ کیا۔

اوتھے میرے استاد دنیا سے ہائے نہ باقی رہا شاعری کا سزا
ہوئی طبع کو فکرِ تاریخ جب تو یہ ہاتھ غیب نے دی ندا
رقم کر پئے سالِ ہجری کلیم "فنا آج بے مثل شاعر ہوا" ۱۳۱۱
منشی امیر احمد مینائی نے بالکل نرلے انداز کی تاریخِ بزبانِ فارسی کہی، جس کی مثال شاید ہی ملے:

خرد چوں وفاتِ لطافت شنید پئے سالِ رحلت بہرِ سود و دید
گزشت از شمارِ حروف و نقاط ہم از مصرعِ سالِ اصناف کشید
پس آنگہ بگفتا کہ بشنوا میر

"لطافت، محمد لطافت رسید" ۳۳

یعنی عقل نے جب لطافت کی وفات کی خبر سنی تو (وہ) برائے سالِ ہر طرف دوڑی (تب) اس نے مصرعِ سال میں سے حرفوں اور نقطوں کو گن کر خارج کیا اور ساتھ ہی اصناف بھی کھنچ لی (ساقط کر دی) تو (عقل نے) اُسی وقت کہا کہ امیر سُن: "لطافت محمد لطافت کشید" سے سالِ رحلت برآمد ہوتا ہے۔ حل یہ ہے کہ مادہ کے تمام حروف سترہ (۱۷) ہیں، نقاط نو (۹) اور اصناف ایک (۱)۔ ان کا میزان $۱۷ + ۹ + ۱ = ۲۷$ ہوا۔ اور مصرعِ مادہ کی کل قیمت ۱۳۲۸ ہوتی ہے۔ اس میں سے ۲۷ عدد ساقط کئے تو $(۱۳۲۸ - ۲۷) = ۱۳۰۱$ حاصل ہو گیا جو مطلوب تھا۔

نیر: نواب فیاض الدین احمد خاں نیر کی ذاتِ گرامی محتاجِ تعارف نہیں۔ نیر نے ۱۳۰۲ھ میں وفات پائی۔ میر مہدی مجروح نے تاریخِ مرثیہ کہا جسے حضرت دہلی مرحوم کا مرثیہ کہنا بھی سہا ہے:

شہرِ دہلی کو تفوق تھا انہیں باتوں سے
مغفل شعر کے تھے مددِ نشینوں میں ہی
مولوی علوی و صہبائی و ذوق و مومن
تھوڑے ہی عرصے میں دیراں کدہ دنیا سے
ان میں سے ایک یہ تھے حضرت نیرِ باقی
بادہ پیمائے اجل ہو گئے سرِ سبِ سخن
میکدہ ہو گیا سنان، پڑے ہیں ہر سر
کہ نظر آتے تھے ہر فن کے بیان اہلِ کمال
غالبِ سحرِ بیاں، شیفۃ مغزِ مقال
اونہیں ہر ایک سخنِ سخن تھا جملِ مثال
راہِ پئے ملکِ عدم ہو گئے یہ نیکِ خصال
آہ اونکے بھی لئے آگیا پہنجامِ زوال
اب نہ وہ بزم، نہ وہ ساقیِ خورشیدِ جمال
ٹوٹے پھوٹے کہیں ساغر تو کہیں ہامِ بحال

”اب وہ باقی نہ رہی رونقِ شہرِ دہلی“ ۱۳۰۲ھ

بہرِ تاریخ یہ کیا خوب ہے ہاتھ کا تھلا

مولانا الطاف حسین حالی نے نواب صاحب کے سانچے ارنحال پر فارسی میں صنعتِ خارجی
و داخلی میں یہ خوبصورت قطعہ کہا:

و برداکہ ضیاءِ دین احمد بر بزمِ رختِ سفر از جہاں کہ جائے الم ست
از طاق و زایوان و بزم و مجلسا
بگستہ بہ ”رحمتِ الہی“ بیوست

یعنی ہائے افسوس کہ ”ضیاءِ دین احمد“ نے اس جہان سے جو کہ جائے الم ہے، جانے کے لئے
سلمانِ سفر باندھ لیا، اور ”طاق و زایوان و بزم و مجلسا“ (ہمنشیاں) سے رشتہ توڑتے ہوئے،
”رحمتِ الہی“ کے ساتھ بیوست ہو گیا۔ تاریخِ اسطرّاح حاصل ہوتی ہے کہ ”ضیاءِ دین احمد“ کے
اعدادِ ہمزہ کا ایک عدد محسوب کرتے ہوئے، (۹۲۹) ہوتے ہیں، ان میں سے ”طاقِ الزوان“
بزم اور مجلسا کے اعداد ۳۲۱ ساقط کر دیئے جائیں تو (۶۰۸) حاصل باقی آئے گا۔ اب

۳۵ منظرِ صافی معروف بہ دیوانِ مجروح م ص ۳۸۰-۳۹ سرگز پر پریس دہلی ۱۳۱۶ھ

۳۶ دیوانِ حال م ۱۸۲ انوار المطالع لکھنؤ ۱۵ اگست ۱۹۲۲ء

۶۰۸ عدد "رحمت الہی" کے عدد (۶۹۴) میں جمع کر دیئے گئے تو ۱۳۰۲ حاصل ہو گئے
مختصر صورت یہ ہوگی (۹۲۹-۳۲۱+۶۹۴) ۱۳۰۲ء۔

ہوش و نواب نیاز احمد خاں ہوش بریلوی نسیرہ حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں
صاحب بہادر روہیکھنڈ، ۱۸۳۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۹۲ء (۱۳۰۲ھ) میں راہی ملک بقا
ہوئے۔ ہوش بریلی کے مشہور شاعر، مورخ اور طبیب حاذق تھے۔ اُن کو قصیدہ نگاری میں
یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ دو دمان روہیلہ کے بے حد ہرولعزیز فرد اور مربی سخن تھے۔ ہوش کی
عرفیت بنے میاں تھی۔ قطعہ وفات مولوی سید تاسم علی خاں خواہاں بریلوی نے کہا ہوش
کی لوح قبر پر یہ کتبہ کندہ ہے:-

"آرامگہ طبیب زمن نواب نیاز احمد خاں ہوش اعلیٰ اللہ مقامہ" ۱۸۹۲ء خواہاں کا

قطعہ یہ ہے:

اوٹھ گیا فخر خاندان کیا	صدائے جاوداں ہے دنیا کو
نام نامی نیاز احمد خاں	ہر زبان بر زبان ہے دنیا کو
دفن زیر زمیں ہوا نواب	غم تہ آسماں ہے دنیا کو
آن حکیم و مورخ و شاعر	جو ہر اس کا عیاں ہے دنیا کو

لکھ یہ تاریخ فوت ایسے خواہاں
"غم بنے میاں ہے دنیا کو" ۱۳۰۹ھ

دیگر از راجہ عنایت سنگھ عنایت:

از روئے الم کہو عنایت تاریخ
"جنت کو گئے نیاز احمد خاں واٹے" ۱۳۰۸ء ۱۳۰۹ھ

عزیز: نواب عبدالعزیز خاں عزیز بریلوی رئیس بریلی حافظ رحمت خاں کی وفات
۱۴ ربیع الثانی ۱۳۰۹ھ میں ہوئی۔ جب انہیں دفن کیا جا چکا تو نواب نیاز احمد خاں ہوش نے جن
کی وفات عزیز کے کچھ دن بعد ہی ہوئی، فی البدیہہ یہ قطعہ کہا:

”عزیز مصر سخن چل دیے عدم جو آج“ تو رنج و غم ہوا اتنا شمار جس کا نہیں

برائے سال تو اسے ہوش پہلے مصر ہے

شاوے شرط کہ اس وقت کام اس کا نہیں ۱۳۰۹ھ

پہلے مصر کے اعداد جو کہ مادہ ہے ۱۳۱۸ ہوتے ہیں، مگر چوتھے مصر کے رؤسے اس میں
سے حرف شرط ”جو“ کے (۹) عدد کا استقام کیا جائے (۱۳۱۸-۹) ۱۳۰۹ء تو مطلوب ہجری سنہ حاصل
ہو رہا ہے۔ اس تاریخ پر سالم الاعداد تاریخ بھی تسلیم کرتی ہے۔

سفلی: غنایت اللہ خاں نام عرف کالے خاں۔ رامپور میں تقریباً ۱۲۴۶ھ میں پیدا ہوئے۔
والد کا نام عظیم اللہ خاں۔ اگر وہ میں اگر رہائش اختیار کی۔ غنایت و سفلی تخلص تھے۔ بڑے
مزاہمت شاعر تھے۔ بروز جمعہ دہم صفر ۱۳۱۶ھ میں انتقال ہوا۔ انور نے قطعہ تاریخ کہا جس سے
سفلی کے اوصاف و شخصیت پر بھی واضح روشنی پڑتی ہے:- امام الدین خاں انور رامپوری
کا کہا ہوا قطعہ یہ ہے:-

غنایت اللہ کہ مشہور تھے جو کالے خاں	ہوئے طفیل محمد غریبی رحمت رب
صفر کی دسویں کو جمع کے دن جو حلت کی	گئے بہشت میں الطاف کبریا کے سبب
بڑے فصیح و بلیغ و ظریف شاعر تھے	جز غر بند انہیں جانتے تھے اہل عرب
یہ لطف ہے کہ لطیف تھا ان کا ہر فقرہ	ہر ایک بات میں کتنے ہی معنی و مطلب
کمال پاک طبیعت فرشتہ طہنت مُرد	جہاں میں ہوتے ہیں انسان الیہ پد ایک

خوش اعتقاد و خوش اخلاق، خوش نرِس و ذکی و فاشعار عبادت گذار اہل ادب
سخی و منکسر و نیک خو، کریم النفس! حلیم و صابر و ہر دل عزیز و خیر طلب
ہر ایک مذہب و ملت کے خاص و عام انکو عزیز رکھتے تھے اور ان کے ہیں نانا و نیاں سب

سر و شایہ غیب سے انور نے یہ سنی تاریخ

”عنایت اللہ“ ہے رحمت الہی ایشیہ“ ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء

شاد! شیخ محمد جان شاد لکھنوی پیر و میر بعلفہ فاج ریح الآخر ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۹ء
مطابق سمت ۱۹۵۶ ہجری میں فوت ہوئے۔ راجہ عنایت سنگھ عنایت لکھنوی نے قلم و تاریخ
وفات کہا:-

لکھنؤ غالب ہوا جاتا ہے، جنت آباد عیش کے بعد گئے شاد بھی اس عالم سے

لکھنؤ سمت میں عنایت زسر آہ و بکا

”عیش جی جب نہیں تو شاد یہاں کیا کرتے“ ۱۹۵۶ء = ۱۹۵۶ ہجری

مولانا محمد عبدالرحیم کلیم لکھنوی نے فارسی میں تاریخ لکھی :-

نکتہ دانے شاعرے در لکھنؤ کرد انتقال یادگار میر و سودا بوداں والا نثر ادا

سال مرگش در سن ہجری نوشتم اے کلیم

”موجب گلہا بجنت شد محمد جان شاد“ ۱۳۱۶ھ

امیر مینائی؛ منشی امیر احمد اسیر مینائی مولوی کریم محمد مینائی کے خلیفہ اصغر تھے ۱۲۰۰ھ

۱۔ سماہی نعتستان جے پور جلد ۹ شماره ۳ ص ۱۰۸ بابت جنوری تا مارچ ۱۸۹۹ء

۲۔ تاریخ لطیف ص ۳۳

۳۔ گلہ سہ خرد المعروف بہ کلام کلیم از مولانا محمد عبدالرحیم کلیم لکھنوی ص ۲۶۷ قوی پریس لکھنؤ ۱۹۰۶ء
۴۔ مراد ذوالعلی عیش لکھنوی۔

۱۲۴۴ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ حضرت شاہ مینا صاحب کی اولاد میں ہیں اس لئے مینائی کہلاتے ہیں۔ شاعری میں مظفر علی خاں ایسر لکھنؤی سے ایستفادہ کیا۔ ۱۲۷۶ھ میں رام پور تشریف لے گئے اور عبداللہ دیواری کے مفتی کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں حیدر آباد دکن تشریف لے گئے۔ لیکن وہاں پہنچتے ہی علالت شروع ہو گئی اور ۷ جنوری ۱۳۱۸ھ/۱۳ مارچ ۱۹۰۰ء کو حیدر آباد دیواری میں داعی اجل کو لبیک کہا اور وہاں ہی دفن ہوئے۔ درج ذیل شہرہ آفاق شعر امیر ہی کا ہے:

قریب ہے یار و روزِ عشرِ چھپے کا کشتوں کا قتلِ نیکوگر جو چپ سب کی زبانِ فخر ہو پکار سکا^{۳۲}
مولانا عبد الجلیل نعمانی صاحب نے "غریب الوطنی" (۱۳۱۸ھ) سے امیر مینائی کی تاریخ وفات برآمد کی۔ بقول بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب: اس تاریخ کا لطف اُس وقت معلوم ہوتا ہے جبکہ منشی صاحب کا یہ شعر بھی پیش نظر ہوئے:

اب نہ ٹھہر دنگا کرے میری خوشامد بھی وطن کہ بلایا ہے غریب الوطنی نے^{۳۳} فحشہ
داغ دہلوی نے جو قطعہ اس سانحہ پر کہا وہ یہ ہے:

وائے ویلا جل بسا دنیائے وہ	جو مرا ہم فن تھا میرا مصفیر
راہوں مصطفیٰ آباد سے آیا دکن	یہ سفر تھا اس مسافر کا اخیر
کیا کہوں کیا کیا ہوئیں بیماریاں	کیا لکھوں تفصیل امراضِ کثیر
مبتلائے حدتِ صفر او تپ	موردِ آزار و اسہال و زحیر (پیش)
گو بظاہر تھا ایسر احمد لقب	در حقیقت باطناً پایا فقیر
شاہ مینا سے ہے نسلی سلسلہ	شاعری میں خاص تلمیذِ ایسر

^{۳۲} انتخاب یادگار از امیر مینائی ص ۴۴ ناشر اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ ۱۹۸۲ء
^{۳۳} چند ہم عصر ڈاکٹر عبدالحق ص ۱۳ ناشر انجمن ترقی اردو (ہند) علیگڑھ اگست ۱۹۵۷ء

ہے دعا بھی داغ کی، تاریخ بھی
 " قصر عالی پائے جنت میں امیر " ۱۳۱۸ھ

فصل سنہ میں ایک بامعاورہ زبان میں یہ قطعہ ملاحظہ ہو:

لوگ کہتے ہیں امیر آئے تھے اُن کو بھائی تھی دکن کی مٹی
 یاں پہ آتے ہی حضوری ہائی کیا رسائی تھی دکن کی مٹی

ہوئی اس وصل کی فصلی تاریخ

۰ مرنے لائی تھی دکن کی مٹی " ۱۳۱۰ فصلی

حکیم میرزا من علی جلال لکھنوی کے قطعہ کا حال تاریخ شرع ہے:

جلال لکھنویہ تاریخ ان کی رحلت کی

۰ امیر ہو گئے صدولے ایک مردِ غریب " ۱۹۰۰ء

دیگر مختلف قطعات و ابیات تاریخی سے مضمون کے محدود دائرے کو پیش نظر رکھتے

ہوئے، صرف نظر کیا جاتا ہے۔ اُسندہ قسط میں ہم یہ سلسلہ وفات داغ کے قطعات سے

شروع کریں گے بشرطیکہ توفیق ایزدی شامل حال رہی۔ (جاری)

۴۵ تاریخ ادب اردو از رام بابو سکینہ مترجمہ مرزا محمد عسکری ص ۳۶۰ مطبوعہ ۱۹۸۶ء

۴۶ چند ہم عصر ص ۱۳۔

۴۷ تاریخ لطیف ص ۲۷۔



۱۸۵ء کی جنگ آزادی اور مسلم جانا زبان حریت

لواء مختار احمد بھٹی۔ ریڈر و صدر شعبہ سیاسیات کریم سٹی کالج جمشید پور، بہار

۱۸۵۷ء کے واقعات کو انگریز مورخین نے شہ پسند فوجیوں کی سرکشی اور خود غرض اقتدار پسندوں کی مذبذبہ ممانہ اور گمراہ کن سازش کا نتیجہ قرار دیا ہے اور اس وجہ سے اسے غدر کا نام دیا گیا لیکن حقیقتاً یہ نہیں تھا اور نہ ہی صرف ہنگامی شور و شغب جو چند شہرہ پشت اور سرکش فوجی افسروں کی ناراضگی پیدا ہو گئی تھی بلکہ انگریزوں کو ہندوستان کی سر زمین سے باہر نکالنے کی ایک جبراً ت مزید کوشش، انقلاب اور بغاوت تھی جو دراصل آزادی کے حصول کے لئے پہلی منظم جنگ ثابت ہوئی بقول مٹ جونسن "یہ عوامی جنگ تھی اور ہندوستان کی کسی بھی جنگ میں آج تک عوام کی اتنی بڑی تعداد حصہ نہیں لیا تھا۔" برطانوی وزیر اعظم، ڈزرائیلی بھی اس سے متفق ہیں جب ۲۷ جولائی ۱۸۵۷ء کو ایک تقریر میں انہوں نے کہا تھا کہ جنگ کی دستہ کے باغیوں نے محض فوجی تکلیفات کی بنا پر بغاوت کی تھی بلکہ درپردہ وہ ملک کی عام سیاسی بے چینی کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ (۱) اگرچہ تاپسند اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکے اور وطن عزیز کو نجات دلانے کی مشترکہ جدوجہد انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور انگریزوں کا ظالمانہ و جاہلانہ تسلط اور شکنجہ ہندوستان کی زمین بھی سخت ہوتا گیا۔ تہذیب و تمدن کی دعوی دار انگریز قوم نے بربریت اور سفاکی کے وہ مظاہرے اس سے چنگیز خاں، ہلاکو اور نادر شاہ کی روحیں بھی کانپ اٹھی ہوں گی۔

انگریزی حکومت کے خلاف ہندوستانیوں کی نفرت کی کئی وجہیں تھیں ابتداً انگریز تجارت سے ہندوستان آئے تھے اور ایک خود غرض تاجروں کی طرح آتے ہی انہوں نے لوٹ کھسوٹ و دہشتا نیوں کی معیشت کو برباد کرنا شروع کر دیا ان کے کچھ پر جوش اہلکار اور پادری سر دہشتا نیوں کے مذہب کے درپے تھے جنگ بلا سنی اور سرنگا پٹم کے بعد اس نے حکومت کا

درپہنچا اور گریگ مردم خورین کرنے صرف ملکی صنعت و حرفت کے کارخانہ کو تباہ کیا بلکہ
 بڑی بڑی حکومتوں کے پرچے اڑانا بھی شروع کر دیا پہلے بہار بنگال اڑیسہ کی دیوانی شاہ عالم سے
 حاصل کی پھر اودھ پہونچے روہیلوں کو تباہ و برباد کیا ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد مرہٹوں کو
 مٹایا اور نظام کو بے دست و پا کر دیا اور شاہ عالم کے ہمدر دین کر دیلی میں قدم جمایا اور اسے
 نظر بند کر دیا اور علی طور پر دیلی میں اپنی حکومت قائم کر لی تو وسیع سلطنت کے لئے صوبوں کا
 تقسیم و ترقی کی حکمت عملی حکومت کی بد عہدی اور اس طرح دوسری مکارانہ غداری کو ہندوستان کا
 سنجیدہ طبقہ بتدریج محسوس کر رہا تھا انہیں یہ بھی احساس تھا کہ تمام قوانین ان کی تبدیل تباہی
 ہم وطنوں کو ان کے جن و ایمان سے محروم کرنے کی غرض سے بنائے جا رہے ہیں وہ انگریز حکومت کو
 ایک دیر اثر زہر اور شعلہ فریب تصور کرتے تھے جو ریت کی دیوار کے مانند ہے ان کی خواہش تھی کہ
 ہندوستان کو انگریزی راج کی بدترین غلامی سے نجات دل کر اپنی عظمت و قار آمدی اور خود داری
 کو پھر سے حاصل کیا جائے اس کے لئے ان لوگوں نے ۳۱ مئی ۱۸۵۷ء کی تاریخ مقرر کر رکھی تھی جبکہ
 ایک ہی وقت میں پورے ہندوستان میں بغاوت کر دی جائے لیکن اس سے قبل ہی مذہبی جذبات
 و ایمان کی وجہ سے سپاہی آگ بگولہ ہو گئے جیل خانہ میں ایک ہی طرح کا کھانا، فوجی بھرتی میں سمند
 پار جلنے کی شرط، نکاح، بیوگان، دختر کشی کی جانمت سستی کا انسداد لگھی میں گائے اور سور کی چرباؤ
 آٹے میں ان کے ہڈیوں کی راکھ کا پرو پیگنڈا۔ ہندوستان کے ہندو اور مسلمان کو عیسائی بنا۔
 کا منصوبہ اور اس کے لئے عیسائی مشنریوں کی پرزور اور اتادلانہ کوشش شمالی ہندوستان۔
 دیہاتوں اور فوجیوں کے درمیان پراسرار چپاتی اور کنول کے پھول کی تقسیم چرباؤ لگے کارٹوس کے
 افسانے اور شاہ ایران و روس سے مدد کی غلط توقعات وغیرہ انگریزوں کے خلاف فوجی
 شورش کے محرک ثابت ہوئے۔

ہندوستانی سپاہیوں کے درمیان بے چینی کی علی شکل سب سے پہلے ۲۴ جنوری ۱۸۵۷ء
 کو دیکھنے کو ملی جبکہ دم چھاؤنی (کلکتہ) میں مقیم دیسی سپاہیوں نے اپنے انگریز افسروں سے
 فیڈلٹ رائفلوں کے کارٹوس میں گائے اور سور کی چرباؤ ہونے کی شکایت کی حکومت کی جانب سے
 کی تردید کی گئی لیکن یہ افواہ بارود کی ڈھیر میں چنگاری کا کام کر چکی تھی بارک پور کے فوجیوں

ہرام پور میں شدت آباد کی انیسویں ریمینٹ میں بے چینی کا بیج بوریہ ۹ فروری کی رات اس ریمینٹ میں حکومت کے خلاف مظاہرے بھی ہوئے بارکپور کے ۳۴ رجیمینٹ کے ایک فوجی منگل پانڈے نے ۴ اپریل کو ہریڈ کے دوران دین دین کا نعرہ لگاتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو فریگیوں کے خلاف لڑنے کے لئے اکسایا اور سر جینٹ میجر پر گولی چلا دی ۱۶ اپریل کو اس کے خلاف مقدمہ کا کارروائی شروع ہوئی اور سرسری سماعت کے بعد ۸ اپریل ۱۸۵۶ء کو اسے پھانسی دے دی گئی اور ۱۹ دسمبر ۱۸۵۶ء میں ریمینٹ کو ختم کر دیا گیا۔ بارکپور کی خبریں کسی قدر مبالغہ کے ساتھ شمالی ہندوستان بھی پہونچیں میرٹھ چھاؤنی کے ہندوستانی سپاہیوں نے بھی مختلف طریقوں سے انجیل بے چینی کا اظہار کیا ۱۶ مئی کو میرٹھ میں تیسرے کیمپری میں ہریڈ کے لئے کل نوے سپاہی کے علاوہ سبھوں نے اس کارٹوس کو لینے سے انکار کر دیا ان ۸۵ فوجیوں میں ۴۹ مسلمان اور باقی غیر مسلم تھے۔ (۲)

۹ مئی کو عوامی ہریڈ کے دوران ان فوجیوں کو دس دس سال قید با مشقت کی سزا دی گئی کہ ان کے فوجی تھے جنہیں لئے گئے ان کی وردیاں پشت سے پھاری گئی اور انہیں بیڑیوں اور جھکڑیوں میں جکڑ دیا گیا اور با پیادہ شہر کے جیل میں پہونچا دیا گیا (۳) یہ نظارہ بہت ہی حسرتناک اور اشتعال انگیز تھا جس نے ہندوستانی افواج کے علاوہ عام عوام کی غیرت و حمیت کو بھی جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ یہ ایک اتفاقیہ جنگاری تھی جو کہ آتش گیر مادے پر مگر پڑی اور آگ بھڑک اٹھی۔ ۱۵ مئی کی شام دیسی افواج کے سواروں کے ایک دستہ نے سیرکوں کو آگ لگا دی دو پیادہ پلٹن نے بغاوت کر کے جیل پر حملہ کر دیا اور تمام قیدیوں کو آزاد کرالیا جو فرنگی بھی سامنے آئے انہیں گولی مار دی گئی دیسی فوجیوں کا پولہ دستہ دہلی چلو کا نعرہ لگاتے ہوئے دہلی کے لئے با پیادہ کوچ کر گیا اور ۹ گھنٹہ کے اندر ہی ۴۴ میل کا راستہ طے کر کے ۱۱ مئی کی صبح دہلی پہونچ کر لال تلہ میں داخل ہو گیا اور بہادر شاہ ظفر کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہوئے رہبری اور رہنمائی کی درخواست کی۔ باغی انہیں قومی اتحاد کی نشانی سمجھتے تھے جن کی پشت پر ہندوستان کے مختلف فرقے اور طبقے اکٹھا ہو سکتے تھے بڑے بادشاہ نے دہلی کے انگریز ریڈرینٹ کو بلا کر صلح و صفائی کی کوشش کی لیکن انہیں کامیابی نہیں ملی ان انقلابی سپاہیوں نے دہلی

کے انگریزوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ دہلی چھاؤنی کی ۳۵ ویں ریجمنٹ اور دہلی کے عوام بھی ان کے ساتھ مل گئے ایک عارضی مرکزی حکومت کا اعلان ہوا۔ ۳۱ اگست کو شاہی دربار منسوخ ہوا بادشاہ بذات خود اس میں شریک تھے ایک کونسل امور رات جنگ کے لئے منتخب ہوئی وزیر حرب مرزا جوالہ بخت بنائے گئے ایک فوج کی کمان نواب زیت محل کو سپرد ہوئی۔ مرزا افضل کھانڈرانا وچا مقرّر ہوئے جہاں دہلی اور دھرم پور کا نعرہ شمالی ہندوستان کے دلوں میں بیٹھ گیا۔ اور دس دنوں کے اندر صوبہ اور دہلی میں انگریز حکومت کے پرچم اڑ گئے اور اس کا نام و نشان باقی نہیں رہا۔ ۱۳ مئی کو فیروز پور ۳۴ مئی کو مظفرنگر، ۲۰ مئی کو علی گڑھ، ۲۱ مئی کو نوشہرہ (پنجاب) ۲۳ مئی کو اٹاوا اور سین پوری، ۲۵ مئی کو روڑکی اور بدایوں، ۲۸ جون کو اعظم گڑھ اور سیٹاپور ۳۱ جون کو بنارس خمدی اور کانپور ۶ جولائی کو جھانسی اور الہ آباد، ۷ جولائی کو فیض آباد، ۸ جولائی کو دہلی اور فتح پور وغیرہ میں انقلاب کی آگ پھیل گئی ان جگہوں پر فوجیوں کی سرکشی کے ساتھ ہی ساتھ یا اس سے قبل ہی وہاں کے عوام نے بغاوت کا علم بلند کر دیا ہندو مسلم اتحاد و الفت کی خاطر لگے کی قربانی بند کر دی گئی تاجرانہ منافع فردش در بیگانگان بعید الوطن جنہیں ہندوستانی عاصب بد عہد اور خائن سمجھے تھے اپنے وطن عزیز کو پاک کرانے کی خاطر علما و تاجروں کو قدیم زمیندار غاٹا سا دھو سیاسی گھومنے پھرنے والے فقیر گداگر اور بھاری وغیرہ متفقہ طور پر تن من دھن کی بازی لگا کر ان میں کو دپڑے بقول کے (۱۷۷۷) دریائے گنگا اور جمن کے درمیانی علاقہ میں شاید ہی کوئی مسلم یا ہندو ہوگا جو ہمارے خلاف صف اُٹا رہا ہو" تھامس نو کے مطابق دختر کش راجپوت، کٹر براہمن، متعصب مسلمان اور عیش پسند توند والا من پلاسریہ سبھی اس جہاد میں شامل ہو گئے گائے کا قاتل اور گائے کا بچاری، خنزیر سے کراہیت رکھنے والا اور خنزیر کا گوشت کھانے والا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھنے والا اور برہما کے منستروں کا چپنے والا سبھوں نے مل کر بغاوت کر دی۔ (۳)

(بقیہ آئندہ)

(حواشی)

(۱) ایڈوارڈ ٹامسن دی اور سائید سن اوف میڈل (لندن ۱۸۹۲ء) ص ۲۷

(۲) غلام رسول مہر ۱۸۵۷ء کے مہاجرین (لاہور ۱۹۶۶ء) ص ۱۵۱ سید محمد میاں علماء ہند کے شاندار ماضی

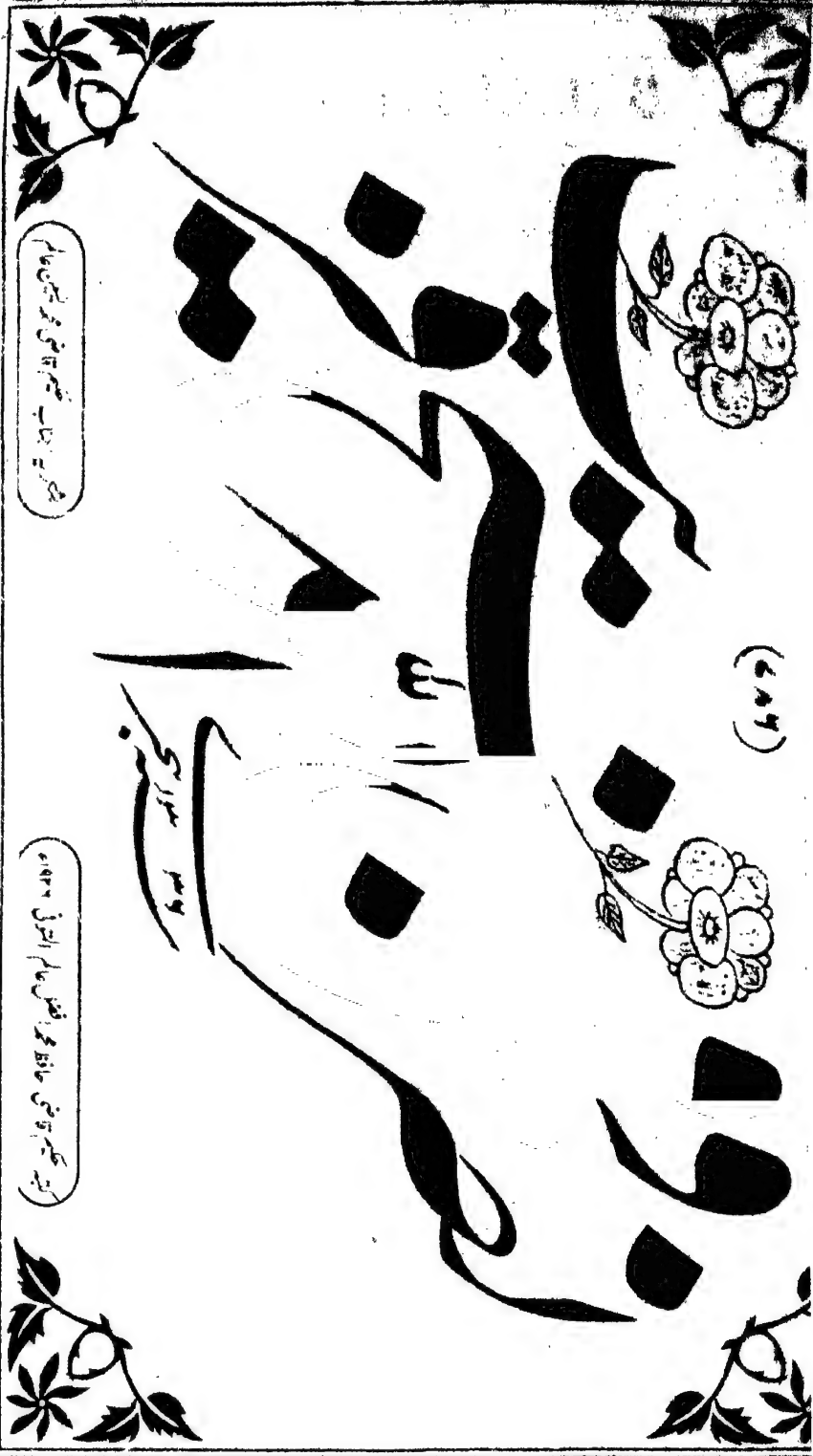
جلد ۴ دہلی الجمعۃ ۱۹۶۰ء ص ۹۴

(۳) وی ڈی ساورکر ۱۸۵۷ء دی انڈین وارنٹ اینڈ پینڈنس (ممبئی ۱۹۴۷ء) ص ۵۴ (۴) تھامس نیو

(۷۸۶)

محرر: نجم قاضی محمد حسین عالم

(ترجمہ نجم قاضی حافظ محمد رفیع عالم الترقی ۱۹۳۶ء)



www.ayaz.com

Urdu: 0300-710006 Phone: 0262815



شربت روح افزا

کچھ چیزیں کبھی نہیں بدلتیں

